

آقبسال

ایرانیوں کی نظر میں

ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی

آقبسال اکادمی ، کراچی

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

فہرست مضامین

صفحہ

ج	ممتاز حسن کے نام	۱
۵	تعارف	۲
۱	مقدمہ	۳
۲۸	بہار اور اقبال	۴
۵۹	اقبال اور محیط طباطبائی	۵
۹۷	اقبال اور سعید نفیسی	۶
۱۳۰	اقبال اور ڈاکٹر حسین خطیبی	۷
۱۵۹	آقای مجتبیٰ مینوی اور اقبال	۸
۱۷۳	ڈاکٹر کچکینہ کاظمی اور اقبال	۹
۱۸۶	اقتباس از مقالہ داعی الاسلام	۱۰
۲۰۶	اقتباس از سخنرانی علامہ علی اکبر دہخدا	۱۱
۲۱۳	انتخاب از خطابہ سید حسن تقی زادہ	۱۲
۲۱۹	خطابہ ڈاکٹر منوچہر اقبال	۱۳
۲۲۴	اقتباس از ڈاکٹر لطفعلی صورتگر	۱۴
۲۲۹	اقتباس از مقالہ آقای صادق نشأت	۱۵
۲۳۶	اقتباس از سخنرانی مشایخ فریدی	۱۶
۲۴۰	اقتباس از مقالہ آقای مقتدری	۱۷
۲۴۳	اقتباس از آقای محمد حجازی مطیع الدولہ	۱۸
۲۴۷	اقتباس از نامہ آقای حبیب اللہ آموزگار	۱۹
۲۴۹	اقتباس از سخنرانی ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی	۲۰
۲۵۲	اقتباس از مقالہ آقای عبدالحسین نوائی	۲۱
۲۵۶	سرمد اور اقبال	۲۲
۲۸۶	قصیدہ از آقای کاظم رجوی	۲۳
۲۹۷	قصیدہ از آقای ادیب برومند	۲۴
۳۱۰	اقتباس از قصیدہ آقای حبیب یغمائی	۲۵
۳۱۳	قصیدہ ڈاکٹر قاسم رسا	۲۶

پاکستان کراچی



سلسلہء مطبوعات

بار اول	اپریل ۱۹۵۷ع
تعداد	دو ہزار
قیمت	دس روپے آٹھ آنے

RS. ۱۵-50 N.P

ناشر: اقبال اکادمی پاکستان - کراچی
طابع: انٹر سروسز پریس- جی پی او بکس ۲۴۴ کراچی

ممتاز حسن کے نام

یہ کتاب اقبال کے متعلق اہل ایران کے تاثرات کا مختصر مجموعہ اور میری ایران میں سات سالہ زندگی کی بہترین اور شیرین ترین یادگار ہے۔ میں اس کو ایک ایسے نام سے منسوب کرتا ہوں جس کے ذکر سے میری نگاہ میں اقبالیات کی فضا ایک رویا آفریں زیبائی میں محو ہو جاتی ہے اور اقبال کا تاثر اور سوز و گداز تجسم پیدا کر لیتا ہے۔ اجازت دیجئے کہ اس یادگار کو آپ کے نام نامی سے منسوب کروں۔

حمید عرفانی

۳۱۶	قصیدہ آقای علی صدارت نسیم	۲۷
۳۲۶	اقتباس از اشعار آقای گلچین معانی	۲۸
۳۳۱	قصیدہ آقای علی خدائی	۲۹
۳۳۶	قصیدہ آقای رجائی	۳۰
۳۴۲	قصیدہ آقای طالقانی	۳۱
۳۴۸	ایران کے وزرا اعظم کے پیغام	۳۲
۳۵۹	متفرقات	۳۳

بالعکس صفحہ

تصاویر

۵	اقبال و روسی، عمل استاد حسین بہزاد	۱
	ملک الشعرا بہار اور مولف	۲
۲۰	خانم ڈاکٹر کچکینہ کاظمی یوم اقبال کے	۳
	زنانہ جلسہ میں تقریر کر رہی ہیں۔	
۵۰	ملک الشعرا بہار یوم اقبال (۱۹۵۰) کے	۴
	موقعہ پر خطبہ صدارت پڑھ رہے ہیں۔	
۸۵	علامہ دہخدا، سید تقی زادہ، سید محیط	۵
	طباطبائی، محمد حجازی مطیع الدولہ	
۹۷	استاد سعید نفیسی بر مزار اقبال (۱۹۵۶)	۶
۱۳۶	مجتبیٰ مینوی مولف اقبال لاہوری، ڈاکٹر	۷
	حسین خطیبی، ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی	
	علی صدارت نسیم	
۲۱۹	ڈاکٹر منوچہر اقبال یوم اقبال کے جلسہ	۸
	میں تقریر کر رہے ہیں	۹
۲۴۸	صادق سرمد شاعر ملی ایران، ادیب برومند	
	کاظم رجوی، منوچہر طالقانی	
۲۵۲	اقبال و روسی، عمل استاد حسین بہزاد	۱۰
۳۴۸	جناب آقای حسین علاء۔ جناب آقای ڈاکٹر	۱۱
	محمد مصداق، جناب آقای سپہ۔ زاندی،	



تعارف

اس تعارف سے ہمارا مقصد کتاب کے موضوع اور صاحب کتاب سے قارئین کا تعارف ہے۔ کتاب کا عنوان اسکے موضوع پر روشنی ڈالتا ہے اور قارئین کی توجہ اسکی ظاہری صورت سے ہی اسکے مطالب کی طرف منعطف ہوتی ہے۔ اس موضوع پر اردو زبان میں آج تک کوئی کتاب موجود نہیں تھی اور اسکا سبب یہ تھا کہ کوئی شخص پاکستان میں بیٹھ کر اس موضوع پر قلم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اسلئے ہمارے لئے یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم کتاب کے ساتھ صاحب کتاب کو بھی قارئین کے سامنے پیش کریں۔

۱۹۷۷ع میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے وجود میں آئی اور ایران سے صدیوں کے ٹوٹے ہوئے سیاسی اور تمدنی تعلقات از سر نو قائم ہوئے اور ۱۹۷۹ میں ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی پریس اور کلچرل اتاشی کی حیثیت سے ایران گئے۔ اگرچہ اس سے قبل بھی انگریزوں کی حکومت کے زمانہ میں حکومت ہند کیطرف سے کلچرل نمائندہ کے طور پر ایران میں رہ چکے تھے لیکن انکی موجودہ حیثیت نہ صرف جداگانہ تھی بلکہ پاکستانی ہونیکی حیثیت سے ممتاز بھی تھی۔ انہوں نے قیام پاکستان کے بعد ایران میں اپنے ہفت سالہ قیام کے دوران میں جس تن دہی اور جس خوبی سے کام کیا وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ڈاکٹر عرفانی کی ایرانیوں میں بینظیر ہر دلچسپی کا بیان میرے بس کی بات نہیں لیکن ۱۹۵۳ میں جب میں پاکستانی ثقافتی وفد کے ہمراہ کراچی یونیورسٹی کے نمائندہ کی حیثیت سے گیا

رومی اقبال



اور خانم ڈاکٹر کاظمی و رومی، عصر کے مقدمہ میں فرماتی ہیں -
تو زکشمیر و خاک پاکستان ارمغانی برای ایرانی

ڈاکٹر عرفانی کی متعدد منشور و منظوم تالیفات ایران میں مقبولیت
حاصل کرچکی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

۱- رومی عصر یا شرح احوال و آثار اقبال

۲- شرح احوال و آثار ملک الشعراء بہار

۳- ایران صغیر یا تاریخ شعراء پارسی گوی کشمیر

۴- فارسی اسروز

۵- حدیث عشق و رباعیات عرفانی

لیکن ”رومی عصر“، جسمیں اقبال کے کلام و پیام کو پیش کیا گیا ہے
اب تک کئی بار چھپ چکی ہے اور اس کتاب کی مقبولیت ایران میں اقبال کی
مقبولیت کو ظاہر کرتی ہے۔

عرفانی صاحب کو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ ہم ایک جگہ رہے ساتھ
کئی لمبے عرصے ساتھ ہی پڑھا ہے اور اپنی زندگی کے ابتدائی قیمتی لمحات ساتھ
گزارے ہیں۔ ۱۹۲۳ء میں عرفانی علامہ اقبال کی اسرار و رموز چکوال ہائی
سکول کے بزم اقبال کے جلسوں میں اپنی مخصوص لے میں ہمیں سنایا
کرتے تھے۔

اسکے بعد جنوری ۱۹۳۰ء میں جب میں علی گڑھ میں زیر تعلیم تھا وہ
لاہور سے محض مجھ سے ملنے کیلئے آئے۔ اسکے بعد میری ملاقات ان سے
تہران میں ۱۹۵۳ء میں ہوئی جس کا ذکر کر چکا ہوں:

تو میں نے ایران کے ادبی حلقوں میں انکی بڑی قدر و منزلت دیکھی
بالخصوص اونچے طبقہ کے لوگ بھی انکی وضعداری، راست گفتاری، سخن
منجی اور معاملہ فہمی اور ایران دوستی کے معترف تھے۔ اس ضمن میں یہ
ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ مرحوم ملک الشعراء بہار عرفانی کو نہایت محبت
اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور انکی مندرجہ ذیل دو بیٹی جو
انہوں نے بیماری کی حالت میں اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کہی ایران
میں زبان زد عام و خاص ہے۔

دوش آمد پی عیادت من ملکی در لباس انسانی
گفتمش چیست نام پاک تو، گفت خواجہ عبدالحمید عرفانی
اسکے علاوہ استاد سعید نفیسی نے ارمغان پاک کے مقدمہ میں عرفانی
کو ادبیات فارسی معاصر کے دوارکان، میں شمار کیا ہے۔ اپنے مقالات اور
تحریرات میں استاد نفیسی، ڈاکٹر خطیبی، ڈاکٹر منوچہر اقبال، ڈاکٹر شفق، صادق
سرمہ، آقای حجازی، ڈاکٹر کاظمی اور دیگر ایرانی مشاہیر نے عرفانی کو جو
خراج تحسین پیش کیا ہے، وہ اس مختصر تعارف کی حدود میں نہیں سما سکتا۔
اقبال کو ایران میں روشناس کرانے میں جو خدمت عرفانی نے انجام
دی ہے اسکے متعلق ایران کے مشہور عالم اور ادیب ڈاکٹر رضا زادہ شفق
کی نظم کا ایک بند پیش کرتا ہوں:

آنکہ اقدام مقبلان کردہ	شعر اقبال را بیان کردہ
دفتر خویش از گل عرفان	پاک محسود گلستان کردہ
مساک عارفان ایران را	بہر پیر و جوان عیان کردہ
شاعر دلتنیں پاکستان	پیش صاحبذلان نشان کردہ
گرپرسی ز نام او کہ چنین	کار نیکی درین زمان کردہ
من نمی گویمت تو خود دانی	خواجہ عبدالحمید عرفانی

رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے وہ فارسی بولتے اور لکھتے تو ہیں ہی لیکن وہ جب کبھی اردو بولنے یا لکھنے کی کوشش کرتے تو بھی اسمیں فارسی کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارے دعوے کا ثبوت فارسی مقالوں اور تقریروں کے ترجموں میں ملیگا جو انہوں نے اس کتاب میں پیش کئے ہیں۔

کتاب کی معنوی خوبی کا اندازہ صرف مطالعہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اور اسکے متعلق کوئی اظہار نظر کئے بغیر اسبات کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

غلام سرور

(ڈاکٹر غلام سرور۔ ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی 'علیگ،

صدر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی)

۲۰ مارچ ۱۹۵۷ع

یہاں اس بات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ اقبال سے عشق بچپن ہی سے ہمارے درمیان مشترک تھا اور عرفانی کی طرح عشق اقبال میری ذہنی کیفیات کا بھی ہمیشہ سے ایک حصہ رہا ہے۔

۱۹۳۳ء میں جب میں پہلی مرتبہ ایران گیا تو میں اپنے ہمراہ علامہ اقبال کی چند کتابیں لے گیا اور دو جاوید نامہ،، کا ایک نسخہ میں نے سید محیط طباطبائی کی خدمت میں پیش کیا اور اسی طرح چند کتابیں بعض دیگر ایرانی ادبا تک پہنچائیں۔ اسی سفر کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ بعض ادبا اقبال کے نام سے آشنا ہو چکے ہیں۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ ”شکوہ“، اقبال کے ابتدائی اشعار کا ترجمہ ”دردگرہ پروردگار“، کے عنوان سے رسالہ ”وندای قدس“، ۱۹۲۶ء کے تیسرے نمبر میں صفحہ ۲۱۹ پر شائع ہو چکا ہے۔

لیکن جیسا کہ ظاہر ہے اقبال کے کلام سے بہت ہی کم لوگ آشنا تھے۔ اور جیسا کہ ڈاکٹر عرفانی نے اپنے مقدمہ میں بیان کیا ہے اسمیں ایرانیوں کا کوئی قصور نہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے اقبال کا کلام نہایت ہی کم اور محدود مقدار میں ایران تک پہنچا تھا مگر اب جبکہ حالات مساعد ہوئے تو نہایت تھوڑے عرصہ میں ایران کے طول و عرض میں اقبال کا کلام ہر دلعزیزی حاصل کر چکا ہے اور یہ نہایت ضروری تھا کہ ابتدائی چند سالوں میں ایرانیوں کے تاثرات کو ضبط اور ثبت کر لیا جائے۔ یہ کام میرے دیرینہ دوست نے نہایت خوبی سے انجام دیا ہے۔ ہمیں نہایت خوشی ہے کہ عرفانی صاحب نے علامہ اقبال کے متعلق ایرانی ادبا اور فضلا کے خیالات کو اردو زبان میں ڈھال کر ہم تک پہنچایا ہے البتہ اس سلسلہ میں یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایران میں طویل قیام کی بنا پر فارسی زبان عرفانی کے

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

مقدمہ

عصر حاضر خاصہ اقبال گشت واحدی کز صد ہزاران بر گذشت
شاعران گشتند جیشی تارومار وین مبارز کرد کار صد سوار
ہیکلی گشت از سخنگوئی بپا گفت ”کل الصيد فی جوف الفراء“

ترجمہ :

”موجودہ زمانہ خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے

اقبال تنہا لاکھوں سے بازی لیگیا

شاعر ایک پامال شدہ فوج کی مانند تھے

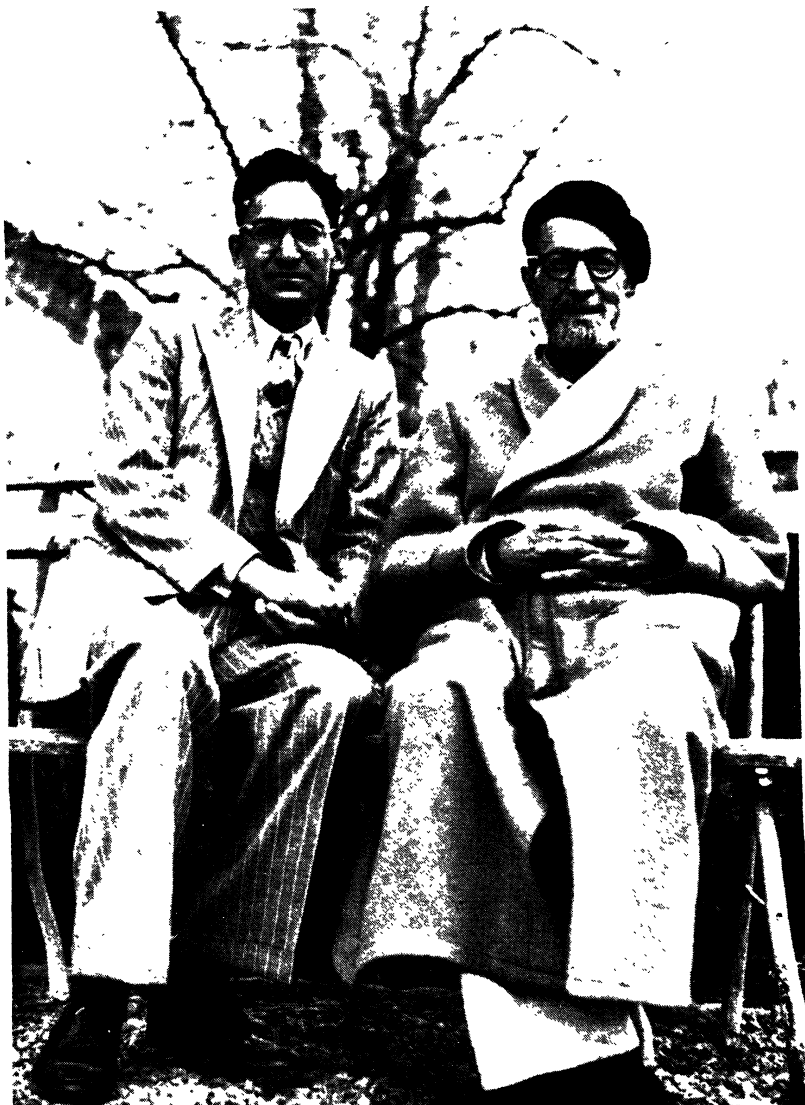
مگر اس جنگجو نے سینکڑوں سواروں کا کام کیا

شاعری ایک ہیکل (مجسمہ) کی صورت میں نمودار ہوئی

اور بولی ”شاعری کی تمام انواع و اقسام مجھ میں موجود ہیں۔“

ایران معاصر کی ادبی تاریخ کی سب سے بڑی شخصیت ملک الشعراء بہار
نے تقریباً گیارہ سال گزرے ان الفاظ میں اقبال کے متعلق اپنے خیالات
کا اظہار فرمایا ۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں طہران میں انجمن فرہنگی ایران و ہند کا افتتاح
ہوا جس میں مرحوم ملک الشعراء بہار نے ایک نظم ”خطاب بہ ہند“



ملک الشعرا بہار، اور مولف

معمولی شاعروں کی کمی نہ تھی اور چند ایک نسبتاً بڑے شاعر بھی ہر وقت موجود تھے۔ اس لئے اگر دیگر حالات مساعد بھی ہوتے تو بھی ایرانیوں کو ایران سے باہر فارسی گو شعرا کی جستجو کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ اپنی داخلی کشمکش میں اتنے مشغول تھے کہ ایران سے باہر کے معاملات میں دلچسپی لینا ان کے لئے نا ممکن تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز سے ایران گونا گوں مسائل سے رو برو تھا۔ تحریک مشروطہ اور لوگوں کی استبداد کے خلاف جنگ نے تمام ملک میں ایک نئی زندگی کی لہر دوڑا دی تھی۔ روس اور برطانیہ کی سیاسی شطرنج بازی نے حالات کو اور بھی پیچیدہ اور مشکل بنا دیا تھا۔ اس ماحول کا قدرتی طور پر معاصر ادبیات پر گہرا اثر پڑا۔ قوم کی تمام تر توجہ سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر تھی۔ نئی نثر، نئی نظم اور نئی ادبی قدریں وجود میں آئیں اور اسی تحول کے زمانے میں کلاسیک طرز کی نثر و نظم ایک حد تک طاق نسیان ہو گئی اور معدودے چند علمی اور ادبی کام کرنے والوں کے علاوہ کسی کو انکا مطالعہ کرنے کی نہ فرصت تھی نہ حوصلہ۔

ان حالات میں اقبال کے کلام کا ایران میں ہر دل عزیزی حاصل کرنا ایک محال امر تھا۔ لیکن ہند و پاکستان کے لوگ جب یہ سترے تھے کہ اقبال کو ایران میں کوئی نہیں جانتا تو عموماً یہ نتیجہ نکالتے تھے کہ اقبال کا کلام ایرانیوں کے ادبی اور معنوی معیار پر پورا نہیں اترتا۔ اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کہ آیا اقبال کا کلام باندازہ کافی ایرانیوں تک پہنچا بھی ہے یا نہیں۔ دوسرے یہ کہ آیا خود ایرانیوں کو جو جنگ مشروطہ اور دیگر بے شمار داخلی اور خارجی سیاسی اقتصادی مسائل

کے عنوان سے پڑھی۔ مندرجہ بالا تین شعر اسی معروف نظم سے نقل کئے گئے ہیں۔ جن دنوں یہ نظم ایران میں پڑھی گئی اور وہاں کے اخبارات میں چھپی بہت کم ایرانی اقبال کو پہچانتے تھے۔ اس لئے اکثر پڑھنے یا سننے والوں نے ان اشعار کو ایرانی تکلف یا شاعرانہ مبالغہ سمجھا اور زیادہ توجہ نہ دی۔ اس کے چھ سال بعد، یعنی اپریل ۱۹۵۰ء میں یوم اقبال کے موقع پر اپنی صدارتی تقریر میں بہار نے ان اشعار کو دہرایا اور اضافہ کیا ”میں اقبال کو ایران کی نو سو سالہ ادبی تاریخ کا خلاصہ سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔“، اور آج اس واقعہ کے چھ سال بعد (۱۹۵۶) میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایران میں جتنی قدر و منزلت اقبال کی ہوئی ہے اس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ مگر ابھی تک اقبال کے بہت سے ہم وطن اقبال کی روز افزوں ہر دل عزیزی سے بیخبر ہیں یا پورے طور پر باخبر نہیں۔

یہ بات کہ اقبال کی زندگی میں بہت کم ایرانی اقبال کو پہچانتے تھے، بالکل صحیح ہے۔ اور اس کا سبب بھی بالکل واضح ہے۔ مدتوں سے ایران و ہندوستان کے درمیان معنوی اور فرہنگی روابط منقطع ہو چکے تھے۔ اور باوجود اس گہری دلچسپی کے جو ہندوستان میں ایرانی ادبیات سے متعلق صدیوں سے موجود تھی یہاں بھی نہایت کم لوگ ایران کے معاصر شعرا سے آشنا تھے۔ اور یہ قلیل آشنائی بھی فارسی پڑھانیوالے استادوں اور فارسی پڑھنے والے طالب علموں تک محدود تھی۔ ادھر ایرانیوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ معاصر ہندوستان کے فارسی گو شعرا میں غیر معمولی یا معمولی دلچسپی کا اظہار کریں۔ باوجود ادبی انحطاط کے گذشتہ ۵۰ سال کے عرصہ میں بھی ایران میں متوسط اور

قبل پروفیسر پور داؤد کے بیانات کی بنا پر ہندوستان اور ایران کے ادبی اور سیاسی حلقوں میں پھیل گئی اور جسکو دور کرنیکی اب تک کوشش نہیں کی گئی۔

سنہ ۱۹۴۳ ع میں ایران سے ایک کلچرل مشن ہندوستان آیا تاکہ ان دو ہمسایہ ملکوں کے درمیان سالہا سال کی جدائی کے بعد دوبارہ علمی اور ادبی تعلقات کو وسعت دے۔ اس مشن نے ہندوستان کے مختلف مقامات کا دورہ کیا۔ دہلی اور علی گڑھ میں قیام کے دوران میں کسی اخباری نمائندے نے پروفیسر پور داؤد سے سوال کیا کہ آپ کی اقبال کے متعلق کیا رائے ہے۔ بجائے اس کے کہ پروفیسر صاحب اس سوال کا صاف اور صحیح جواب دیتے (کہ میں نے اقبال کا بالکل مطالعہ نہیں کیا اسلئے اس کے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتا) آپ نے کہہ دیا کہ اقبال ایک محلی اور محدود علاقے کا شاعر ہے اور ایران میں اسے کوئی نہیں جانتا۔ ان کے اس بیان سے ہندوستانیوں کے بالعموم اور ہندوستان کے مسلمانوں کے احساسات کو بالخصوص صدمہ پہنچا۔ یہی نہیں بلکہ اقبال کے چند ایک ایرانی مداح بھی پور داؤد کے اس بیان سے رنجیدہ خاطر ہوئے۔

مجلہٴ محیط، اردیہشت ۱۳۲۴ (۱۹۴۴)، نے اس واقعہ کا نہایت افسوس کے ساتھ یوں ذکر کیا ہے، ”کسی اخبار کے نامہ نگار نے مشن کے ایک رکن سے (جن کا بیشتر ادبیات ایران قبل از اسلام سے تعلق ہے یا فقط اوستا کی تعلیمات سے عشق رہا ہے اور اس سبب سے ان کے دماغ میں ادبیات بعد از اسلام کا مطالعہ کرنیکے لئے جگہ باقی نہیں رہی) اقبال کے ادبی مقام کے متعلق بات شروع کی..... اور باوجود سفیر کبیر ایران آقای علی معتمدی کے سمجھانے کے، ٹیگور اور اقبال کا مقابلہ

سے دوچار رہے ہیں اتنی فرصت ملتی ہے کہ وہ اقبال کی کتابوں کا سکون اور توجہ سے مطالعہ کر سکیں ؟

جیسا کہ اب ہمیں معلوم ہے، پہلے پہل اقبال کی جستہ و گریختہ کچھ نظمیں بعض افغانستان کے رسالوں کے ذریعے سے ایران میں پہنچیں۔ اور بعض ایرانی رسالوں نے انہیں سے ایک آدھ نظم نقل بھی کی۔ مجھے ڈاکٹر خانلری، پروفیسر تہران یونیورسٹی، نے ایک قدیم نسخہ مجلہ 'سخن کا دکھایا جسمیں اقبال کی ایک نظم درج تھی جو کابل کے ایک رسالے سے نقل کی گئی تھی اور غلطی سے اقبال کو افغانستان کا شاعر تصور کیا گیا تھا۔ اس سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ اقبال کا جو کلام بھی ایران میں پہنچا اس کو ادبی رسالوں نے اشاعت کے قابل سمجھا۔ اگرچہ اقبال کو ایران میں شہرت حاصل نہ تھی پھر بھی چند ایک عالی پایہ ادیب اور دانشمند اس کے کلام سے گہرے طور پر متاثر ہو چکے تھے۔ ان چند ایک میں سے دو کے ساتھ مجھے ملاقات اور مصابحت کا موقع ملا ہے۔ انکے نام یہ ہیں، استاد سعید نفیسی اور سید محیط طباطبائی۔

مرحوم اقبال کی ان ہر دو اصحاب سے خط و کتابت تھی اور یہ دونو صاحبان اقبال کے مداح اور قدردان تھے۔ ان کے علاوہ چند اور لوگ بھی اقبال کے نام سے یا تھوڑا بہت اس کے کلام سے آشنا تھے مگر سب سے پہلے جن اشخاص نے اقبال کے کلام میں دلچسپی کا اظہار کیا اور اسے سراھا اور دوسرے ایرانیوں کے سامنے اسکی تعریف کی، سید محیط طباطبائی اور سعید نفیسی ہیں۔

یہاں اس غلط فہمی کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا جو چند سال

پور داؤد، تہران یونیورسٹی میں قدیم آریائی زبانوں اور اوستا و پہلوی کے استاد ہیں اور انہوں نے نہ صرف اقبال کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ اغلب ادبیات فارسی بعد از اسلام انکی حدود مطالعہ سے باہر رہی ہیں۔ بہر حال اقبال سے نا آشنائی اور بے اطلاعی ایرانیوں کا قصور نہیں۔ اسکی اصلی وجہ ہندوستان و ایران کے درمیان دو سو سال تک کا قطع ارتباط ہے۔

اس بات کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اقبال کی زبان اور طرز بیان قدما و متوسطین اور متاخرین شعر کلاسیک فارسی کے مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اگر اسکا سٹائل بہار، ایرج، عارف، سنہریار یا سرمد وغیرہ سے مختلف ہے تو یہ ایک طبعی امر ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جو الفاظ یا اصطلاحات یا محاورات اقبال نے استعمال کئے ہیں وہ فارسی کے بڑے بڑے کلاسیک شعرا کے ہاں موجود ہیں یا نہیں۔ اس کا بیسویں صدی کے شعرا سے مقابلہ کرنا بے انصافی ہے اور اقبال کو قدرتی طور پر اس بے انصافی کا شکار بھی ہونا پڑا۔ معدودے چند اقبال کو جاننے والوں میں سے بھی بعض اقبال کے فلسفیانہ اور حکیمانہ خیالات اور اسکے کلاسیک طرز بیان سے صحیح طور پر لطف اندوز نہیں ہوتے تھے۔ اور اسکے علاوہ وہ اقبال کی ذہنی بیک گراؤنڈ (پس منظر) سے بھی ناواقف تھے۔ اس لئے چند ایک شعر ادھر ادھر سے پڑھکر اسکے کلام کو ترک کر دیتے تھے۔ اس ضمن میں ذیل کا واقعہ دلچسپی کا موجب ہوگا۔

۱۹۳۳ ع میں افغانستان کے مشہور ادیب اور شاعر، آقای سرور گویا، فردوسی کی ہزار سالہ برسی کے جشن میں شرکت کے لئے تہران گئے۔ اقبال کو بھی غالباً شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر وہ بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے۔ سرور گویا اقبال کے دوستوں اور مداحوں میں سے ہیں۔ ایک

کرتے ہوئے اس نے ایک بڑی ناروا بات کہی - اس واقعہ کا عام مسلمانوں میں سخت عکس العمل ظاہر ہوا - اور بعض جرائد نے اسکی شدت سے تنقید کی اگرچہ اس ناخوشگوار واقعہ کی تلافی کے لئے مشن لاہور گیا اور اقبال کے مزار پر ملت ایران کی طرف سے پھول چڑھائے اعضائے ہیئت ایران واپس آنے پر بھی اس واقعہ پر افسوس کرتے تھے ...،*

* پورا اقتباس یہ ہے: -

سال گذشتہ روزی کہ ہیئت فرهنگی اعزامی ایران بہ ہندوستان برای باز دید دانشگاه دہلی رفتہ بودند ، مخبر یکی از روزنامہ های ہندوستان با یکی از اعضا ہیئت کہ بواسطہ توغل در ادبیات ایران قبل از اسلام و انس کامل با تعلیمات اوستائی برای مطالعہ در آثار فارسی دری بعد از اسلام در فراخوانی حوصلہ مشار الیہ جای خالی نہ مانده است ، راجع بہ مقام ادبی اقبال داخل مذاکرہ شد و باوجودیکہ آقای علی معتمدی (سفیرکبیر ایران در ہند) باشند خاطر نشان ساخت کہ در موقع گفتگو راجع بہ اقبال در سخن ادب را کملا نگہ دارد - باز ہنگام مقایسہ بین اقبال و تاگور حکمی ناروا کرد و مخبر روزنامہ ہم مصاحبہ خویش را عیناً انتشار داد و این پیش آمد در افکار عمومی مسلمانان ہند عکس العمل عجیبی تولید کرد تا جائی کہ در برخی از جرابہ ہندوستان عمل دولت ہند را در دعوت چنین ہیئتی با فقر مادی و مضیقہ دورہ جنگ انتقاد سخت نمودند - باوجودیکہ ہیئت برای جبران این موضوع بہ لاہور رفت و آرامگاہ ابدی اقبال را زیارت رسمی کرد و دستہ گل بنام ملت ایران نثار نمود ، باز خاطرہ تلخ روز پذیرائی دانشگاه دہلی موجب زحمت روحی و فکری اعضای ہیئت تا ہنگام مراجعت بایران بود -

میں نے خاموشی سے یہ سب باتیں سنی تھیں۔ اور مجھے اس واقعہ سے سخت رنج پہنچا۔ میں فوراً سرور خان کے پاس آیا اور اس سے اقبال کے چار فارسی دیوانوں کے متعلق جو میں اسوقت تک پڑھ چکا تھا، گفتگو شروع کردی اور کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ جاوید نامہ ابھی تک مجھ تک نہیں پہنچا۔ میں نے گفتگو میں یہ بھی کہا کہ یہ صحیح ہے کہ اقبال کا اسٹائل آجکل کے فارسی شعرا سے کچھ مختلف ہے لیکن ابھی تک یہ طرز ایران کے مشرقی علاقوں میں رائج ہے۔ اور پسند کی جاتی ہے۔ اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ افغانی شاعر کے حساس دل میں خوشی عود کر آئی۔ اور بالآخر جب وہ اس مجلس سے روانہ ہوا تو خوش و خرم تھا۔ مگر اپنے دل میں ضرور سوچتا ہوگا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اول درجہ کے فارسی گو شاعر بھی ایک دوسرے سے اسقدر بے خبر ہوں۔ ۱

پس ظاہر ہے کہ دس پندرہ سال قبل ایران میں اقبال کو بہت کم لوگ پہچانتے تھے۔ مگر چند ایک جنہوں نے اس کے کلام کا بغور مطالعہ کیا اسکی عظمت سے متاثر تھے۔ جیسا کہ سید محیط طباطبائی کے بیان سے واضح ہے۔

تقریباً انہیں دنوں ایران کے مشہور ادیب پروفیسر سعید نفیسی نے بھی اقبال کو چند خطوط لکھے جن میں اسکی کلام کی تعریف کی۔ سعید نفیسی کے خطوط اس وقت ہماری دسترس میں نہیں لیکن اقبال کے دو خطوں سے جو انہوں نے جواب میں لکھے، نفیسی کے خطوں کا مضمون واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں اسبات کا ذکر بھی لازم ہے کہ اقبال کی تصنیفات

دوستانہ سی مجلس میں جہاں چند ایک ایرانی ادیب اور شاعر موجود تھے۔ سرور گویا نے ادبا وغیرہ سے خطاب کرتے ہوئے اقبال کے متعلق سوال کیا مگر یہ سنکر کہ ایران میں اقبال کی طرف توجہ نہیں ہوئی انہیں صدمہ ہوا۔ آقای محیط طباطبائی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے: -۱۳۱۳ھ ش (۱۹۳۳) فردوسی کے ہزارہ میں شرکت کے لئے مختلف ملکوں کے نمائندے تہران میں موجود تھے۔ آقای فلسفی (پروفیسر تہران یونیورسٹی) نے میرا (محیط طباطبائی کا) افغانستان کے نمائندے سرور گویا سے تعارف کرایا.....حاضرین میں شعروادب کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ضمناً ہندوستان میں فارسی شاعری کا ذکر آیا۔ آقای گویا نے پوچھا کہ اقبال کے کلام کو ایران میں کس قدر شہرت حاصل ہے..... مجلس کے ایک اہم رکن نے کہا کہ میں نے اس کے کلام کا ایک مجموعہ دیکھا ہے جو اچھے نستعلیق خط میں چھپا ہوا تھا۔ کچھ میں نے اسمیں سے پڑھا بھی ہے۔ لیکن اس شاعر کو ایران میں کوئی شہرت حاصل نہیں اور اسکا کلام پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ ۱

افغانی ادیب اس جواب کو سنکر سخت افسردہ خاطر ہوا اور گفتگو سے علیحدگی اختیار کر کے ایک طرف چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

(۱) یہ برجستہ ، رکن جنکا نام محیط نے نہیں لیا غالباً ملک الشعرا بہار ہونگے کیونکہ انہوں نے اقبال سے اپنی ابتدائی آشنائی کے متعلق جب ذکر کیا تو قریباً یہی کہا تھا کہ میں نے اول اول اقبال کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔

ادبی محافل اور بعض مقالات کے دوران میں بار بار ذکر کر چکا ہوں لیکن ان بظاہر مختصر نظریات کو کسی کتاب یا رسالہ میں اب تک درج نہیں کیا گیا۔ لہذا بعض متعلقہ باتوں کو ثبت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

ایک دن میں نے بہار سے کہا کہ بعض ایرانی ادبا اقبال کے کلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ بعض مقامات پر اسکا طرز بیان غیر مانوس اور ثقیل ہے اور بعض ترکیبات و الفاظ کو غیر صحیح سمجھتے ہیں۔ بہار بہ سنکر مسکرائے اور کہنے لگے کہ اقبال، رومی، حافظ، سعدی، یا ہر بڑے شاعر کے کلام کو سمجھنے اور اس سے لطف اٹھانیکے لئے اپنے پاس بھی کچھ فکری، معنوی اور تاریخی ذخیرہ ہونا چاہئے۔ یہ جوان ادیب او، شاعر اپنی محدود نگاہ اور مخصوص ذوق اور سلیقے کے ذریعے اقبال کی جامع شخصیت اور وسیع مطالعات کا جائزہ نہیں لے سکتے۔ اسکے علاوہ اقبال نے بعض ایسے مطالب اور نکتے اور نظریات بیان کئے ہیں جو اس سے پہلے فارسی زبان میں نہیں پائے جاتے۔ اس لئے اقبال کا کلام کم مطالعہ اور نیم خواندہ لوگوں کو نامانوس ہی نہیں بلکہ غیر قابل فہم معلوم دیتا ہوگا۔ پھر مسکرا کر کہا کہ نہ صرف اقبال کا کلام بلکہ سنائی، عطار، رومی، فرخی، خاقانی.... سب کا کلام ان کے لئے غیر مانوس اور ثقیل ہے۔ اور کہا میں نے اقبال کا سارا کلام پڑھا ہے لیکن مجھے کہیں کوئی غلطی نظر نہیں آئی۔ میں نے مثال کے طور پر کہا کہ اقبال کی آخری رباعی* میں

* اشارہ ہے اس رباعی کی طرف

سرور رفته باز آید کہ ناید نسیمی از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار این فتنیری دگر دانای راز آید کہ ناید

کو عام ایرانیوں تک پہنچانیکا کوئی باقاعدہ ذریعہ نہ تھا۔ یہی ہوتا تھا کہ کوئی دلچسپی رکھنے والا ادیب ہندوستان یا افغانستان سے ہدیہ کے طور پر کوئی کتاب کسی ایرانی دوست کو بھیجوا دے۔ مثال کے طور پر محیط طباطبائی اس تمام اشتیاق اور عقیدت کے باوجود جو انکو اقبال کے کلام سے تھی تاریخ اشاعت کے دو سال بعد تک جاوید نامہ حاصل نہ کر سکے اور بعد میں سرور گویا نے اقبال کو لکھا اور اقبال نے سرور گویا کی معرفت بہ کتاب محیط طباطبائی کو بھیجوائی۔ مختصر یہ کہ ایرانیوں کی اقبال سے ناآشنائی کا ایک ہی سبب تھا اور وہ دو سو سال کا ادبی اور علمی بعد تھا۔

اگست ۱۹۴۱ء میں اتحادیوں کی فوجیں شمال اور جنوب سے ایران میں داخل ہو گئیں۔ انگریزی فوجوں میں کبئی ایک ایسے ہندی مسلمان بھی تھے جنکو فوجی امور کے علاوہ فارسی ادبیات سے لگاؤ تھا۔ بعض سیاسی مقاصد کے حصول کے پیش نظر دولت برطانیہ کی کوشش تھی کہ ایران اور ہندوستان کے درمیان ثقافتی تعلقات کی تجدید کی جائے۔ اس مقصد کے لئے ۱۹۴۳ء میں انجمن فرہنگی ایران و ہند کی بنیاد رکھی گئی۔ اس انجمن کے افتتاحی جلسے میں بہار نے اپنی تاریخی نظم ”خطاب بھند“ پڑھی جس میں ہندوستان کے عصر حاضر کو عصر اقبال کے نام سے یاد کیا۔ بہار اقبال کے کلام سے ذرا دیر سے آشنا ہوئے مگر اس کے بعد انھوں نے اقبال کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ بہار کی اقبال سے آشنائی اور محبت اقبال کی ایران میں محبوبیت اور ہر دلغیزی کی داستان میں اہم ترین واقعہ ہے۔ اور مرحوم ملک الشعراء نے مجھ سے مختلف صحبتوں میں اقبال کا، اسکے کلام کا اور اپنی محبت اور عقیدت کا ذکر کیا ہے۔ میں ان باتوں کا ایران کی

آئینہ میں دیکھ رہا ہوں۔ پہلے میں نے پیام مشرق کا مطالعہ کیا اور شاعر کی وسعت مطالعہ اور اسکی غیر معمولی قدرت بیان کا مجھ پر گہرا اثر پڑا۔ پھر میں نے مثنوی کا مطالعہ کیا اور یہ بات مجھ پر روشن ہو گئی کہ مولانا جلال الدین بلخی کے بعد بہت کم کسی کو ایسی مثنوی لکھنے کی سعادت میسر ہوئی ہے۔ مطالب وہی ہیں مگر طرز بیان میں جدت، ایجاز و اختصار اور شگفتگی ہے۔ چند سال گزرے انجمن فرہنگی ایران و ہند وجود میں آئی اور مجھ سے نظم لکھنے کو کہا گیا۔ اور میں نے ”خطاب بھند“ لکھی اور اسکی بحر یعنی بحر مثنوی اس لئے انتخاب کی تاکہ اقبال کے بعض اشعار پر تضمین کر سکوں اور بعض جگہ تو میں نے اقبال ہی کے رنگ کو دہرایا ہے۔ بہار نے چند شعر اپنے الفاظ کی تائید میں پڑھے۔ اور اقبال کے اس شعر کو:۔

زندگی جہد است و استحقاق نیست جز بعلم انفس و آفاق نیست
کئی بار پڑھا اور اقبال کی مغفرت کے لئے دعا کی۔

بہار کے ساتھ اکثر ملاقاتوں میں اقبال کا ذکر رہتا۔ اور وہ ہمیشہ اس بات کا افسوس کرتے کہ ہم ایک ہی زمانے میں تھے اور آپس میں ملاقات نہ کر سکے اور اقبال کو ایران سے اتنی گہری دلچسپی ہونیکے باوجود اس ملک میں آنے کا موقع نہ ملا۔

بہار کو اقبال سے کچھ ایسی عقیدت ہو گئی تھی کہ وہ اپنے منے والوں سے بھی اکثر اسکا ذکر کرتے اور مجھ سے کہتے کہ اقبال کے کلام کو ایرانیوں تک پہنچانا تمہارا فرض ہے۔ اقبال کی تصنیفات کے چند ایک سیٹ چند ایک رسمی لوگوں میں تقسیم کر دینا کافی نہیں۔

کہتے ہیں کہ ”داین فقیری“ کی ترکیب غلط ہے۔ ”داین فقیر“، ہونا چاہئے۔ یا فقیری کو اسم معنی (Abstract noun) سمجھنا چاہئے۔ کہنے لگے کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ یہ ترکیب استادوں کے ہاں استعمال ہوتی رہی ہے۔ اور مثنوی سے شعر بھی پڑھکر سنائے جہاں حرف اشارہ کے بعد اسم با یائے نکرہ استعمال کیا گیا ہے۔

بہار نے اضافہ کیا، ایک وجہ اقبال سے دیر آشنائی کی یہ بھی ہے کہ ہم ایرانی اپنی ادبی روایات اور افتخارات میں متعصب واقع ہوئے ہیں۔ اور اگر کسی بڑے سے بڑے غیر ملکی شاعر کا ذکر آئے تو ہم بغیر کنجکروی و مطالعہ کے فوراً اسکی تنقید میں کچھ کہہ دیں گے۔ مخصوصاً اگر اس شاعر کو ہمارے اپنے شعرا کے مقابل میں پیش کیا جائے۔ کیونکہ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ سعدی، فردوسی، نظامی، حافظ، مولوی اور ایسے دیگر شعرا کے مقابلہ کا کوئی شاعر پیدا ہو سکتا ہے۔ بہار نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ چند سال ہوئے میں نے اقبال کا نام سنا۔ کسی نے ایسے ہی ذکر کیا کہ ہندوستان کا شاعر ہے جو فارسی میں شعر کہتا ہے میں نے اس کے کچھ شعر پڑھے بھی لیکن چونکہ میں ذہنی طور پر تیار نہ تھا میں نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ کیونکہ ہندوستان میں بیشمار فارسی گو شاعر پیدا ہوئے ہیں اور اب قریباً دوسو سال سے فارسی زبان وہاں تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ میرا خیال تھا کہ ہوگا کوئی شاعر جو روایاتی ہندی طرز کی شاعری کا پیرو ہوگا۔ بہر حال میں نے اقبال کو کوئی خاص اہمیت نہ دی مگر جب حالات ذرا مساعد ہوئے اور کچھ ذہنی کشمکش سے نجات حاصل ہوئی تو میں نے اقبال کے کلام کا غور اور توجہ سے مطالعہ کیا۔ مجھے کچھ ایسا معلوم ہوا جیسے میں اپنی ملی ادبیات کو

بہار کہنے لگے ہماری شاعری کی بھی آہنگ ہونی چاہئے۔ مگر ہمارے ہاں فرار، گریز اور مستی، خود فراموشی، عیش و عشرت بے دوام کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ پھر کچھ رک کر کہا۔ کئی سال ہوئے میں نے ایک قصیدہ لکھا جسکی تشبیب روایاتی طرز بیان سے مطالب کے لحاظ سے مختلف تھی اور چونکہ اس کو اقبال کے ان اشعار سے ظاہری اور معنوی ارتباط ہے چند شعر سناتا ہوں۔ میں نے یہ چند شعر نوٹ کرائے :-

می فروہل زکف ای ترک و بیک سو نہ چنگ
جامہ جنگ فرو پوش کہ شد نوبت جنگ
بادہ را روز بیفسردہ بنہ بادہ زدست
چنگ را نوبت بگذشت بنہ چنگ ز چنگ
ازبر دوش تفنگ افکن و آسودہ گزار
لختی آن دو سر زلف سیہ غالیہ رنگ

بہار اب چراغ سحری تھے۔ بہت کم گھر سے نکلتے یا نکل سکتے تھے۔ میری خواہش تھی کہ بہار یوم اقبال کے جلسے کی صدارت قبول کرلیں، مگر ان کی کمزور حالت دیکھکر کچھ کہنے کی جرأت نہ پڑی تھی۔ بالآخر اپریل کے شروع میں انکی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا آپ کی طبیعت اچھی نہیں، لیکن اگر آپ ایک گھنٹہ کے لئے تشریف لاسکیں اور ”یوم اقبال“ کے جلسہ کی صدارت فرمائیں تو ہمارے لئے باعث فخر ہوگا اور ملک کے ادبی اور علمی حلقوں پر اسکا اچھا اثر پڑیگا۔ پہلے تو بیماری کی بنا پر اور پھر کچھ سیاسی وجوہات کی بنا پر انکار کیا لیکن میں نے بہار کو بتایا کہ سفیر کبیر پاکستان کو آپ سے قلبی ارادت ہے اور

دلیل آفتاب خود آفتاب ہوتا ہے ، تمہارا کام فقط یہ ہے کہ تم اقبال کو لوگوں سے متعارف کرا دو۔ سفارت پاکستان اتنا ہی کام کر سکے تو کافی ہے۔

بہار دن بدن ضعیف اور کمزور ہوتے جاتے تھے۔ سوئٹزر لینڈ کے ڈاکٹروں نے غیر قابل علاج قرار دے دیا تھا مگر باوجود کمزوری اور زندگی سے ناامیدی کے بہار اپنے علمی ادبی کاموں میں مصروف تھے اور علاوہ دیگر کتب کے سبک شناسی (حصہ نظم) کی تدوین میں مشغول تھے۔ اس کتاب کا ذکر اکثر کرتے اور کہتے خدا کرے میں یہ کام پورا کر لوں۔ اور کئی بار اس ضمن میں کہا کہ سبک شناسی حصہ نظم میں اقبال پر جداگانہ فصل ”سبک اقبال“ کے عنوان سے لکھوں گا کیونکہ اقبال نے اگرچہ ایران کی مختلف طرزوں کے شعرا سے استفادہ حاصل کیا ہے اس نے کسی ایک سبک (اسٹائل) کی پیروی نہیں کی بلکہ مختلف (اسٹائل) طرز بیان اور طرز فکر اسکے اسٹائل میں جمع ہو گئے ہیں اور یہ نئی طرز وجود میں آئی ہے۔ بہار اسبات پر اظہار تعجب کرتے کہ سب سے کم اثر اقبال کے کلام میں ہندی طرز شعر کا ہے :-

بہار خصوصاً اقبال کی مبارزہ طلبی کو بہت پسند کرتے تھے۔ ایک دن میں نے انکو یہ دو شعر سنائے۔

لالہ! این چمن آلودہ رنگ است ہنوز

سپر از دست مینداز کہ جنگ است ہنوز

ای کہ آسودہ نشینی لب ساحل ، بر خیز

کہ ترا کار بگرداب و نہنگ است ہنوز

فرہنگستان کے جلسے کے چند روز بعد انجمن دانشوران کے زیر اہتمام جلسہ ہوا جسمیں تہران کے بہت سے مشہور شاعروں نے شرکت کی اور نسیم شمال کے ایڈیٹر آقای محسن ساعی نے اقبال کے متعلق ایک مفصل مقالہ پڑھا۔ یہ سب جلسے ۲۱ اور ۳۰ اپریل کے درمیانی عرصہ میں ہوئے اور ایرانی اخبارات نے بھی اقبال کو خراج تحسین پیش کیا اور ان جلسوں کی کاروائی شائع کی۔

انہیں دنوں ایران کے ایک مشہور ادیب آقای مجتبیٰ مینوی نے ”اقبال لاہوری“ تالیف کی جسمیں اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ یہ کتاب مجلہ یغما کی طرف سے شائع کی گئی۔

اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ایک دن میں نے چند ایرانی ادبا اور شعرا کو اپنے گھر پر ایک ادبی جلسہ میں شرکت کے لئے بلایا۔ پروفیسر دیہیم نے جو آذربائیجان کے مشہور شاعر اور فصیح البیان خطیب ہیں جلسہ میں شرکت کی۔ پروفیسر دیہیم سے یہ میری پہلی ملاقات تھی۔ میں نے اقبال کے ”پیام مشرق“ سے چند شعر پڑھ کر پروفیسر مذکور کو سنائے۔ میرا شعر پڑھنے کا لہجہ ایرانی لہجہ سے مختلف تھا اس لئے پروفیسر صاحب نے کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اور کتاب میرے ہاتھ سے لے لی۔ چند منٹ ادھر ادھر سے کچھ شعر پڑھے اور پھر خود بخود اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت جوش سے حاضرین کو مخاطب کر کے اقبال کے اشعار پڑھنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ اقبال کے کلام کی معنوی اور آہنگی خوبیوں پر تعجب کا اظہار کرتے جاتے تھے۔ آخر میں اقبال کی یہ غزل:

صد نالہ شبگیری صد صبح بلاخیزی
صد آہ شرر ریزی یک شعر دلاویزی

ہمارے لئے آپ کا مقام سیاست سے بالاتر ہے تو میری درخواست قبول کر لی اور ۲۱ اپریل کی شام کو میں بہار کو لانے کے لئے گیا۔ بہار بہت کمزوری محسوس کر رہے تھے مگر میرے اور اپنی بیٹی پروانہ خانم کے اصرار پر تیار ہو گئے اور میں دونوں باپ بیٹی یعنی بہار اور پروانہ خانم کو اپنے ہمراہ سفارت کی موٹر کار میں اپنے ہمراہ لے آیا۔ بہار نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آج مجھ میں بالکل سکت نہ تھی۔ محض اقبال کی محبت کی حرارت مجھے کھینچ لائی ہے۔ بہار نے بیٹھے بیٹھے اپنا خطبہ صدارت پڑھا جسمیں اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقبال ہماری نو سو سالہ ادبی تاریخ اور اسلامی مجاہدیت کا نمائندہ ہے۔ اسی جلسہ میں ایران کے سابق وزیر اعظم سید ضیاء الدین طباطبائی نے اقبال سے اپنی فلسطین میں ملاقات کا ذکر کیا اور اس کے مندرجہ ذیل دو اشعار کے موضوع پر تقریر کی:-

ہر کہ او را قوۃ تخلیق نیست پیش ما جز کافر و زندیق نیست
بندۂ آزاد را آید گران زیستن اندر جہان دیگران

۱۹۵۰ء میں سفارت پاکستان کی طرف سے پہلی مرتبہ یوم اقبال منایا گیا اور بہار کے خطبہ صدارت نے ایران کے ادبی حلقوں کی توجہ اقبال کی طرف جلب کر لی۔ چند دن کے بعد فرہنگستان ایرانی (ایرانی اکادمی) کی طرف سے شاندار جلسہ ہوا جسمیں ایران کے مشہور ادیب اور سیاستمدار آقای علی اصغر حکمت نے تقریر کی اور اقبال کی تمام فارسی تصنیفات پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔ اسی جلسہ میں اقبال کے رنگ تغزل کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر صورتگر شیرازی اپنی ایک غزل جو اقبال کے رنگ میں کہی ہوئی تھی پڑھی۔

میں نے دوبارہ صدارت قبول کرنیکی درخواست کی۔ کہنے لگے بھئی سچ تو یہ ہے کہ کمزوری وغیرہ کے علاوہ ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ میں نے اقبال کا کلام بالکل نہیں پڑھا۔ اور اب میرے پاس مطالعہ کرنے اور اپنے خیالات کو تحریر میں لائیکا وقت نہیں۔ میں نے کہا کہ جس طرح آپ نے استعمار و استبداد کے خلاف ملت ایران کو ابھارا اسی طرح اقبال نے ہندوستان کو فکری اور سیاسی غلامی سے نجات دینے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کی مثنوی ”پس چہ باید کرد ای اقوام شرق“ میرے ہاتھ میں تھی اور میں نے کھول کر انکو پیش کی۔ اتفاق سے انکی نگاہ ایسے اشعار پر پڑی جن میں اقبال نے فکری بردگی اور سیاسی غلامی کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ ڈاکٹر محمد معین سے کہا کہ یہ چند شعر نوٹ کرلو۔ اور چند شعر اپنے نظریات کے متعلق ڈاکٹر صاحب کو نوٹ کرادیئے۔ مجھسے مخاطب ہو کر کہنے لگے ”بہت اچھا ہوا تم آگئے اقبال سے اس مختصر سی آشنائی سے اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کرتا ہوں۔ میں بڑے فخر سے حاضر خدمت ہونگے اور اقبال کے جہاد کے متعلق ہی چند کلمے اپنی صدراتی تقریر میں کہوںگے۔ خدا اسے غریقِ رحمت کرے۔“۔ علامہ کی تقریر اور منظوم قطعہ متن کتاب میں درج ہیں۔

۱۹۵۳ع کا سال بعض لحاظ سے قابل ذکر ہے، یوم اقبال کے جلسوں میں عموماً چھوٹی چھوٹی اور عام پسند قسم کی تقریریں ہوتی تھیں مگر لوگوں کی دلچسپی اور اشتیاق کو دیکھتے ہوئے میں نے تہران یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر حسین خطیبی سے اقبال کے اسٹائل پر ایک جامع تقریر کرنے کے لئے درخواست کی۔ ڈاکٹر خطیبی تہران یونیورسٹی میں شعبہ سبک شناسی کے صدر ہیں اور تنقید اور تقریظ کے فن میں مہارت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر خطیبی

پڑھ کر سنائی۔ پڑھنے کے انداز سے ان کا جوش اور حرارت ظاہر تھی۔ آخر
میں ذیل کے شعر کو کئی بار پڑھا:

مطرب غزلی، بیتی، از سرشد روم آور

تا غوطہ زند جانم در آتش تبریزی

اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک غیر ایرانی جس کے کان فارسی زبان
کی شیرینی تلفظ اور آہنگ سے نا آشنا ہوں یہ شعر کہہ سکے۔ حاضرین
نے بھی پروفیسر دیہیم کی تائید کی۔ اس جلسہ میں جو اقبال کی غزلیں
خاص طور پر پسند کی گئیں وہ ہمارے یہاں زیادہ معروف نہ تھیں اور
جس چیز کو پروفیسر دیہیم اور دیگر حاضرین نے پسند کیا وہ اقبال کا
رنگ تغزل اور زور کلام تھا نہ محض فلسفیانہ خیالات و نظریات۔

۱۹۵۲ء میں بعض ایرانی احباب کے توسط سے علامہ علی اکبر دہخدا*
سے یوم اقبال کی صدارت کے لئے درخواست کی۔ علامہ دہخدا بڑھاپے اور
علاقت کی وجہ سے گھر سے بہت کم نکلتے تھے اور انہوں نے جلسہ کی
صدارت قبول کرنیسے انکار کر دیا۔ میری بڑی آرزو تھی کہ علامہ جلسہ میں
شرکت کریں اور میں نے استاد سعید نفیسی سے اس بارے میں مشورہ کیا۔
استاد نفیسی کا خیال تھا کہ دوبارہ کوشش کرنا بے سود ہوگا۔ میری
علامہ دہخدا سے نہایت مختصر آشنائی تھی لیکن آخری کوشش کے
لئے میں خود ہی انکی خدمت میں حاضر ہوا۔ پروفیسر محمد معین جو فارسی
دائرةالمعارف کی تالیف میں علامہ کے رفیق کار ہیں وہاں موجود تھے۔

*علامہ ایک طویل علالت کے بعد ۹ فروری (۱۹۵۶ء) میں وفات پا گئے۔

تقاضا کیا کہ اقبال کی ایرانیوں سے آشنائی کے لئے مزید اور دیرپا وسائل مہیا کئے جائیں۔ ایرانی اخبارات نے جو پبلیسٹی خواتین کے جلسہ کو دی ہے سابقہ تھی۔ شاید ہی کوئی اخبار ہو جس نے ڈاکٹر کاظمی کی تقریر کا خلاصہ اور جلسہ کی کارروائی شائع نہ کی ہو۔

ایران کے دوسرے شہروں سے بھی خطوط آنے لگے جن میں اقبال کی تصنیفات مہیا کرنے کے لئے کہا گیا۔ میں نے نہایت جلدی میں اقبال کو ایرانیوں سے متعارف کرانے کے لئے ایک مختصر کتاب ”رومی عصر“ کے نام سے تالیف کی۔ اس کتاب میں اقبال کی زندگی، ان کے برجستہ عقائد، فارسی تصانیف کا خلاصہ اور چند اقتباس اقبال کے متعلق ایرانیوں کے اپنے مقالات اور منظومات سے درج ہیں۔ کسی غیر ایرانی کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب کے لئے تہران میں پبلشر ماننا مشکل تھا۔ مگر لوگوں کی اقبال میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور محبوبیت کو دیکھتے ہوئے ”کانون معرفت“ نے اپنے خرچ سے کتاب چھپوا دی اور کوئی دو سو نسخے سفارت کی طرف سے مفت تقسیم کئے گئے۔ مگر جس بات کی سابق ادبی تاریخ میں مثال کم ملتی ہے وہ یہ ہے انجمن فرہنگی ایران و پاکستان اور دوسرے ایرانیوں کی طرف سے ایک ہزار نسخے ملک میں ہدیہ کے طور پر تقسیم کئے گئے۔ ”رومی عصر“ کے لئے ایران کی تاریخ کے سب سے بڑے میناتور نقاش استاد حسین بہزاد نے دو تصویریں بنائیں۔ استاد بہزاد بڑھاپے اور علالت کے سبب اب بہت کم کام کر سکتے ہیں اور چونکہ اب ان کی تصویریں بہت کم یاب ہیں ان کی مانگ بھی زیادہ ہے، مگر استاد بہزاد نے اقبال سے اپنے آپ کو منسوب کرنے کی غرض سے دو تصویریں جن کی قیمت کم از کم دو ہزار روپے ہے مؤلف کو ہدیہ کے طور پر پیش کیں۔

نے یہ مشکل کام اپنے ذمہ لیا اور اقبال کی تمام فارسی تصانیف کا مطالعہ کرنیکے بعد اقبال کے اسٹائل اور طرز بیان پر ۲۱ اپریل کو تقریباً ایک ہزار کے مجمع میں تقریر کی۔ پروگرام میں صرف ایک ہی تقریر تھی اور قریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی مگر سامعین نے نہایت دلچسپی سے ساری تقریر کو سنا اور بعض اخبارات نے پوری کی پوری تقریر شائع کی۔ اور اس کا خلاصہ دوبارہ تہران یونیورسٹی کی میگزین میں چھپا۔

ڈاکٹر خطیبی کی تقریر ریڈیو تہران سے ریلے کی گئی اور اس طرح لاکھوں لوگوں نے اس کو سنا۔ ۱۹۵۳ ع کے جلسہ میں جگہ کی قلت کے باعث، پاستنا چند صرف مردوں ہی کو دعوت دی گئی تھی۔ جلسہ کے بعد تہران کی بعض تعلیم یافتہ خواتین نے اس کا گلہ کیا اور خواہش ظاہر کی کہ خواتین کے لئے جداگانہ جلسہ ترتیب دیا جائے۔ اس وقت سفارت کبری پاکستان کے کاردار (مدارالمہام) میاں نسیم حسین تھے۔ صاحب مذکور نے نہایت خندہ پیشانی سے جلسہ کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لئے اور تہران کے زنانہ کالجوں اور اسکولوں کی استانیوں اور دیگر پڑھی لکھی عورتوں کو دعوت دی گئی اور ۷ مئی کو سفارت کبری پاکستان کے ہال میں جلسہ ہوا۔ جلسہ کے وقت موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور ہمیں ڈر تھا کہ خواتین اپنے گھروں سے نہیں نکل سکیں گی۔ لیکن ٹھیک وقت پر جوق در جوق مہمان آنے شروع ہوئے۔ اور سفارت کا ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ عورتوں کے اس پہلے اور مہم جلسہ میں ایران کی ہر دل عزیز اور دانشمند خاتون ڈاکٹر کچکینہ کاظمی (جو تہران میڈیکل کالج میں تعلیم دیتی تھیں) نے اقبال کی زندگی اور اس کی شاعری کی مختلف پہلوؤں پر ایک عام فہم تقریر کی۔ یہ تقریر بہت مقبول ہوئی اور حاضرین جلسہ نے متفقہ طور پر

کی جس میں پاکستانی ٹیم کو رسمی طور پر خوش آمدید کہنے کے بعد بیس ہزار تماشاؤں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہا ”آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ٹیم کوئی غیر ملکی ٹیم نہیں۔ یہ ٹیم اقبال کے وطن سے آئی ہے۔ اقبال جس نے صدیوں کے بعد فارسی زبان اور ادبیات کو شبہ قارہ ہندوستان میں زندہ کیا اور پاکستان کا نقشہ تیار کیا، ہمارا ہم وطن ہے، اس کے ہم وطن ہمارے ہم وطن ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ اس ٹیم کو ایرانی ٹیم سمجھیں۔“ ان الفاظ کا فوری اور ہمہ گیر اثر ہوا اور اس امر کے باوجود کہ کھیل مقابلے کا تھا، ایرانی تماشائی پاکستانی کھلاڑیوں کی اسی طرح ہمت افزائی کرتے تھے جیسی اپنی ٹیم کی اور جب میچ ہارجیت کا فیصلہ ہوئے بغیر ختم ہو گیا تو ایرانیوں نے خاص طور پر خوشی کا اظہار کیا۔

اھالی تبریز کے تاثرات

۱۹۵۴ ع مجھے تبریز جانیکا اتفاق ہوا۔ رئیس دانشگاه تبریز(چانسلر تبریز یونیورسٹی) جناب آقای ڈاکٹر امین نے مؤلف کے اعزاز میں دانشکده ادبیات (کلج فار لٹریچر اسٹڈیز) میں ایک ادبی جلسہ کیا جس میں یونیورسٹی کے پروفیسروں اور سینئر طالب علموں کے علاوہ تبریز کے برجستہ ادبا نے بھی شرکت کی۔ اس جلسہ میں صدر شعبہ ادبیات پروفیسر خیام پور، رئیس دانشگاه، ڈاکٹر امین اور جناب آقای جم (جو صوبہ کے گورنر تھے اور اپنے علم و دانش کے سبب تمام حلقوں میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں) نے تقریریں کیں۔ ان سب حضرات کی تقریروں میں ایک بات مشترک اور نمایاں تھی اور یہ وہ کہ اقبال نے صدیوں کے بعد ایران و پاکستان کے تاریخی

ایرانیوں کی روز افزوں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے ”رومی عصر“ کے دو سو نسخے وزارت تعلیم ایران نے سرکاری کتب خانوں کے لئے تقسیم کئے اور انجمن فرہنگی کی مؤسس اور نائب صدر ڈاکٹر کچکینہ کاظمی نے پانچ سو نسخے اسکولوں کے معلمین اور طالب علموں میں تقسیم کئے۔ کتاب کی مانگ بدستور جاری ہے۔

اس کتاب کے متعلق اتنی تفصیل اس لئے نہیں دی گئی کہ یہ کتاب فی نفسہ کوئی غیر معمولی خوبی کی کتاب ہے، بلکہ یہ ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ ایران میں لوگ ایک نہایت تھوڑے سے عرصہ میں اقبال میں کتنی دلچسپی لینے لگے ہیں! حتیٰ کہ اس کتاب پر جوبیشمار تقریظیں لکھی گئی ہیں وہ زیادہ تر اقبال کی اہمیت اور عظمت کے متعلق ہیں نہ کتاب یا مؤلف کتاب کے متعلق۔ مؤلف نے صرف یہ کوشش کی ہے کہ اقبال کو عام فہم طریقہ سے ایرانی عوام سے آشنا کرائے ”آفتاب آمد دلیل آفتاب“، یہ خود اقبال کی ظاہری اور معنوی عظمت ہے جس سے ہر صاحب دل اور صاحب ذوق ایرانی متاثر ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ۱۹۵۰ ع کے بعد ادبی اور علمی حلقوں میں اکثر اقبال کا ذکر رہتا تھا۔ مگر کھیل اور ورزش کے میدان میں اقبال کا ذکر ایک نئے باب کا اضافہ تھا۔ اس لئے ذیل کا واقعہ درج کرتا ہوں۔ ۱۹۵۱ ع میں پشاور سے ایک فٹ بال ٹیم ایران کے دورے پر آئی۔ اس ٹیم کا سب سے اہم میچ تہران کی منتخب ٹیم سے ایران کے خوبصورت اور شاندار اسٹیڈیم امجدیہ میں ہوا۔ میچ شروع ہونے سے پہلے ایرانی فٹ بال فیڈریشن کے سکریٹری پروفیسر ڈاکٹر کنی (Dr. Kani) نے مختصر سی تقریر



خانم ڈاکٹر کیچیکینہ کاظمی نائب صدر ایران پاکستان ٹیچرل ایسوسی ایشن
نوم افیال کے زمانہ جلسہ میں تقریر کر رہی ہیں۔

2)

اور معنوی ارتباط کو زندہ کیا ہے اور ایران میں پاکستان کی محبوبیت کو جس چیز نے وسعت دی ہے وہ اقبال کا کلام اور اس کے خیالات ہیں۔ جناب آفای جم، شیخ محمود شبستری کی اولاد سے ہیں اور انہوں نے اقبال اور شیخ محمود کے روحانی ارتباط کا خاص طور پر ذکر کیا۔ ان تقریروں کا بیشتر حصہ ریڈیو تبریز نے نشر کیا۔ اور مجھ سے خاص طور پر کہا گیا کہ اقبال اور رومی کے متعلق تقریر کروں۔

نوجوان طالب علموں کا اشتیاق قابل دید تھا ان کا بار بار یہی تقاضا تھا کہ اقبال پر ہمفلٹ چھپوا کر انہیں بھجوائے جائیں۔ میرے پاس ایک دو ورق کا ’جزوہ‘ موجود تھا جس کے ایک صفحہ پر استاد بہزاد کی نقاشی ”رومی و اقبال“ اور باقی دو صفحات پر دونوں کے منتخب اشعار تھے ہر دس طالب علموں کے گروپ کو ایک دو ورق ’جزوہ‘ تقسیم کیا گیا۔ اور بعض طالب علموں نے پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کے لئے اقبال پر رسالہ لکھنے کی خواہش ظاہر کی مگر افسوس کہ جو وسائل اس کام کے لئے اور دیگر انتشارات کے لئے لازم تھے وہ میری دسترس سے باہر تھے۔

تبریز میں قیام کے دوران میں آذربائیجان اور ایران کے نامور شاعر آفای محمد حسین شہریار سے ملاقات ہوئی۔ بلکہ یہ کہنا صحیح تر ہوگا کہ شہریار، محمد نخجوانی تاجر (جو دانش اور ادب پروری کے لئے معروف ہیں) کے مکان پر میری ملاقات کو تشریف لائے۔ کوئی گھنٹہ بھر گفتگو رہی۔ فارسی مجھ ہلال کا ایک نسخہ میں نے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ اس شمارے میں اقبال کی نظم ”تنہائی“ چھپی ہوئی تھی۔ شہریار نے نظم پڑھی پھر حاضرین کو پڑھکر سنائی اور کہا یہ شعر فارسی کا بہترین اور جدید

نمونہ ہے اسی موقع پر ڈائریکٹر تعلیم آفای دھقان نے وعدہ کیا کہ ہم اقبال کے کلام کو آذربائیجانیوں سے آشنا کرانے میں ہر قسم کے تعاون کے لئے حاضر ہیں۔

ایرانی ادبا اور شعرا کے بہت سے مقالات و تقریریں اور قصائد مختلف جرائد میں چھپ چکے ہیں اور متن کتاب میں ان کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں۔ اس تمہید میں اغلب وہ باتیں بیان کی گئیں ہیں جو کسی کتاب کی شکل میں شائع نہیں ہوئیں لیکن دوستداران اقبال کے لئے اہمیت رکھتی ہیں۔

میرا یہ مقدس فرض ہے کہ ایرانیوں کے پر محبت تاثرات اور ان کا نہایت دوستانہ اور بے نظیر عکس العمل جو اقبال کے متعلق میں نے گذشتہ سات سال کے عرصہ میں دیکھا، سنا یا پڑھا اپنے ہم وطنوں کے لئے ثبت و ضبط کردوں۔ تاکہ یہ ابتدائی اور شیریں یادگاریں فراموش نہ ہو جائیں۔

اقتباسات اور ترجمہ

مؤلف نے زیادہ تر ایسے مقالات اور منظومات سے اقتباس نقل کئے ہیں جنکو یا تو تاریخی اہمیت حاصل ہے یا ایران کے مختلف علمی، ادبی اور سوشل حلقوں کے خیالات اور تاثرات کی نمائندگی کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ کوشش کی گئی ہے کہ ایرانی ادبا کے تعریفی، تقریظی اور تنقیدی رمارکس (اظہارات) کے ساتھ ساتھ انکے مخصوص دوق شعری اور انکی مخصوص پسند کے نمونے بھی پیش کئے جائیں تاکہ قارئین اقبال کے شعر معنوی اور غنائی پہلوؤں کو ایرانیوں کی نظر سے جانچ سکیں۔

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

ہوئے ہیں اور اس لئے ایرانی (جیسا کہ اقتباسات مشمولہ سے ظاہر ہے)
پاکستان کو (معنوی دنیا میں) ایران اور ایران کو پاکستان خیال
کرتے ہیں۔

امید ہے کہ یہ کتاب پاکستان اور ایران کے درمیان حسن تفاهم
اور قدیم یگانگت اور ہم آہنگی پیدا کرنے اور اپنے مشترک مفاخر
میں دلچسپی بیدار کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔



قطعات نثر و نظم کے ترجمہ میں عموماً اصل متن کی طرز بیان کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور آزاد ترجمہ سے حتی المقدور پرہیز کیا ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ آزاد ترجمہ نسبتاً رواں تر ہو سکتا تھا مگر فارسی اردو کے متون کو ایک دوسرے کے قریب رکھنے سے مؤلف کی پیش نظر یہ امر بھی تھا کہ ایرانیوں کی اردو میں روز افزوں دلچسپی کے پیش نظر یہ کتاب انکو اردو سے آشنا کرانے میں بھی مفید ہو سکتی ہے۔ وہ فارسی رسم الخط میں بغیر کسی کی مدد کے اردو پڑھ سکیں گے اور بہت سے غیر مانوس ہندی الفاظ کے معنی فارسی متن کی مدد سے خود بخود ان پر واضح ہو جائیں گے۔ مؤلف کی مذکورہ بالا توضیح اس کے چند سانہ تجربہ پر مبنی ہے اور اسوقت ایرانی ادبا میں سے کئی ایک نے اردو کی ادبی زبان کو بغیر کسی معلم کی مدد کے، پڑھنا تو نہیں، سمجھنا سیکھ لیا ہے اور اغلب حالات میں صرف حروف اور چند ایک 'افعال' کی تشریح انکی رہنمائی کے لئے کافی ثابت ہوئی ہے۔

معمولاً فارسی متن کو اردو کے بالمقابل لکھنے کے بجائے زیر حاشیہ درج کیا گیا ہے تاکہ قارئین کی توجہ ایک وقت میں ایک ہی متن پر متمرکز رہے۔

پاکستانیوں کی نگاہ میں ایرانی عزیز اور گرامی ہے اس لئے نہیں کہ وہاں الوند، دماوند و بیستون موجود ہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ خاک سعدی و فردوسی و مولوی و حافظ کا وطن ہے۔ اسطرح ایرانی پاکستان کو محبت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ اقبال کا وطن ہے۔ بقول کاظم رجوی، مولوی اور سعدی اور حافظ اقبال کی شکل میں نمودار

بہار اور اقبال

جیسا کہ تمہید میں بیان کیا گیا ہے ایران میں اقبال کے سب سے قدیمی دوست اور مداح سید محیط طباطبائی اور سعید نفیسی تھے - لیکن سب سے پہلے رسمی طور پر اور ملت ایران کے نمائندہ کی حیثیت سے جس شخص نے اقبال کو خراج تحسین پیش کیا وہ ایران معاصر کا سب سے بڑا شاعر، ادیب اور فن شعر و نثر کا سب سے بڑا ماهر ملک الشعراء محمد تقی بہار تھا۔ اس لئے نہ صرف ترتیب وقت کے لحاظ سے بلکہ بہار کی غیر معمولی علمی اور ادبی اہمیت کے پیش نظر ذیل میں ”خطاب بہ ہند“ نقل کیا جاتا ہے جس میں ہندوستان میں فارسی شاعری کی تاریخ بیان کرتے ہوئے بہار نے اقبال کا ذکر کیا ہے اس کے بعض اشعار پر تضمین اور اس کے رنگ میں کچھ شعر کہے ہیں۔

جیسا کہ نظم سے ظاہر ہے بہار نے جس عشق اور عقیدت کا اظہار ہندوستان سے کیا ہے وہ ہندوستان کی اس تاریخ سے وابستہ ہے جو فارسی ادبیات و فرہنگ سے متعلق ہے بہار نے خطبہ صدارت میں بھی صاف طور پر کہا ہے :

”من داستان پارسی گویان ہند بیان کردم و نام شاعران و صاحبان و شہر یاران و شہر بانوان ادب دوست را بمیان آوردم و نتیجہ آن منظومہ



بہار اور اقبال

جان فدای آن نمک زار سیاہ
بی نمک آنجا نمیرود گیاه
میری جان اس سیاہ رنگ نمک زار کے قربان ہو، وہاں تو سبزی بھی
بے نمک نہیں اگتی ۔

فکر ہا رنگین و رنگین خویہا
رنگ بیرنگی عیان بر رویہا
ہند کے افکار اور عادات سب رنگین ہیں، اور اس کے چہرے پر بیرنگی
کا رنگ عیان ہے۔

لشکر یونان از آنجا رم گرفت
عبرت از کار بنی آدم گرفت
یونان کا لشکر وہاں سے لوٹا اور اس نے بنی آدم کے اعمال سے
عبرت حاصل کی۔

شد عرب در ہند و وحدت پی فگند
عاقبت آنجا عرب ہم نی فگند
عرب ہند میں پہنچے اور وحدت کی بنیاد رکھی لیکن آخر عرب بھی
وہاں سے لوٹنے پر مجبور ہوئے۔

ترک آنجا ترکی از سروا گرفت
فارسی بود آنکہ آنجا پا گرفت
ترکوں نے وہاں ترکی ترک کردی، فارسی ہی تھی جس نے وہاں اپنے
قدم جمائے۔

بلبل فکرم خوش آوائی نمود
طوطی طبعم شکر خائی نمود
میرے افکار کی بلبل نے خوش الحانی سے گانا شروع کیا، میری
طوطی طبع نے شکر بکھیرنی شروع کردی۔

دل اسیر حلقہ زنجیر ہند
جاں فدای خاک دامن گیر ہند
میرا دل ہند کی زنجیر کے حلقے میں گرفتار ہے، میری جان ہند
کی دامن گیر خاک کے قربان ہو۔

بس ملاحتہا دران خاک و ہواست
ہند را کان نمک خواندن رواست
اس کی خاک میں بیشمار ملاحتیں موجود ہیں، اسلئے ہند کو
کان نمک کہنا مناسب ہوگا۔

آن نمک زاری کہ خاکش عنبر است
خار او چمپا خسش نیلوفر است
یہ وہ نمک زار ہے جہاں کی خاک عنبر ہے، اس کے کانٹے گل
چمپا اور اس کی خس گل نیلوفر کی مانند ہے۔

ہر کہ رفت آنجا نمک پالودہ شد
سادگی افگند و رنگ آلودہ شد
جو وہاں گیا نمک میں آلودہ ہو گیا، سادگی اسنے چھوڑ دی اور
رنگینی اختیار کی -

گرچہ گندم گون و میگون آمدیم
ہر دو از یک خمرہ بیرون آمدیم
اگرچہ ہم اور ہندی گندم گون اور میگون ہیں، ہم دونوں ایک ہی
خمرہ سے نکلے ہیں -

چون دیوژن خم نشینان حقیق
وز فلاطون و دیوژن اسبقیم
ہم دیوژن کی طرح حق کے خم میں پناہ گزیر ہیں اور ہم افلاطون
اور دیوژن سے قدیم تر ہیں ۱

ساغری گیر از می عرفان ہند
نوش باد باری گویان ہند
ہند کی مئے عرفان سے بھر کر ساغر ہاتھ میں لو، ہند کے فارسی گو شاعروں
کی شراب نوش کرو۔

یادی از مسعود سعد راد کن
بعد یاد رونی استاد کن
عالی مقام مسعود سعد کو یاد کرو، پھر اسناد رونی کو یاد کرو۔

آنکہ چون سعدی سخن گوی نواست
بلبل گلزار دہلی خسرو است
اور وہ جو سعدی کی مانند شعر سرا ہے، دہلی کے باغ کا بلبل خسرو

۲۔

۱۔ افلاطون اور دیوژن قدیم یونان کے مشہور فیلسوف ہیں۔

ایزدی بود آشنائی های ما
آشنا داند صدای آشنا
ہماری ہند سے آشنائی خدا کی طرف سے تھی، آشنا ہی آشنا کی آواز کو
پہچانتا ہے ۔

ہند و ایران آشنایان ہم اند
ہر دواز نسل فریدون و جمند
ہند اور ایران باہم دوست ہیں دونوں فریدون اور جم کی نسل سے
ہیں (یعنی آریائی ہیں) ۔

آنکہ گندم خورد و دوز از خلد ماند
در سرانديپ آمد و گندم فشاند
وہ جس نے گندم کھالی اور جنت سے نکالا گیا (حضرت آدم) وہ سرانديپ
میں پہنچا اور وہاں گندم کی کاشت کی ۱

خاک ہند از خلد دارد بہرہ ہا
رنگ آن گندم عیاں بر چہرہ ہا
پس ہند کی خاک نے جنت سے بہرہ برداری کی اور اسی گندم کا رنگ
ہندیوں کے چہرہ پر ظاہر ہے ۔

۱ - اشارہ ہے اس قصہ کی طرف کہ حضرت آدم نے پہلے پہل سرانديپ (جنوب
ہند) کے جزیرے پر نزول فرمایا ۔

با کلیمش ساحران را نیست تاب
کس نگفت آخر سه بیتش را جواب
اسکے کلیم کا کوئی ساحر مقابلہ نہیں کر سکتا، کسی نے اس کی سہ
بیتی کا جواب نہیں دیا - ۱

از نظیری و ظہوری دم مزن
ہند و ایران را دگر برہم مزن
نظیری اور ظہوری کی بات مت کرو، اور ہند اور ایران کو جدا مت
کرو -

گر ز تبریز است یا از اصفہان
ہست صائب طوطی ہندی زبان
خواہ وہ تبریز سے متعلق ہے یا اصفہان سے، صائب طوطی ہندی
زبان ہے -

۱ - بہار کا اشارہ کلیم کے مندرجہ ذیل تین اشعار کی طرف ہے ! -

بدنامی حیات دو روزی نبود بیش
آنہم کلیم با تو بگویم چسان گذشت
یک روز صرف بستن دل شد باین و آن
روز دگر بکندن دل زین و زان گذشت
طبعی بہم رسان کہ بسازی بعالمی
یا ہمتی کہ از سر عالم توان گذشت

خمسہ خسرو کہ تقلیدیست فرد
با حکیم گنجوی جوید نبرد
خسرو کا خمسہ تقلید کا لاجواب نمونہ ہے ، جو حکیم گنجوی کا مقابلہ
کرتا ہے ۔

طبع پاکش مایہ دار فکر بود
صد ہزاران بچہ زاد و بکر بود
اس کی طبع پاک تخیلات کی مایہ دار تھی، اس کے بطن سے لاکھوں
بچے تولد ہوئے اور وہ پھر بھی باکرہ رہی۔

بزم اکبر شد ز فیضی قبض یاب
دکن از بوالفضل و فیضی یافت آب
اکبر کی بزم فیضی سے فیض یاب ہوئی ، دکن کو ابوالفضل اور
فیضی کے دم سے آبرو ملی ۔

با حسن صد لطف و گرمی توام است
در کلامش آتش و گل باہم است
حسن کا کلام سراسر لطف و گرمی ہے، اس میں ہم آتش اور گل کو
ایک جگہ دیکھتے ہیں ۔

طبع عرفی خوش بمضمون راہ جست
داد—داد لفظ و معنی را درست
عرفی کی طبع نے مضمون کی طرف خوب راستہ نکالا، اس نے لفظ اور
معنی کی خوب داد دی ۔

رَشک غزنین گشت بزم اکبری
نغمہ خوان ہر سو ہزاران عنصری
بزم اکبر رشک غزنین بن گئی ، ہر طرف ہزاروں عنصری جیسے شاعر
نغمہ خوان تھے -

بزم نورالدین گلستانی دگر
در گہ نورجہاں جانی دگر
بزم نورالدین (جہانگیر) ایک نیا گلستان تھا اور نورجہاں کی درگاہ
ایک نئی روح کی حامل تھی -

بذلہ گو از شاہ تا بانو ہمہ
پیش یک مصرع زدہ زانو ہمہ
بادشاہ سے لیکر خواتین تک سب بذلہ گو تھے اور ایک مصرع کے سامنے
وہ دو زانو تھے -

جوش ایہام و مثل چون موج آب
نکتہ بر ہر موج خندان چون حباب
شعر میں ایہام اور تمثیل موج آب کی طرح رواں تھی اور ہر ہر موج پر
حباب کی مانند نکتے مسکرا رہے تھے -

کار تاریخ و تتبع تازہ گشت
صنعت انشاء بلند آوازہ گشت
تاریخ نویسی اور تتبع کا کام تازہ ہو گیا ، فن تحریر کی صنعتوں کو شہرت
نصیب ہوئی -

خاک و آمل،، دامنی از دست داد
لاجرم طالب بھندوستان فتاد
آمل کی خاک نے طالب کا دامن چھوڑ دیا ، اور وہ ہندوستان پہنچ گیا ۔

چون کسی را صنعتی غالب بود
میشتابد ہر کجا طالب بود
جب کسی کو کسی صنعت پر تسلط حاصل ہو ، تو وہ وہیں جاتا ہے
جہاں اس کا کوئی طالب ہو ۔

از ہمایوں گیر تا شاہ جہان
شاعران را بود ہند آرام جان
ہمایوں کے زمانے سے شاہجہاں تک شاعروں کے لئے ہند آرام جاں تھا ۔
ہند بازار خرید ذوق بود
ہند بکسر عشق و شور و شوق بود
ہند ذوق شعر کا خریدار تھا ، ہند سراسر عشق و شور و شوق تھا ۔
صنعت و ذوق ہنر ترکیب یافت
کاروانہا جانب دہلی شتافت
صنعت اور ذوق ہنر آپس میں مل گئے اور قافلے دہلی کی جانب روانہ ہو گئے ۔

بس روان شد کاروان در کاروان
تنگہای دل پر از کالای جان
یشمار کاروان ایک دوسرے کے پیچھے روانہ ہو گئے ، ان کے دل بگچے
روحانی مال و متاع سے پر تھے ۔

نیست گر دہلی ز اکبر پر خروش
میزند ہر گوشہ دیگ علم جوش
اگرچہ اب دہلی اکبر کے زمانے کی طرح پر خروش نہیں، ہر گوشہ
میں دیگ علم میں ابال آ رہا ہے۔

ور نمیخندد بہر گل صد ہزار
باز نالد قمرئی بر شاخسار
اگرچہ ہر پھول پر اب سینکڑوں بلبلیں مسکرا نہیں رہیں، پھر بھی شاخساروں
سے قمری کے نالے کی آواز آرہی ہے۔

غالبی آمد اگر شد طالبی
شبلی ہست ار نباشد غالبی
اگر طالب رخصت ہوا تو غالب آ گیا اور اگر غالب نہیں تو شبلی ہے۔

بیدلی گر رفت اقبالی رسید
بیدلان را نوبت حالی رسید
اگر بیدل رخصت ہوا تو اقبال پہنچ گیا، اور بیدلوں میں حال کی حالت
پیدا ہوئی۔

ہیکلی گشت از سخنگوئی بیا
گفت کل الصيد فی جوف الفرا
شعر نے ایک ہیکل کی شکل اختیار کر لی اور کہا ”وہ تمام شکار گورخ
کے پیٹ میں ہیں،“ یعنی شعر کی تمام خوییاں مجھ میں موجود ہیں۔

در لغت فرهنگ ها پرداختند
لعبها در دین و حکمت باختند
زبان کے لئے انہوں نے فرهنگ تیار کئے اور دین و حکمت کے مسائل
پر کام کیا۔

کار نقاشی بسی بالا گرفت
خوش نویسی پایہ والا گرفت
نقاشی کے کام نے ترقی کی اور خوش نویسی کا معیار بلند ہو گیا۔
صنع معماری بسی پیرایہ یافت
ذوق حجاری فراوان مایہ یافت
معماری کی صنعت نے گونا گوں ترقی کی، فن حجاری نے بہت اہمیت
حاصل کی۔

ثروت و جاہ و رفاه و خرمی
صلح و عیش و خوشدلی و بیغمی
ثروت و جاہ و رفاه و خوشی اور صلح و عیش خوشدلی اور بے غمی
چشم شور اختران راخیرہ کرد
ہر طرف خصمی برایشان چہرہ کرد
کو دیکھ کر ستاروں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور ستاروں نے ہر طرف
سے دشمنوں کو اکسانا شروع کیا۔

نیست گر آن کروفر نظمی بیاست
رفت اگر آن کیف کیفیت بجاست
اگر چہ وہ کروفر نہیں پھر بھی کچھ نظم موجود تھا اگر وہ کیف رخصت
ہوا اس کی کیفیت باقی رہی۔

بار دیگر چوں ملک پران شوی
آنچه اندر وهم ناید آن شوی
تا کہ دوباره تو فرشتوں کی طرح پرواز میں آئے اور تو اس مقام پر پہنچ
جائے جو وہم و گماں سے بھی باہر ہے۔

نکتہ ای گویم سخن کوتہ کم
خاطر پاک ترا آگہ کم
ایک نکتہ کی بات کہہ کر بات کو مختصر کرتا ہوں اور تیرے پاک دل
کو اس حقیقت سے آگہ کرتا ہوں۔

شمہ ای در حال و استقبال تو
هان نہ من گویم کہ گفت اقبال تو
تیرے حال اور مستقبل کے متعلق چند الفاظ کہتا ہوں، لیکن میں نے
نہیں، تیرے اپنے اقبال نے کہا ہے۔

زندگی جہد است و استحقاق نیست
جز بعلم و انفس و آفاق نیست
زندگی جہد و کوشش ہے، محض زندہ رہنے کا حق بے معنی ہے۔
اور حیات بجائے انفس و آفاق کے علم کے اور کچھ نہیں۔

گفت حکمت را خدا خیر کثیر
ہر کجا این خیر را بینی بگیر
خدا نے حکمت کو خیر کثیر کہا ہے، جہاں سے تجھے مل جائے
اسے حاصل کرے۔

عصر حاضر خاصہ اقبال گشت
واحدی کز صد ہزاران بر گذشت
عصر حاضر خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے، وہ فرد جو لاکھوں سے
بازی لے گیا۔

شاعران گشتند جیشی تار و مار
وین مبارز کرد کار صد سوار
شاعر ایک شکست خوردہ فوج کی طرح تھے، مگر اس مبارزہ کرنیوالے نے
سینکڑوں سواروں کا کام کیا۔

عالم از حجت نمی ماند تہی
فرق باشد از ورم تا فرہی
دنیا کبھی حجت سے خالی نہیں رہتی، (قدرتی) موٹاپے اور ورم میں
فرق ہوتا ہے۔

تیغ ہمت را کن ای ہند عزیز
با فسان جرات و امید تیز
اے عزیز ہند، اپنی تیغ ہمت کو جرات اور امید کی فسان پر تیز کر

صنعت و علم و امید و اتحاد
کسب کن تا وا رہی زین انفراد
صنعت و علم و امید اور اتحاد کو حاصل کر تاکہ اس افتراق و نفاق
سے نجات پائے۔

ہمت از آمال کوچک باز گیر
تا فراز کہکشان پرواز گیر
چھوٹی چھوٹی امیدوں پر ہمت مت لگا کہکشان کی بلندیوں پر پرواز
شروع کر -

این کسالات و تن آسانی بس است
تربیت آموز ، نادانی بس است
یہ تن آسانی اور بے ہمتی ختم کر، تعلیم حاصل کر، نادانی ختم کر۔
زندگی جنگست و تدبیر معاش
زندگی خواہی چو مردان کن تلاش
' زندگی جنگ ہے اور تدبیر معاش ہے، اگر تو زندہ رہنا چاہتا ہے تو
مردوں کی طرح جستجو کر۔

فقر و درویشی دراستغنا نکوست
با غنا شوصوفی و درویش دوست
استغنا کے ساتھ فقر و درویشی اچھی ہے، استغنا کو ہاتھ سے مت
چھوڑ اور صوفی اور درویش کا دوست بن۔
فقر و درویشی تباہت می کنند،
در دو عالم روسیاحت میکند
فقر و درویشی تمہیں تباہ کر دیگی اور دونوں عالموں میں روسیاحت کر دیگی۔

۱ - اشارہ بحديث شريف افقر سوادالوہ فی الدارين و مراد فقر و تنگدستی است
کہ مرد برای معیشت روزانہ تہیدست بیچارہ باشد و کارش بسوال بکشد -

غافل از اندیشهٔ اغیار شو
قوت خوابیده ای بیدار شو
دوسروں کا خیال اپنے دل سے نکال دے تو سوئی ہوئی قوت ہے، بیدار ہو جا۔

ناامیدی حربہ اہرین است
پیشش آفت و آسمانی جوشن است
ناامیدی شیطان کا حربہ ہے، اگر تو آگے بڑھے تو آسمان تیرا جوشن
بن جائیگا۔

جوشن امید را برخود بیوش
روز و شب تاجان بتن داری بکوش
امید کا جوشن پہن لے جب تک تیرے جسم میں جان ہے روز و شب
کوشش کر۔

خویش را خوار و زیون کس مدان
در نبرد زندگی واپس مدان
اپنے آپ کو کسی کا خوار و زیون مت سمجھ، زندگی کی جنگ میں
کمزور تصور مت کر۔

زین قناعت پیشگی پرهیز کن
مرکب ہمت بجولان تیز کن
قناعت پیشہ بننے سے پرهیز کر، اپنے مرکب ہمت کو جولانی میں
تیز کر۔

سوی وحدت پوی ودست از شرک شوی
متحد باش و بترک کفر گوی
وحدت کی طرف چل اور شرک کو ترک کردے ، متحد ہو جا اور کفر
کو ترک کردے ۔

ای بہار از ہند دم بامن مزن
بیش از این بر آتشم دامن مزن
ای بہار اب ہند کی بات مجھ سے نہ کر ، میری آگ کو اس سے زیادہ
نہ بھڑکا ۔

کز فراق ہند بس دلخستہ ام
نام ہند است این کہ بر خود بستہ ام
میں ہند کی جدائی میں بہت دلخستہ ہوں ، میں نے ہند کا نام اپنے
لئے اختیار کیا ۔

نام اصل ہند باشد مہ بہار
جذب گردد کہ بہ مہ بی اختیار
ہند کا اصلی نام مہ بہار ہے (اشارہ بہ مہا بھارت) اور دکہ ، (جھوٹی
چیز) و مہ ، (بڑی چیز) میں جذب ہو جاتی ہے ۔

من بہار کوچکم در ری مقیم
دل ضیان از فرقت ہند عظیم
میں جھوٹی بہار ہوں اور میں ری (یعنی طہران) میں مقیم ہوں اور ہند
عظیم (مہا بھارت) کی جدائی میں میرا دل جل رہا ہے ۔

گر بترسی درد و رنجت در قفاست
خیز و جنبش کن کہ گنجت زیر پاست
اگر تو ڈرتا ہے تو درد و رنج تیرا پیچھا نہیں چھوڑینگے، اٹھ اور حرکت
کر کہ خزانہ تیرے پاؤں کے نیچے ہے۔

جذیکی نبود سراپای و جود
قطرہ قطرہ محو دریای وجود
سراپائے وجود سوائے (ایک) کے اور کچھ نہیں، قطرہ قطرہ وجود کے
سمندر میں محو ہو جاتا ہے۔

از جدائی بگذر و مأنوس باش
قطرگی بگذار و اقیانوس باش
جدائی اور نفاق چھوڑ دے انس پیدا کر، فطرے کے وجود سے علیحدہ
ہو جا اور سمندر بن جا۔

جز براہ یکدلی سانک مباحث
محو یکتائی شو و مشرک مباحث
سوائے یکدلی کے راستے کے قدم مت رکھ (ایک) میں محو ہو جا اور
مشرک مت بن۔

کفر دانی چیست ؟ کثرت ساختن
از یکی سوی دو تائی تاختن
جانتے ہو کفر کیا ہے ؟ کثرت کو وجود میں لانا اور وحدت سے دو تائی
کی طرف جانا۔

لا علاج از دور بوسم روی ہند

روی گبر و مسلم و ہندوی ہند

مجبوراً میں دور سے ہند کے چہرے پر بوسہ دیتا ہوں۔ آتش پرست،
مسلمان، ہندو، تمام لوگ جو ہند میں رہتے ہیں سب کو بوسہ دیتا ہوں۔

پس پیامی میفرستم سوی یار

در لطافت چون نسیم نوبہار

میں دوست کی طرف ایک پیام بھیجتا ہوں جو لطافت میں نسیم نوبہار
کی مانند ہے۔

گویم ای ہند گرامی شاد باش

سال و ماہ از بند غم آزاد باش

میں کہتا ہوں کہ ای ہند گرامی خوش رہو، سال و ماہ غم کے
بند سے آزاد ہو۔

از سر اخلاص دادم این پیام

ہاں سخن کوتاہ کردم والسلام

میں نے یہ پیغام خلوص دل سے دیا ہے، میں بات کو مختصر کرتا
ہوں اور تجھ کو سلام بھیجتا ہوں۔

—————:o:—————

اس کے بعد اپریل سنہ ۱۹۵۰ ع میں ملک الشعراء بہار نے یوم
اقبال کے جلسہ کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں فرمایا:

طوطی بازار گانم من مدام ،
طوطیان ہند را گویم سلام
میں ہمیشہ سوداگر کے طوطے کی مانند ہوں اور طوطیان ہند کو سلام
بھیجتا ہوں -

ز آرزوی دیدن یاران ہند
میچکد از دیدہ ام باران ہند
ہند کے دوستوں کو دیکھنے کی آرزو میں میری آنکھوں سے ہند کی
بارش جاری ہے -

آرزو بر نوجوانان عیب نیست
لیک بر پیران فزون زین عیب چیست
نوجوانوں کے لئے آرزو کرنا بری بات نہیں، لیکن پیر کے لئے اس سے بڑھکر
عیب نہیں -

عمر من در زحمت و محنت گذشت
میروم اکنون سوی پنجاہ و ہشت
میری عمر تکلیف اور رنج میں گذر گئی، اب میری عمر اٹھاون سال
کی ہو گئی ہے -

در ہمین ہنگامہ چالاکی سزاست
من نیم چالاک و دوران بیوفاست
موجودہ وقت میں چالاکی کی ضرورت ہے، میں چالاک نہیں ہوں اور
زمانہ بے وفا ہے -

۱ - اشارہ ہے مثنوی معنوی کے قصہ کی طرف ایک ایرانی تاجر کے پاس
ایک طوطا تھا سوداگر کو ہندوستان کا سفر درپیش تھا۔ طوطے نے سوداگر کے
ہاتھ ہندی طوطوں کے لئے پیغام بھیجا -



*جب کوئی سیاستمدار یا دیپلمات کسی دوسرے ملک کے متعلق سوچتا ہے تو سب سے پہلے اس ملک کے قدرتی ذخیرے اور وہ فوائد جو وہ ان ذخیروں سے حاصل کر سکتا ہے، اس کی نگاہ کے سامنے مجسم ہو جاتے ہیں۔

جب کوئی تاجر اور سرمایہ دار کسی دوسرے ملک کو یاد کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ تجارتی معاملات، لین دین، بازار وغیرہ کی حالت اور تجارتی منافع وغیرہ کے خیال میں اس بات کو سوچنے لگتا ہے کہ کس طرح اس ملک سے سیج و زر اکھٹا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جب کبھی ایک شاعر یا دانشمند یا اہل دل کسی ملک کے متعلق سوچتا ہے، تو ہر بات سے پہلے اس ملک کے علما، اور ہنرمندوں اور ان کے

*وقتی مردی سیاستمدار یا دیپلمات از مملکت و کشوری یاد میکند، نخست معادن و ذخایر طبیعی آنکشور و امتیازاتی کہ میتوان از آنجای بدست آورد، در برابر چشم وی جلوہ مینماید۔

ہنگامیکہ شخصی تاجر و سرمایہ دار از کشوری یاد میکند، نخستین بار از معاملات تجاری و دادوستد و امر بازار و بازرگانی و امتیازات تجاری آن کشور یاد مینماید و دراین معنی غور و تأمل میکند کہ از چہ راہ میتوان سیج و زر را بہ چنگ آورد۔

اما ہر وقت دانشمندی، شاعری و صاحب دلی در مورد مملکت و کشوری فکر میکند، پیشتر از ہر چیز و قبل از ہمہ، علما و ہنرمندان آنکشور و پایہ

ذوق اور معیار تعلیم و ادب اور ان کی قومی عادات و رسومات کی طرف توجہ دیتا ہے اور فوراً وہاں کے سب سے بڑے شاعر اور اہل دل کی جستجو کرتا ہے کیونکہ ایک ملک کا حقیقی سرمایہ اس ملک کے لوگ ہوتے ہیں نہ کہ اس کے سیاسی یا تجارتی اور مالی اور اقتصادی امتیازات اور لوگوں کی اصلی اہمیت، ان کا تمدن، زبان و آداب اور ان کی علمی و ادبی تربیت ہے۔ تمدن اور زبان اور تربیت د مظهر ملک کی وہ بڑی بڑی شخصیتیں جو قوم کی سرپرستی کے فرائض انجام دیں، اور ملک کے ادیب و قانون گزار اور قومی رہنما ہوتے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص دنیاوی اغراض اور پست قسم کے دلچ سے قطع نظر کرے کسی قوم پر نگاہ ڈالے تو بلا شک وہ قومی راہنماؤں اور پیشواؤں کو مد نظر میں لائیک، خصوصاً جبکہ ان کے درمیان تمدنی،

مایہ ذوق و ہنر و فرهنگ عمومی و آداب ملی آن مملکت را بنظر گرفته و فوراً بزرگترین شاعر و صاحب دل را در آنجای میجوید و بیاد میآورد، زیرا حقیقت یک مملکت است نہ بامتیازات سیاسی و تجارتی یا ثروت یا زراعت، و حقیقت مردم مملکت بفرهنگ و زبان و آداب تربیت علمی و ادبی ایشان و حقیقت فرهنگ و زبان ادب و تربیت نیز در اشخاص بزرگ و مربیان و ادیبان و قانون گذاران کشور و پیشوایان ملی دیدہ و یافتہ میشود۔

پس اگر کسی خالی از اغراض دنیوی و مطامع فرومایہ مادی بخواهد مملکت و قومی را بنگرد، بلا شک پیشوایان و زعیمان ملی را خواهد دید، خاصہ کہ از لحاظ فرهنگ و ادب رابطہ و علاقہ جنسیت و سابقہ های تاریخی درمیان باشد۔

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

میں نے اقبال کو مسلمان غازیوں، عالموں اور ادیبوں کی نو سو سالہ
کوشش اور جہاد کا خلاصہ اور زندہ اور اس نو سو سالہ باغ کا پکا ہوا
میوہ گردانا۔ اور دانشوروں اور ہنرمندوں اور دیگر بڑی بڑی اسلامی
شخصیتوں کا ذکر کرنیکے بعد میں نے اپنے ممدوح کے متعلق یوں کہا :

یہ زمانہ خاص طور پر اقبال کا زمانہ ہے

اقبال جو اکیلا لاکھوں سے بازی لے گیا

شاعری نے ایک مجسمہ کی شکل اختیار کر لی اور کہا :

تمام شکار گورخر کے پیٹ میں ہیں (یعنی شاعری کی تمام خوبیاں مجھ
میں موجود ہیں)

شاعر ایک پامال شدہ فوج کی مانند تھے ،

لیکن اس ایک جنگجو نے سو سواروں کا کام کیا ۔

منظومہٴ بزرگ معرفی و ستائش علامہ دکتر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بود —

من اقبال را خلاصہ و نقاوہٴ مجاہدات و مساعی جاویدان نہصد سالہٴ
غازبان و عالمان و ادبای اسلامی و میوہٴ رسیدہ و کمال یافتہٴ این بوستان
نہصد سالہ دانستم و بس از ذکر دانشوران و ہنرمندان و رجال اسلامی
دربارہٴ ممدوح خود چنین گفتم : —

عصر حاضر خاصہٴ اقبال گشت

واحدی کز صد ہزاران برگذشت

ہیکلی گشت از سخن گوئی پیا

گفت و کل الصيد فی جوف الفرا ،

شاعران گشتند جیشی تار و مار

وین مبارز کرد کار صد سوار

ادبی، نسلی اور تاریخی تعلقات پہلے سے موجود ہوں۔

جب کبھی مجھے پاکستان کا خیال آتا ہے تو بے اختیار علامہ اقبال طاب ثراہ کی یاد میرے دل میں تازہ ہو جاتی ہے۔ پانچ سال قبل جبکہ ہندوستان و پاکستان ابھی آزاد نہیں ہوئے تھے اور ابھی امید کا فرشتہ اس سر زمین پر پرواز کر رہا تھا، دانشسرائے عالی کے ہال میں ایک جلسہ میں جس میں علم و ادب و سیاست کے منتخب اشخاص، پروفیسر صاحبان، سفراء کبار اور طالب علم موجود تھے، میں نے منظوم تقریر کی اور اس نظم میں میں نے ہندوستان کی آزادی کی پیش بینی کی اور ہند کے لئے یہ اچھی فال ثابت ہوئی۔ میں نے ماضی اور حال کی تاریخ بیاں کی اور ادب دوست شاعروں صاحبدلوں شہریاروں اور شہربانوؤں کے ناموں کا ذکر کیا۔ اور اس لمبی نظم سے میرا منصد اقبال رح کی تعریف اور اس کا تعارف کرانا تھا۔

بدین سبب ہر وقت من بفکر پاکستان میاقم، بی اختیار علامہ دکتر محمد اقبال طاب ثراہ بیاد من میآید۔ ہمسین دلیل نخستین بار در پنجسال پیش از اینکه هنوز ہندوستان و پاکستان مستقل وجود نداشت و فرشتہ امید تازہ بتازہ بر این سرزمینہا بال میافشاند، من بیاد ہندوستان در تالار دانشسرائے عالی ضمن جشنی باحضور گروہی از نخبہ رجال ادب و علم و سیاست و استادان و بعض سفرای کبار و دانشجویان سخنرانی منظوم در عہدہ گرفتہ و در آن منظومہ آزادی ہندوستان را پیش بینی نمودم و فالی نیکو زدم و تاریخی از گذشتہ و حال و داستان پارسی گویان ہند بیان کردم و نام شاعران و صاحبدان و شہریاران ادب دوست را بمیان آوردم و نتیجہ آن

کیا گیا تھا ایک دفعہ اٹھ گیا اور ناگہاں ہم نے محسوس کیا کہ ایک سو پچاس سال کی جدائی اور میل ملاپ کی کمی اور ماہرانہ شیطانی تحریکیں ہماری باہمی ہمدردی، ہمدردی و ہم کشی اور ہم زبانی کے تعلقات کو ذرہ بھر بھی کم نہیں کر سکیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک قطعہ زمین میں اچھے اور مختلف قسم کے بیج ڈالے گئے ہوں لیکن سورج کی روشنی اور گرمی اور پانی وہاں نہ پہنچے ہوں اور پھر دفعتاً روشنی اور حرارت کے راستے سے رکاوٹیں دور ہو جائیں اور کافی مقدار میں حرارت اور روشنی اور رطوبت کے پہنچنے سے اس قطعہ زمین کے اندر جنبش اور حرکت وجود میں آئے اور قوت نامیہ کے بیدار ہونے سے رنگا رنگ پھول اور خوشبودار شگوفے نکل آئیں۔

پنجاہ سالہ کہ میان ما و برادران ما فروکشیدہ بودند، برداشته شد و ناگاہ محسوس گردید کہ این صد و پنجاہ سال جدائی و عدم حشر و آمیزش و تحریکات ماہرانہ شیطانی نتوانسته است ذرہ ای از روابط ہمدردی و ہم خونی و ہم کشی و ہم زبانی ما و برادران ما بکاهد، عین مانند قطعہ خاکی کہ بذرا و تخمهای مفید و گوناگون در آن قطعہ افشانده باشند ولی از تابش نور و ترشح رطوبت بآن قطعہ خاک مضایقت رفته باشد۔ مدتی گذشت کہ حرکت و جنبش در آن زمین بارور مشہود نمیافتاد و یکبارہ پس از بر طرف شدن حجاب رنغ موانع دیگر و وصول نور و حرارت و رطوبت و هوای کافی، آنزمین بجوشش و حرکت طبیعی درآمده قوہ نامیہ بوظیفہ خویش قیام کرده ریاحین و گلہای بدیع سپر غمہای و شگوفہای لطیف و خوشبوی سراز خاک برآوردند۔

نہایت افسوس اور رنج کی بات ہے کہ ایک صدی سے زیادہ عرصہ کی غیرملکی حکومت کے امپیریلزم کے اثر اور تسلط کے پھیل جانیکی وجہ سے ایران اور ہمارے ہندوستانی بھائیوں کے درمیان رابطہ اور تعلق قطع ہو گیا۔ یہی نہیں بلکہ گاہ بگاہ ایسی تحریکیں اور ریشہ دوانیاں بھی تھیں جنکا مقصد یہ تھا کہ ہمارے درمیان موجودہ محبت، دوستی، حسن تفاهم اور قدرتی اتحاد کے متین اور مضبوط رشتہ کو دشمنی اور نفرت میں بدل دیں۔ لیکن ان فتنہ انگیزیوں اور تحریکوں کا ہرگز وہ نتیجہ نہ نکلا جو ان کے محرکوں کے پیش نظر تھا، بلکہ فتنہ انگیزوں پر اس کا الٹا اثر پڑا، اور یہ بات خاص کر پاکستان کے بننے کے بعد حقیقت کی صورت میں رونما ہوئی۔ اس بڑی اسلامی حکومت کے وجود میں آنیکے بعد، ڈیڑھ سو سالہ پرانا وزنی اور ضخیم پردہ جو ہم اور ہمارے بھائیوں کے درمیان حائل

با نہایت اسف و درخ بسبب سیاستهای استعماری یک قرن افزون شد کہ رابطہ و حلقہٴ طبیعی میان ایران و برادران ہندوستانی وی منقطع گردیدہ بود۔ گاہ گاہ نیز تحریکها و تخریبهای در کار بود کہ رشتہٴ محکمہ و متین رتباطات موجود دوستی و واداد و حسن تفاهم و اتحاد طبیعی میان ما و برادران ما را بخصوصیت و عناد بدل سازند۔ لیکن ہیچوقت این تفتین ها ریکت اثر مطلوب نمی بخشیدہ و تبعہ و سوء عواقب آن بہ مسبب و محرک اصلی باز میگشتہ است۔

اینمغنی مخصوصاً پس از بوجود آمدن پاکستان تحقق یافت۔ آری، از ایجاد این دولت بزرگ اسلامی یکبارہ پردہٴ ضخیم و ہنگفت صد و

یہ ایک ضرب المثل ہے کہ شاعر کی فال اثر رکھتی ہے ہم ایران میں دیکھتے ہیں ایران کے نامدار شاعر اور حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی رضوان اللہ علیہ کی نیک فال جو بمنزلہ خدائی الہام کے تھی، کس قدر موثر واقع ہوئی، اور اس نے کس طرح ایک بکھری ہوئی قوم اور شکست خوردہ ملک کو اپنے الہامی اور آسمانی کلام سے زندہ کیا! بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ نیستی سے وجود میں لایا۔ بالکل ایسے ہی پاکستان کے وجود میں آنے کا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہے۔ ان تمام مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود جو اس کی راہ میں حائل تھیں، ہم نے دیکھا کہ کس طرح اقبال لاہوری (جو خدا کی طرف سے ملہم تھے) کا جان بخش اور دل انگیز نعرہ اور اس کی مبارک فال اور اس کی جاویداں تصنیفات نے اپنا اثر دکھایا اور ایک زندہ اور جاویداں ملت اور عظیم الشان اور مفید ملک وجود میں آیا۔ لہذا یہ

ضرب المثلی است کہ فال شاعر کارگر است۔ همانقسم کہ درباره ایران دیدیم سخنان شاعر و حکیم نامدار ایرانی ابوالقاسم فردوسی طوسی رضوان اللہ علیہ و فالہای خوشی کہ از الہامات یزدانی بودہ چگونه مؤثر افتاد۔ ملتی متفرض شدہ و کشوری تارو مار شدہ رابقوہ و مدد الہامات و تاثیر کلمات آسمانی خود زندہ کرد بل از حیز عدم بعرضہ وجود آورد۔ عیناً درسورد پاکستان و آنہم مخالفتها و منافرت ہائیکہ درمیان بود، دیدیم چگونه نعرہ جان بخش و ندای دل انگیز اقبال لاہوری کہ ملہم من عنداللہ بود و فالہای فرخی کہ زد و آثار جاویدان و پایندہ ایکہ منتشر نمود تاثیر بخشودہ و ملتی زندہ و جاوید و مملکتی عظیم و مفید بوجود آورد۔ پس بی سبب نیست کہ ما نیز مانند برادران پاکستانی خود قدر چنین نابغہای را دانستہ و بتأثیر وجود

اب مجھے امید ہے کہ ہمارے تاریخی ارتباط اور ہمارے بزرگوں کے مساعی اور ہماری قدیم وحدت اور یگانگت کا پھل ہمیں میسر ہوگا۔ میری آرزو ہے کہ یہ دو بدیع اور پر طراوت گلشن اور نعمت سے مالا مال دو بوستان (ایران اور پاکستان)، پاکستان کے دو عظیم المرتبت بانیوں کی روحوں کی مدد اور دونوں ملکوں کے علماء اور ادباء کی سعی و کوشش سے آپس میں ایسے گہل مل جائیں کہ تمام ظاہری خطوط فاصل اور رسمی رکاوٹیں ان کے درمیان سے اٹھ جائیں اور اس شاعر اور مصلح اعظم کی آرزو اور مقصود کا ایک اہم حصہ یعنی وحدت مشرق کم از کم جہان تک ایران و پاکستان (جو ایشیا کے دو مہم دروازے ہیں) کا تعلق ہے، پورا ہو اور ایک صحیح شکل میں ظاہر ہو جائے۔

اکنون امیدوارم میوه‌ها و محصولات گرانبہائی که نتیجه سوابق تاریخی و ساعی بزرگان و وحدت و یگانگی هزاران ساله است، بی هیچ مانع و رادعی فراهم آید و این دو گلشن بدیع و پر طراوت و دو بوستان طری و پر نعمت بمدد همت روح پر فتوح قائد اعظم جناح نورالله دمسہ و روان پاک علامہ دکتر محمد اقبال طاب ثراه دو موجد بزرگ پاکستان و غیرت و سعی روز افزون دانشمندان و علماء و ادبای دو کشور چنان به یکدیگر متصل گردد که خط فاصل صوری و حجاب حایل تشریفات بالمره از میان بر خیزد و قسم اعظم آرزو و آمال آن شاعر و مصلح بزرگ (یعنی وحدت شرق) لا اقل در مورد ایران و پاکستان، دو دروازه بزرگ آسیا صورت واقعی بخود گیرد و پیکر راستین پذیرد.

یہاں مناسب ہے انبال کا ایک شعر تبرکاً پیش کیا جائے۔

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوت خوابیدہ ای بیدار شو
تو دوسروں کے خیالات اپنے دل سے نکال دے
تو سوئی ہوئی قوت ہے بیدار ہو جا

اقبال اور محیط طباطبائی

سید محیط طباطبائی سب سے پہلے ایرانیوں میں سے ہیں جو گہرے طور پر اقبال کے کلام اور اس کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور جنہوں نے ایران کی ادبی محافل کو اقبال سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔ اقبال سے ان کی کئی سال تک خط و کتابت رہی اور جب ہم ایران کے اس سیاسی اور ادبی ماحول کو دیکھتے ہیں جس میں محیط اقبال کے کلام کو رواج دینے کی کوشش کر رہے تھے تو تعجب ہوتا ہے۔ لیکن آج ایران میں اقبال کی مقبولیت کو دیکھ کر ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ محیط کی نگاہ کتنی دور رس اور کس قدر حقیقت شناس تھی۔ وحید دستگردی اور بہار ایسی عنایہ الشان معاصر ادبی شخصیتوں نے ابتدا میں اقبال کے کلام کو قابل اعتناء نہ سمجھا۔ لیکن محیط کی

و باز جای دارد در این مقام یک بیت از اسعار اقبال را تیمناً ذکر کنم
کہ میفرماید :-

فارغ از اندیشہ اغیار تنو
قوت خوابیدہ ای بیدار شو

بغیر وجہ نہیں کہ ہم نے بھی اپنے پاکستانی بھائیوں کی طرح اس نابغہ روزگار کی قدر پہچانی اور اس کی شخصیت اور جاویدان تصنیفات کے معترف ہیں۔ پاکستانیوں کو حق ہے کہ جس طرح ہم حکیم اور عالی قدر فردوسی طوسی کو اسلامی ایران کا بانی اور مؤسس گردانتے ہیں وہ بھی اقبال لاہوری کو (جس کی باد میں آج کا جلسہ برپا ہے) پاکستان کا موجد اور بانی اور مشرق میں صلح و امن کا بہت بڑا سہارا سمجھیں۔

جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں مجھے امید ہے ایران اور پاکستان باہمی ہمدردی، حسن تفاهم، دلی دوستی اور مضبوط اور محکم ایمان کے زیر اثر وسطی ایشیا کی صلح اور امن کو ایک پائیدار اصول پر قائم کرسکیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ قوموں کی قوت حرکت اور ان کی آرزوں کے مقابل (خصوصاً جب اس تحریک اور آرزو کی بنیاد بشر اور عالم انسانیت کی بیہودی اور اس کی ترقی پر رکھی گئی ہو) کوئی طاقت نہیں ٹھر سکیگی۔

بسط و ترقی عمران و تمدن نہادہ باشد، هیچ قوہ ای قادر بمقاومت نخواهد بود و آثار جاوید او اعتراف داریم و حق میدہیم همانقسم کہ ما ایرانیان حکیم و نابغہ استاد فردوسی طوسی را موجد و بانی ایران اسلامی می شماریم، آنها نیز اقبال لاہوری را کہ اشب یکی از جلسات یاد بود او را رحمۃ اللہ علیہ بر گزار میکنیم موجد و بانی پاکستان بزرگ و ستون صلح مشرق بشمارند۔

امیدوارم چنانکہ گفتیم ایران و پاکستان درسایہ ہمدردی و حسن تفاهم و روابط قلبی و ایمان محکم و قوی بتوانند پایہ صلح و امنیت آسیای میانہ را بر اصول استوار پایدار سازند۔ آری، در برابر قوہ جنبش و خواست ملل، خاصہ کہ مبنای آن جنبش و خواہش بر خیر و صلاح و منفعت بشر و عالم انسانی

”محیط کی آرزو، کے زیر عنوان آفای محیط لکھتے ہیں :-

”دو تیرہ برس گزرے مجھے امید تھی کہ افغانستان کے پائیتخت میں
ہندوستان کے معروف فلاسفر اور شاعر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات میسر ہوگی -
مگر خدا کو منظور نہ تھا !

اس کے ایک سال بعد میری آرزو تھی کہ فردوسی کے ہزار سالہ جشن
میں ہندوستان معاصر کے سب سے بڑے فارسی زبان کے شاعر کو مشرف اور
مغرب کے ادبا و فضلا کے صدر نشین کی حیثیت سے دیکھوں -
خدا انو یہ بھی منظور نہ ہوا !

نو سال گرے سری رام کرشنا کے سوئس رور دولد کے جشن کے موقع
پر جلسہ کی انتظامیہ کمیٹی نے کانفرنس مذاہب میں شرکت کے لئے مجھے
دعوت بھجوائی - اس طرح اقبال سے ملاقات کے لئے ابتدائی سامان مہیا
*اصل متن فارسی یہ ہے-

سیزدہ سال پیش گمان می کردم در پایتخت افغانستان توفیق ملاقات
دکتر اقبال شاعر و فیلسوف معروف ہندوستان نصیب خواہد شد ،
ولی خدا نخواست !

سال بعد از آن آرزو داشتم در جشن ہزارہ فردوسی بزرگ ترین شاعر
معاصر فارسی زبان ہندوستان را صدر نشین انجمن ادبا و فضلائی شرق و غرب
بنگرم ،
باز ہم خدا نخواست !

نہ سال پیش از این کہ از طرف ہیئت مدیرہ جشن باد بود سال صدم
تولد سری رام کرشنا برای شرکت در کنگرہ ادبا بہندوستان

نظر میں ابتدا ہی سے اقبال آسمان شعر فارسی کا ایک نہایت درخشاں ستارہ تھا۔ محیط کو اقبال کے کلام میں فارسی شاعری کی نئی زندگی دکھائی دے رہی تھی اور اس کا دل اور اس کی آنکھیں اقبال کی ملاقات کے لئے ہمیشہ بیقرار تھیں۔ مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ اور محیط کی آرزو دل ہی میں رہ گئی۔

سب سے پہلے جس شخص نے اقبال کو صحیح طور پر ایرانیوں کے سامنے پیش کرنیکی غرض سے مقالات لکھے اور اپنے رسالے کا ایک خاص نمبر اقبال کے لئے وقف کیا، محیط ہیں۔ آج اس خاص نمبر کو جو گیارہ سال پہلے تہران میں چھپا مطالعہ کریں تو ایک عجیب سوز و گداز سے دو چار ہوتے ہیں۔ غالباً یہ محیط اور سعید نفیسی کے خطوط تھے جن سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا :-

نواہی من بہ عجم آتش کہن افروخت
عرب ز نغمہ شوقم هنوز ہی خبر است

محیط نے اردی بہشت ۱۳۲۴ (مضابق ۲۵ اپریل ۱۹۴۴ ع) کو جو خاص نمبر شائع کیا ہمارے لئے تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں جتنے مقالات ہیں سب کے سب محیط کے اپنے قلم سے ہیں اور ان کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت جب کہ اقبال کے متعلق ایران میں نہایت کم معلومات پہنچتی تھیں، محیط نے اس نمبر کی تدوین کے لئے کس قدر کوشش کی ہوگی۔ محیط کے اس شمارے میں سے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں جن سے محیط کی اقبال سے عقیدت اور محبت اور اس کی وسعت معلومات کا پتہ چلتا ہے۔

..محیطہ کی آرزو.. کے زیر عنوان آفاقی محیطہ لکھے ہیں :-

”...سورہ برس گزرتے سمجھے آمد نہی نہ افغانستان کے مائیت میں
ہندوستان کے معروف فلاسفر اور شاعر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات مسر ہوگی ۔
مگر خدا تو منظور نہ تھا !

اس کے ایک سال بعد مہری آرزو جی نہ فردوسی کے ہزار سالہ جشن
میں ہندوستان معاصر کے سب سے بڑے افسانہ نگار کے ماسٹر تو مسٹر اور
معرب کے ادب و فصلا کے صدر تین کی صحبت سے دیکھوں ۔
خدا تو یہ بھی منظور نہ ہوا !

تو سال گزرتے سری رام کرشنا کے سوس زور تولد کے جشن کے موقع
پر جیسے کی خطبہ نہ ہی نے دانشور مائیت میں سرگت کے لئے لکھے
دعوت بھجوائی ۔ اس طرح اقبال سے ملاقات کے لئے ابتدائی سامان مہیا
تخلص میں فارسی یہ ہے ۔

سزده سال جس گمان مسکرده در سطح افغانستان توفیق ملاقات
داکٹر اقبال شاعر و فلسف معروف ہندوستان نصیب خواہد شد ،
وہی خدا بخواب !

سال بعد از آن آرزو داسہ در جشن ہزارہ فردوسی بزرگ ترین شاعر
معاصر فارسی زبان ہندوستان را صدر تین انجمن ادب و فضلائی سرو و غرب
بنگرہ ،
مازہم خدا بخواب !

نہ سال نہیں از اس نہ از طرف هیئت مدرہ جس مذ بود سال صدم
توہ سری رام کرشنا برای سرگت در لکیرہ ادب ہندوستان

نثر میں ابتدا ہی سے اقبال آسمان شعر فارسی کا ایک نہایت درخشاں ستارہ تھا۔ محیط ادب اقبال کے کلام میں فارسی شاعری کی نئی زندگی دیکھائی دے رہی تھی اور اس کا دل اور اس کی آنکھیں اقبال کی ملاقات کے لئے ہمیشہ بہتر تھیں۔ مگر خدا کو منظور نہ آیا۔ اور محیط کی آرزو دل ہی میں رہ گئی۔

سب سے پہلے جس شخص نے اقبال کو صحیح طور پر ایرانیوں کے سامنے ہمیں تاریکی غرض سے متبادلات لکھے اور اپنے رسالے کا ایک خاص نمبر اقبال کے لئے وقف کیا، محیط ہیں۔ آج اس خاص نمبر کو جو گیارہ سال پہلے ایران میں چھپا مضامین کرس نو انکے عجیب سوز و گداز سے دو حار کرتے ہیں۔ غالباً یہ محض اور سعید نفیسی کے خطوط تھے جن سے متاثر ہو کر اقبال نے کہا :-

نوائ من بد عجب آنس کہن افروخت
حرب ز اعہد سو فہ غنوز بی خبر است

محیط نے اردی بہشت ۱۳۲۸ (۱۹۵۰ء) ۲۵ اپریل ۱۹۵۰ء) کو جو خاص نمبر شائع کیا، صرف اپنے تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں جسے متبادلات میں سب کے سب محض کے لئے ہے جس اور ان کو بڑھ کر معلوم دیتا ہے کہ اس وقت جب کہ اقبال کے بعض ایران میں نہیں تھے معلومات پہنچتی تھیں، محیط نے اس نمبر کی۔ دونوں کے لئے کس قدر کوشش کی ہوگی۔ محیط کے اس شمارے میں سے اقبالیات درج ذیل جاتے ہیں جن سے محض کی اقبال سے عقیدت اور محبت اور اس کی وسعت محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔

امریکے کے نئے اہل کی رہ گئی کے حادثہ نرج ٹیٹے۔ اور اس نے یہ منہ
ادبی بھائی ارمغان میں چھوڑا، اور ٹومس کی ذہن انا اور سہرا کی
سرکٹ سے اہل کی یاد میں محسوس گواہی وہ۔ نرج کی جائے، کی
میں کھانا تھا،۔ مومس نہ کی۔

حجہ سال گذرنے میں سے حادثہ نے اہل کی وفات کے ایک سال بعد
محسوس یاد میں نرج اور مجیدہ، ٹومس و ٹومس نے ایک خاص نرس اہل
کی یاد میں منسٹر ٹرون۔

ٹومس اہل کے سور و حوتا نے احاطہ نہ دی ج
گندہ سال ایران کی عتب فرہنگی (نرجل میں) مہدوسان نے نوز
تے و س آبی ور دھلی ٹومس میں محسوس کی اسرائیلی کے واقعہ نہ تمام
محسوس میں نہ تھا۔

نرج و سہرا کی در ترجمہ احوال اور برای انحصار مہدوسان حوسس ہوسہ و
نرج مجیدہ ادبی ارمغان منسٹر ماحیم و در حدود بر آمدہ از انا و سہرا محسوس
برای سہ گواہی و سہ نرجل اور محسوس اور نرج اور۔ سہرا حواہ انا

محسوس سال میں اس حواسہ یاد بود سال اول وفات اور محسوس۔ نری
فراہم ورم واز مجیدہ آہوایس و ٹومس سہرا کی را سہرا انحصار دھم۔
محسوس (ٹومس اہل) نکداس

سال گذشتہ نہ عتب فرہنگی ایران از مہدوسان ناز آمد و سہرا
روز سہرا سال در دانشلاہ دھلی نرس محسوس۔ حواسہ ناری مہر زخمی
نرج۔ نرج ٹومس اہل۔ ایک سرکاری محسوس ہی جیسا مقصد ملک میں
عظمی ادبی نری تھا۔

ہو گیا لیکن دعوت نامہ جو سریع السیر ذاک کے ذریعہ بھیجا گیا تھا تہران
میں مجھے اپنی دیر سے ملا کہ ہندوستان کے سفر کا موقع گزر چکا تھا۔
اور میں اس فیصلے سے محروم رہا۔

آج سال گذرنے ہندوستان میں اہل کی حیدرآباد کی سائیکل کے موقع
پر نما۔ اور حسین مشایخ کیا۔

میں نے کہا کہ میں دوسروں سے ملکر ہندوستانی بھائیوں کے ساتھ
سردارک ہوں اور تہران میں اہل کے سفر و ادب میں مقدم کی مناسب سے ایک
انجمن قائم کریں۔ لیکن سب کے ہاتھ بڑے مہلت نہ دی اور اس حسین
کی خبر دینے کے دو ماہ بعد اس کی وفات آؤ۔ اور ناٹ واقعہ۔ میں آیا۔

آج سے سات سال پہلے جب موت کی طوائف ہوا نے اس کی عمر کے درخشاں
حراغ کو بجھا دیا میں نے ایک مقالہ لکھا جس میں اسے عجیب و غریبوں کی
دعوت دے۔ مقدمہ، اس کی رائے رات اہل مہلت دے۔

وہ باندازہ ای اس دعوت نامہ نہ با سب سریع السیر فرستادہ دے
بود در تہران دیر سب میں رہے۔ نہ دیکر مجھے رائے مسافرت عند باقی
حاندہ بود و از آن فیصل محروم دے۔

سب سال میں نہ در ہندوستان۔ سب و سب عمر اہل را حسین با
سکوی گرفتہ با رخی از دوسان خواہم در این سادی با برادران ہندوستان
سرتب نیمہ و در تہران بناس مقام شعر و ادب او انجمنی فراہم آورے۔
وہ دست اجر مہلت نہاد و دو ماہ میں از وصول خبر انعقاد جشن
واقعہ ناگوار رحلت اوروداد۔

ہفت سال پیش از این نہ یاد اجر حراغ فروزان عمر او را خاموش

یہ مختصر مقالہ میں نے خرداد ۱۳۱۷ (مئی ۱۹۳۸) اقبال کے حالات کے مضمون لکھا لیکن یوئیس کے سانسور کے دفتر نے اس کو ٹاٹ جھانٹ دیا اور اصلی مقالہ کا نصف حصہ جھانٹنے کی بھی اجازت نہ دی۔

آج میں ۷۰ زینہست ۱۳۷۷ (۶۷ برس ۱۹۵۸ ع) اقبال کے ساتویں سال وفات کی مناسبت سے اسی مقالے کو دوبارہ حیات کر دینا کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

اقبال کون ہے

اس عنوان کے تحت محد محبط طباطبائی سید امسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ایران نے کئی غر مہم اور بے عرصہ لوگوں کو ایران آنے کی دعوت دی مگر حکومت نے اس شخص سے جس نے ایرانی فرہنگ و زبان کی سب سے بڑھکر حسرت کی بنیے اعنہ لئی ہوں۔

محد لکھتے ہیں :- *عراق، مصر اور شام کے لوگ آج بھی ابن العرب

بترجمہ احوال او نوسہ ام و دست تصرف سا نسور شہر بانی در آن تاریخ آئرا مسہ کردہ و بیسی از نصف اصل مقالہ را ہم اجازہ چاپ نداده است

انہوں نے یاد بود روز چہارم اردی بہست ۱۳۲۷ کہ مصادف با نخستین روز از سال ہستم وفات اوست تجدید چاپ نموده بدوستان او شعر و ادب تقدیم کنیم۔
اول اردی بہست ماہ ۱۳۲۷

مردم عراق و شام امروز ابن مقفع و ابیودی و ارجانی و بدیع الزمان ہمدانی و رشید و طوطا را بہمان نظری مینگرد کہ جاحظ و ابوالعلا و

میں نے جاہا کہ اپنی قلم کی مدد سے اس زخم پر (جو عنیت کے ایک
ممبر کی نامناسب باتوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کے دل پر لکھا) مرہم
رکھوں۔ لیکن ملک کی سیاسی مصلحت نے اجازت نہ دی کہ کوئی تلافی
کر سکوں۔

لیکن آج جب کہ مختلف اجتماعی اور ادبی وجوہات کی بنا پر اقبال کے
متعلق بے پروائی اور غفلت کا پردہ اٹھ گیا ہے۔ انجمن ادبی ایران و ہند کے
زیر اہتمام اقبال کے ساتویں سال وفات کے سلسلہ میں تہران کے ۷۰ فراموس
کاروں نے ایک شاندار جلسہ برپا کیا اور میوزیم کے ہال میں اوگوں کو دعوت
دی اور اقبال کے بلند مقام کے متعلق تقریریں کی گئیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے یہ موقع دیا کہ میں اپنے ہم مذہب و ہم
زبان شاعر د حق (جو مجھ پر اس کی سیم دوستی کی وجہ سے عائد ہونا ہے)
ادا کر سکوں۔

راہ از گفتار نا ہنجاری برای دل ندہ مسلمانان ہند وارد آمدہ ہود مرہمی
نہم ولی رعایت مصالح ملکی و ملاحظہ مفتضات سیاسی نکذاتنت نا خود
مجاہی برای جبران آن گفتار بدست آورم۔

ولی امروز کہ تاثیر عوامل مختلف اجتماعی و ادبی سبب پر دانستہ شدن
حجاب غفلت از روی نام اقبال سرہ و انجمن روابط ادبی ایران و
ہند نوانستہ است پیاد بود سال ہفتمہ وفات او در تہران فراموشی کار، مجلس
جشن با سکومی فراہم کند و گروہی را برای تذکار مقام بلند این مرد
بزرگ بتآذر موزہ باستان شناسی فرا خواند، خدا را سپاسگزارم کہ چنین فرصتی
بخشید تا دنی را کہ نسبت بآن شاعر فیلسوف ہمکیش و ہم زبان خویش
بر عہدہ آشنائی داشتم ادا کنم و این مختصر را کہ در خرداد ۱۳۱۷ راجع

ہندوستان کے ایک اور شاعر نے جو اردو زبان بولنا اور نکھنا تھا اور اردو زبان میں شعر کہتا تھا باوجود انگریزی زبان پر بڑا بڑا تسلط ہونے کے اسی اس عقدت کے سبب جو اس کو مولوی جلال الدین رومی سے ہو گئی اسے خیالات اور اسے اسرار کی تعمیر و بیان کے لیے فارسی زبان کو اختیار کیا۔ اور جس طرح نیگور نے اپنی بہ سی نصائف راہ راست انگریزی زبان میں شاعری اس شاعر نے کیے بعد ذکر کے نامی فارسی دیوان شائع کئے اور جب تک فارسی زبان دنیا میں موجود ہے اس کا نام نامی باقی رہیگا۔

مرد بزرگوار اور فدا کار دا کٹر محمد اقبال ہے جس کے ساہوے سال وفات کی مناسبت سے انجمن ترقیاتی ایران و ہند نے جلسہ منہ زد کیا ہے۔

اس زمانے میں سابق شاہنشاہ کے حواری ہندوستان کے موهوم سرمایہ کی آمد میں دوڑ دھوپ کر رہے تھے اور ابھی انہوں نے ہندی

کہ بہ زبان اردو می گفت و می نویسد و سخن می سرود با وجود تسلط دہلی کہ بہ زبان انگلیسی داشت نظر بآراستی کہ نسبت بمولوی جلال الدین رومی یافت زبان سیرین فارسی را برای تعبیر مکونات خاطر خود اختیار کردہ و ہمانگونہ کہ ماگور مستظما بسیاری از آثار خود را بزبان انگلیسی منتشر میساخت، اس شاعر دیوان از بس دیوان بہ زبان فارسی انتشار میداد کہ تا زبان فارسی در جہان پایدار است نام نامی او باقی خواہد ماند۔ این مرد بزرگوار فدا کار دکتر محمد اقبال میباشد کہ امروز انجمن روابط ادبی ایران و ہند ہفتمین سال رحلت او را مجلس یاد بودی فراہم کردہ است۔

در آن روزی کہ اشرافیان شاہ سابق بخیاں جنب سرمایہ های موهومی از ہندوستان بایران درختا یو بودند و هنوز آن جواب دہانی را از پارسیان ہند

و ایبودی و ارجانی و بدیع الزمان ہمدانی و رشید وطواط کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے جاحظ و ابوالعلا و بہا الدین زہیر اور دوسرے عربی زبان کے ادیبوں کو اور وہ اس بات کا کوئی فرق محسوس نہیں کرتے کہ معریؒ شام میں ارجانی خوزستان میں اور بہا الدین ظہیر مصر میں اور طواط خوارزم میں رہتے تھے۔ - تنہا معیار وہ خدمت ہے جو ان میں سے ہر ایک نے عربی ادب کی انجام دی ہے۔ اسی طرح ہم امیر خسرو اور حسن دہلوی اور فیضی دکنی کا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنا کہ جامی، خواجو اور صائب کا۔

چالیس سال گزرے ہندوستان میں رابندر ناتھ ٹیگور نے اپنی مادری زبان یعنی بنگالی کے علاوہ انہی مقصود کے زبان و تشریح کے لئے انگریزی سے فائدہ اٹھایا اور اس کی بدولت جہاں میں شہرت حاصل کی۔

بہا الدین زہیر و سایر بزرگان ادب زبان عربی را می بینند و بر ای ایشان تفاوتی ندارد کہ معری در ساء و ارجانی در خوزستان و بہا الدین زہیر در مصر و وطواط در خوارزم میزیستہ است .

میزان در توجہ بدیشان خدمتی است کہ ہر یک از آنان نسبت بآداب زبان عرب کردہ اند . ہما نظور کہ ما نیز امیر خسرو و حسن دہلوی و فیضی دکنی را بہمان درجہ احترام میگذاریم کہ جامی و خواجو و صائب در پیش ما منزلت دارند .

چہل سال پیش کہ را بیندونات تاگور در ہندوستان علاوہ بزبان مادری خود (بنگالی) از زبان انگلیسی برای بیان مقصود . و معرفی افکار خود استفادہ کردہ از این راہ شہرت جہانی تحصیل نمود یک شاعر دیگر ہندوستان

دنیا نے جاوید کی طرف روانہ ہو چکا ہے۔ اور اس بہشت میں مغیر ہے جہاں مولوی کی راہنمائی میں انی زندگی میں سفر کر چکا ہے اور سید جمال الدین و نادر اور دیگر بڑی بڑی شخصیتوں سے ملاقات کر چکا ہے۔ آج اس کی روح مولوی و سعدی و امیر خسرو و مسعود سعد و مضمی و صائب و بیاد کی ہمکنش ہے۔

ایران کے روشن فکر لوگ اب ہمیشہ کے لئے اقبال کے مقام اور مرتبہ کو جان چکے ہیں۔ اور اس کا حق پہچانتے ہیں اور آج اس مجلس کے انعقاد سے اپنے دیرس اور مضمونہ نامی نوجوان کو اقبال کی ذات سے ہے دنب کو آگہ کر رہے ہیں۔

اخبار محیط اپنے اندر کی مرحوم شاعر سے دوستی کی نادر میں اور اس کافی بمانہ از دعوت اقبال خود داری کردند۔ ولی جای افسوس اسد امروز کہ انجمن روابط ادبی ایران و هند در صدد تجلیل مقام اقبال پر آمده این شاعر سال هاست از این جهان فانی به سرای باقی رخت پر نسیم و درهمان بهمنی کہ خود بر عبیری مولوی در حسابات خویش ستر نموده ارواح سید جمال الدین و نادر و بزرگان دیگر را ملاقات کرده بود امروز بصورت روح مجریدی همکنش مولوی و سعدی و امیر خسرو و مسعود سعد و مضمی و صائب و بیاد است۔

روشن فکران ایران در سانی و لاحق ہمیشہ مقام منزلت ادبی اقبال را ساخته و نسب با و حق شناس بوده اند چنانکہ امروز ہم با اقامہ این مجلس یاد بود نمونہ ای از علاقه دیرین و استوار خود را بشخص شخص اقبال بجهانبیان نشان میدهند۔

روز نامہ محیط ہم نظر بیاس حنفی دوستی ایران با شاعر قید و مقام

پارسیوں کا یہ جواب نہیں سنا تھا کہ ہندوستان کے پارسیوں کی روح اور ان کا دل ایرانی ہے مگر ان کا سرمایہ ہندوستان کا مال ہے اور ہندوستان میں ہی رہتا ہے اس لئے انہوں نے رابندر ناتھ ٹیگور کو ایران آنیکی دعوت دی تاکہ اس کی وساطت سے دین سا رستم مسانی اور دیگر پارسیوں کا سرمایہ ایران میں کھینچ لائیں ۔

لیکن ایران کے اہل دل دربار ایران کی اس بے خبری اور فراموش کاری پر پیچ و تاب کھاتا رہے تھے اور ان کا دل اس بات سے جلتا تھا کہ ان بے خبروں کو کیوں معلوم نہیں کہ ہندوستان میں ایک ایسا شخص بھی رہتا ہے جو تمام ہندوستانیوں سے ایران کی دعوت کا زیادہ حق رکھتا ہے ۔ لیکن خدا کو منظور نہیں تھا کہ وہ اس دستگاہ سے سے کوئی خوشی کی یادگار باقی رہے اس لئے انہوں نے اقبال کو ایران آنے کی دعوت نہ دی ۔

افسوس کا مقام ہے کہ آج جب کہ انجمن روابط فرہنگی ایران و ہند اقبال کے احترام میں جشن منا رہی ہے یہ شاعر کئی سال ہوئے اس دنیا سے

نشہ بودند کہ روح و قلب پارسیان ہند از ایران است ولی سرمایہ های ایشان مربوط بہند و در ہند باقی خواہد ماند، رابندر ناتھ ٹیگور را بایران دعوت میکردند تا بہمراہی او دشنام و رسم مسانی و سر انجام سرمایہ پارسیان ہندوستان را بایران بیاورند صاحبان ابن کشور از فراموشکاری و بی اطلاعی دربار و مراکز حل امور بر خود می پیچیدند و میسوختند کہ چرا این پیغیران نباید بدانند در ہندوستان مردی زندگی میکند کہ بچہن دعوئی از ہر کم دیگر شایستہ تر است ۔

اما چون خدا نخواستہ بود از آن دستگاہ ستم خاطرہ خوشی در خاطر ہا

ابھی ہندوستان کے مشہور شاعر اقبال کی عمر کے چھیانوہوں میں اس کے
حسین کی وجہ سے دوسرا فضل و ادب کے گونے گونے میں خوشی
میں ہے کہ ناگہان اس کی موت کی اطلاع اس وقت کے سربراہ اور مغرب
میں اس کے دوستوں اور ارادمنوں کے ذہنوں کو دھماکا اور سوگوار بنا دیا۔

میں چند سال سے اس نام آور شخص کی ادبی شخصیت کا مطالعہ ہوں اور
میرے اور اقبال کے درمیان شانہ دوسی کا رشتہ مضبوط ہو چکا ہے۔ ایک
سال پہلے جب میں نے خارجی معائنہ کے اختتام پر (۹ جنوری ۱۹۳۸ء)
میں اقبال کے چھیانوہوں میں اس کی مناسب میں مصروفیت میں جس کی خبر
پڑھی تو میری آرزو تھی کہ اقبال کی ادبی خدمت کا حق ادا کروں اور
اقبال کے فارسی دیوانوں کے چند سالہ مطالعہ سے فائدہ اٹھانے ہوں اس خوشی
کے موقع پر ایک رسالہ کا مقالہ تحریر کر کے اپنے ہم وطنوں کی خدمت میں
پیش کر رہا ہوں جس شخصیت و حسن سانگی اقبال سخن سرا نامی ہندو
ایران سلسلہ جہان خستہ و شاد کامی دوسرا فضل و ادب اور دربار
سرگنی ہوں کہ ناگہان خبر ناگوار مرگ وی دلہای دوستداران و
ارادمنان برق و غرب را دھماکا و سوگوار ساخت۔

نگرندہ این سطور کہ از چند سال پیش بدینطرف دلباختہ و فریفتہ
آدمی ادبی این مرد نامی سیدہ و از این راہ پیوند دوستی غایبانہ ای از دو سو
اسوار گسہ بود یکماہ پیش بوسیہ روز نامہ های خارجی خبر خوش جس
ہی ۱۳۱۶ (۹ رانویہ ۱۹۳۸ء) ہندوستان را بافتحار شہت ششمین
سال زندگی او تنیدہ میخواست وام ادبی را کہ نسبت بہ اقبال عہدہ داراست
در این روز ہا ادا کردہ و نتیجہ مضامین را کہ در زمانی است در دیوان

امر کے پیش نظر کہ وہ ادبیات فارسی میں اقبال کے لئے بہت بلند مقام کا قائل ہے، ایک نمبر اس کے ذکر خیر اور حالات کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ امید ہے کہ ہماری اس مختصر سی خدمت کو اقبال کی ہاکہ روح قبول کریگی اور ایران اور ہند کے درمیان حقیقی روابط میں (جو سیاسی تغیرات سے بالاتر ہیں) استحکام کا درجہ بنے گی۔

ترجمان حقیقت

* ترجمان حقیقت، کے زیر عنوان اسی نمبر میں محیط لکھتے ہیں :-

در جہان نواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مردان جان سپردن زندگیت
(اگر دنیا میں مردوں کی طرح زندہ نہ رہ سکیں
نو مردوں کی طرح جان دے دینا ہی زندگی ہے)

وفیقی نے ہر ای اقبال در ادبیات فارسی فائل است شماره ای را بہ ذکر خیر و ترجمہ احوال آن مرحوم اختصاص میدہد .

امید واریجہ ان مختصر خدمت ما مورد قبول روح پاک اقبال قرار
گرفته و موجبات تنسید روابط حقیقی ادب ایران و ہند در خارج مرحلہ
تحولات سیاسی فراہم آید .

* در جہان نواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مردان جان سپردن زندگیت
(اقبال)

متعلق یہ مختصر شرح اسکے فارسی زبان دوستوں اور ہوا خواہوں کے سامنے پیش کرسکوں۔ لیکن میں اپنی قوت بیان کی نارسائی کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔ لسان الغیب حافظ صحیح فرماتے ہیں :-

کی شعر تر انگیزد خاطر کہ حزیں باشد
یک حرف ازین دفتر گفتیم و ہمیں باشد

اصل مطلب شروع کرنے سے پہلے شعر و ادب کے دوستوں کیطرف سے اقبال کے خاندان اور پسماندگان کی خدمت میں اظہار ہمدردی کرتا ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ جس طرح غالب و شبلی کی موت کے بعد ہندوستان میں فارسی شعر کو نئی زندگی دینے کے لئے اقبال کو پیدا کیا پھر اسکے خاندان سے یا ہندوستان کے دیگر فارسی دوستوں میں سے

کہ بانجام درخواست او راضی شدم و اکنون از روح پاک و اندیشہ تابناک اقبال عمت می طلبم تا مجملی از سر گذشت دورہ زندگی و مقام فضل و ادب وی را در این مختصر یہ محفر ہواخواہان و طرفداران فضل و ادب وی در کشور های فارسی زبان تقدیم نموده از نارسائی و کوتاہی سخن در این مقام پوزش می خواهم زیرا بگفتہٗ لسان الغیب حافظ شیرازی

کی شعر تر انگیزد خاطر کہ حزیں باشد
یک حرف ازین دفتر گفتیم و ہمیں باشد

پیش از آنک وارد اصل مطلب شویم از طرف عموم دوستان شعر و ادب یازماندگان و دودمان وی تسلیت گفتہ از خدا وند آرزو میکنیم چنانکہ نظر لطف وی پس از مرگ غالب و شبلی سخنوری همچون دکتر اقبال را برای احیای شعر فارسی در ہندوستان بر انگیخت بار دیگر بچشم مہربانی نگریستہ از

پیش کروں اور ان سے درخواست کروں اس شیریں زبان شاعر کے احرام میں اس ملک کے شعرا اور صاحبان فضل و ادب کی طرف سے اظہار تشکر کریں ، لیکن اس غم انگیز واقعہ سے یہ ساری تجویزیں دھری کی دھری رہ گئیں اور مجھے اس قدر رنج اور صدمہ ہوا کہ نہ میرے قلم میں یارائے تحریر نہ زبان کو بنارائے بیان تھا۔ میں نے خاموشی اور فراموشی کی راہ اختیار کی۔

ایک دن میرا ایک دوست جو میرے خیالات سے آشنا تھا میری ملاقات کو آیا اور اقبال اور اس کی تصنیفات پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ تم اس نامور شاعر کے حالات زندگی اور اس کے فضل و کمال اور تصنیفات پر کچھ لکھو یہ تمہارے لئے باعث تسلی ہوگا۔ اس دوست نے بہت اصرار کیا اور بالاخر میں نے اس کی تجویز قبول کر لی۔

میں اقبال کی پاک روح اور تابناک افکار سے مدد چاہتا ہوں تاکہ میں اسکی زندگی کے مختصر حالات اور اس کے فضل اور ادب کے

ہای فارسی او کردہ و صورت رسالہ یا مقالہ بیاد بود این شاد کاسی و دلخوشی بہ محضر علاقہ مندان آثار ادبی او در میهن گرامی تقدیم کند و از ایشان خواستار شود کہ بیاس احترام این شاعر شیرین زبان در این کشور نیز از طرف سخن سرایان و صاحبان فضل و ادب اظہار سپاسگذاری شود . حدوث این واقعہ غم انگیز چہان رشتہ این اندیشہ و نظائر آنرا از ہم گسیخت و چندان دل افردگی و پریشانی بار خاطر شد کہ دیگر خامہ را توانائی نگارش و زبانرا نیروی گذارشی نماند ، تسلیت خاطر را در خاموشی خود دید تا یکی از دوستان کہ بر آن عزم رہی آگہی داشت بدیدارم آمد و سخن از اقبال و آثار او در پیش آورد و دلجوئی مرا در خواہشی نگارش گزارش زندگانی آن سخنور نامور و نشر فضایل و اوصاف و آثار وی جست و چندان اصرار ورزید

روشن وتابندہ از نور تو شرق
سوختیم از گرمی آواز تو
ای خوش آقوسی کہ داند راز تو
از غم تو ملت ما آشنا است
می شناسیم این نواها از کجاست *

اس تمہید کے بعد محیط طباطبائی نے اقبال کی زندگی کے حالات اور اسکی تصنیفات پر مختصر نظر ڈالی ہے اور ہم اسکے مکمل ترجمہ یا اقتباس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ مگر اقبال کی زندگی کے حالات بیان کرنے سے پہلے محیط نے جو تمہیدی نوٹ لکھا ہے اسکو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

اقبال کی زندگی

تنم گلی ز خیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است
میرا بدن ایک پھول ہے جنت کشمیر کے خیابان سے
میرا دل حریم حجاز سے اور میری نوا شیراز سے ہے
مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ رمز آشنای روم و تبریز است
مجھے دیکھو کہ کیونکہ ہندوستان میں پھر نہیں دیکھ سکو گے
کہ ایک برہمن زادہ روم و تبریز کے اسرار سے آشنا ہے

* یہ اشعار جو حسب حال ہیں فاضل مقالہ نگار نے اسرار خودی، جاوید نامہ اور مسافر سے انتخاب کئے ہیں۔

کسی کو پیدا کرے تاکہ اس مقدس شعلہ کی روشنی جو مسعود سعد سلمان،
امیر خسرو، فیضی، غنی و بیدل کی یادگار ہے نزدیک و دور پھیلا سکے۔ میں
اپنی عقیدت و محبت کی پیشکش کو اقبال کے مندرجہ ذیل کے اشعار کے ذریعہ
جو اقبال کے ادبی لقب کی مانند ترجمان حقیقت ہیں پیش کرتا ہوں:۔

ای صبا ای بیک دور افتادگان
اشک ما برخاک پاک او رسان
ای صبا ای رہ نورد تیز گام
بر طواف مرقدش نرمک خرام
چونکہ در خواب است پا آہستہ نہ
غنچہ را آہستہ تر بکشا گرہ
خوش بگو ای نکتہ سنج خاوری
ای می زیدہ ترا حرف دری
محرّم رازیم باما راز گوئی
آنچہ میدانی ز ایران باز گوئی
ای بہ آغوش سحاب ما چو برق

دودمان اقبال یا دوستان دیگر فارسی زبان در ہند کسی را بر انگیزد تا
این شعلہ مقدس را کہ یادگار مسعود سعد سلمان و امیر خسرو و فیضی و
غنی و بیدل است در دست گرفته پرتو آن را بدور و نزدیک بفرستد۔

از خدا وند خواستارم کہ همچون حلقہ ارتباط ادبی در میان ایران و ہند پایدار
نگاہ دارد و مراتب علاقہ مندی خود را نسبت بفقید مزبور با این چند بیت
کہ همچون نام ادبی اقبال ترجمان حقیقت است از زبان خود او اظہا رمیکنم۔

اسلام کا مبلغ تھا، اسلام قبول کر لیا۔ اقبال کے خاندان کو گذشتہ دو سو سال میں اسلامی رسوم و آئین میں گہری دلچسپی اور دلچسپی رہی ہے۔ اسی مدت میں اس عارف اسلامی کی صوفیانہ روح اس خاندان کے افراد میں داخل ہو گئی اور تمام خاندان پر ہمیشہ صوفیانہ عرفان اثر انداز رہا ہے۔

اقبال کی تصنیفات

اقبال کی تصنیفات اور انکی شان نزول کے متعلق سب سے پہلے میدان محیط ہی نے اظہار نظر کیا ہے۔ چنانچہ ایک مختصر اقتباس ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جن سے محیط کی وسعت نظر اور اقبال سے ارادت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ابھی خود ہندوستان میں لوگوں نے اقبال کے نظریات اور خیالات کا درست جائزہ نہیں لیا تھا مگر یہ ایرانی ادیب اقبال کی طرز فکر اور اسکی نفسیاتی بیک گراؤنڈ (زمینہ) سے خوب آشنا تھا۔ حافظ کے ساتھ والہانہ عشق و عقیدت کے باوجود اقبال کی شدید تنقید کو (جو اسنے حافظ کے تصوف پر کی) محیط نہایت ٹھنڈے دل سے سنتے ہیں اور اقبال کے اصلی مقصد کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ مثنوی اسرار خودی کا پہلا ایڈیشن جس میں اقبال نے حافظ کے طرز تصوف

کیش اسلام بودہ قبول اسلام نمود و این خاندان در مدت دویت سال پیوستہ بہ آئین و رسوم اسلامی دلچسپی کامل داشتہ اند۔ درہمین سال روح تصوف آن داعی عارف در کالبد افراد این خاندان دمیدہ شدہ ہمگی روشی عرفانی و روحی صوفیانہ یافتہ اند۔

ز شعر دلکش اقبال میتوان دریافت
کہ درس فلسفہ میداد و عاشقی ورزید

اقبال کے دلکش اشعار سے ہم جان سکتے ہیں
کہ وہ فلسفے کا سبق دیتا ہے اور عشق بازی کرتا ہے

نہ شیخ شہر و نہ شاعر نہ خرقدہ پوش اقبال
فقیر راہ نشین است و دل غنی دارد

اقبال نہ شیخ شہر ہے نہ شاعر اور نہ خرقدہ پوش ہے
وہ فقط ایک فقیر راہ نشین ہے مگر اسکا دل غنی ہے

ان چار شعروں کا خلاصہ مطلب جو میں نے پیام ”مشرق“ کی فصل
”می باقی“ سے انتخاب کئے ہیں درحقیقت اسکی زندگی کا خلاصہ ہے۔
کیونکہ اقبال ایک قدیمی خاندان کا فرد ہے جس نے مدتوں کشمیر میں
زندگی بسر کی اور اسکی اجداد دو سو تیس سال قبل برہمن مذہب کے
پیرو تھے۔ اس خاندان کے افراد کا شمار مشہور پیشواؤں میں ہوتا تھا اور
ان میں سے اغلب کو ”پندت“، کا مذہبی درجہ حاصل تھا۔ پھر اقبال کے
بزرگوں میں سے ایک شخص نے کسی مسلمان عارف کے ہاتھ پر جو کشمیر میں

مفاد این چہار بیت کہ از غزلہای بخش ”می باقی“ دیوان،، پیام
مشرق،، اقبال برگزیدہ ایم درحقیقت خلاصہ تاریخ زندگی اوست۔ چہ
اقبال از یک خاندان قدیمی است کہ درکشمیر سالیان دراز میزیستہ اند و
نیاکان او تا دوست و سی سال پیش پیروکیش برہمنائی بودند افراد این
خاندان از پیشوایان مذہبی نامی بشمار می آمدہ و غالباً درجہ روحانی،، پندت،،
داستہ اند تا آنکہ یکی از نیاکان او بدست عارف مسلمان کہ در کشمیر داعی

نکال دئے ہیں۔ اور اسکے چوتھے ایڈیشن میں جو خود اقبال نے مجھے بھیجوا یا ہے وہ اشعار جن پر لوگوں کو اعتراض تھا، موجود نہیں۔ انہیں دنوں انگلستان کے عارف مشرب مستشرق نیکلسن نے مثنوی اسرار خودی کا انگریزی زبان میں نہایت اچھا ترجمہ کیا۔ اور بمع اپنے تنقیدی مقدمہ کے شائع کیا۔ اور اس ذریعہ سے اس نے یورپ اور امریکہ کی ادبی محافل سے اقبال کو آشنا کرایا۔ مغرب کے تنقید نگاروں نے اپنے ادبی رسالوں میں مقالات لکھے اور اقبال کا بھی اپنے ہم وطن ٹیگور کی مانند دنیا کے نامور شعرا میں شمار ہونے لگا۔

دیوان (پیام مشرق) اقبال کو زبان فارسی کے ایک کامل شاعر کی حیثیت سے پیش کرتا ہے کیونکہ اس مجموعہ اشعار میں شعر فارسی کی مختلف اقسام یعنی غزل، دوبیتی، رباعی، مثنوی، سرود، قطعہ کو اسنے سال ۱۹۱۸ مثنوی رموزی خودی را کہ از حیث نام ضد کتاب اول بنظر میآید ولی در حقیقت مفسر و مبین همان نظریہ است بفارسی انتشار داد۔ در چاپہای جدید اسرار خودی برخی از بیتہای آنرا حذف کرد چنانکہ در چاپ چہارم کہ خود بنام بندہ دستخط نمود و فرستادہ است اثری از آن ابیات نیست۔

در این ایام نیکلسون خاور شناس عارف مشرب انگلیسی ترجمہ شیوائی از اسرار خودی با مقدمہ انتقادی بزبان انگلیسی انتشار داد و اقبال را در محافل ادبی اروپا و امریکا نامور و سرشناس ساخت۔ ناقدین غربی در مجلہ های ادبی و روز نامہ ها بانتقاد او خامہ گشودند در نتیجہ اقبال نیز مانند تاگور هموطن خود سخنور جهانی بشمار آمد۔

انتشار این دیوان (پیام مشرق) اقبال را یک شاعر کامل فارسی

۱۹۱۶ء میں مثنوی اسرار خودی چھپ گئی اور ہندوستان کے عمومی اسلامی ماحول میں اسکا عجیب اثر ہوا۔ اسکا اقبال کی سابق ہر دل عزیزی پر اثر پڑا کیونکہ اس مثنوی میں اقبال نے بے جان عرفان، بے نور اور راکد تصوف پر حملہ کیا تھا۔ اور حتیٰ کہ تمام شعرا پر جنہوں نے اس قسم کے اشعار کہے ہیں اعراض کیا تھا۔

اقبال نے باوجود مخالفین کے شور و غوغا کے میدان مبارزہ سے قدم پیچھے نہ ہٹایا اور ۱۹۱۸ء میں مثنوی، رموز بیخودی، (جو نام کے لحاظ سے پہلی کتاب کا جواب مخالف معلوم دیتی ہے) شایع کی لیکن درحقیقت یہ مثنوی بھی اسکے پہلے نظریات کی تائید و تفسیر میں ہے۔

بہر حال مثنوی اسرار خودی کے جدید ایڈیشن میں اسنے بعض اشعار

اقبال دیگر باور نداشت کہ یک وحدت سیاسی و فرمانروائی بتوان در این کشور های دور از ہم افتاده ایجاد کرد بلکه عقیدہ پیدا کرد کہ مردم ہر یک از این کشور ها باید تنها بر ای تحصیل استقلال و عظمت خود بکوشند۔ هنوز آتش جنگ خاموش نشدہ بلکہ سر نوشت آن ہم معلوم نبود کہ مثنوی اسرار خودی بزبان فارسی انتشار یافت (۱۹۱۶ء) این مثنوی در میان تودہ های انبوه مسلمان ہند تاثیر غریبی بخشید و اقبال را پس از یکدورہ طولانی محبوبیت عمومی از نظر ها افکند زیرا در آن مثنوی بعرفان سست و تصوف راکد و خاموش تافتہ بود و حتی از کلبہ سخنورانی کہ در این بابت سخن سرودہ بود خردہ ها گرفته اندیشہ های ہر یک را مورد انتقاد قرار دادہ بود۔

اقبال باوجود ہیاہوی مدعیان از میدان مبارزہ فکری بیرون نرفت و در

اجتماعی میں جتنی دلچسپی ہے اتنی ہی اسکو اپنی زاد و بوم کے مسائل سے ہے۔ اقبال کے کلام میں ہر جگہ اسکا اسلامی ممالک سے عشق ہویدا ہے۔ لیکن ایران اور افغانستان کے لوگوں سے وہ غیر معمولی دلچسپی کا اظہار کرتا ہے۔

اقبال نے پیام مشرق میں اپنی اس باطنی محبت کے چہرہ سے پردہ اٹھادیا ہے۔ اور جاوید نامہ میں بھی اس نے اپنے آپ کو ایران اور افغانستان کا حقیقی دوست، ظاہر کیا ہے لیکن ایران و افغانستان سے طرفداری اسکے نسلی تعصب کی وجہ سے نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان دو مسلمان قوموں کو ہمسایگی اور فرہنگ و زبان کی نزدیکی کے باعث اپنے نزدیک تو گردانتا ہے اور ان سے عشق کا اظہار کرتا ہے۔

اقبال افغانستان، ایران اور ہندوستان کے لوگوں کو ان ریشہ دوانیوں کے

کمر از علاقہ ای نیست کہ نسبت بزاد و بوم اصلی خود دارد .

در شعر اقبال آثار تمایل شدید او نسبت بکلیہ ممالک و ملل مسلمان جہان ہمہ جا نمودار ولی آنچہ بیشتر پدیدار است محبت زایدا لوصفی است کہ بدولت افغان و ایران اظہار میکند .

اقبال دردیوان پیام مشرق پردہ از این مہر درونی بر داشتہ و در کتاب جاوید نامہ خود را یک ایران پرست و افغان دوست حقیقی معرفی میکند . ولی این تظاہر بطرفداری از ایران و افغانستان مربوط بمسالہ تعصب نژادی و ملاحظات تاریخی نیست بلکہ این دو ملت را چون از برادران اسلامی دیگر از حیث مکان و فرہنگ و زبان بخود نزدیکتر مینگرد با آنها بیشتر نزد محبت میبازد و خود میگوید :-

فارسی زبان کے لوگوں کے مطالعہ کے لئے پیش کیا ہے۔

اقبال کی شہرت آہستہ آہستہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئی اور ۱۹۳۱ء میں اسے انجمن اسلامی فلسطین میں شرکت کے لئے دعوت دی گئی اور اسلامی نمائندوں نے اسکو سب سے پہلی صف میں جگہ دی کیونکہ ادبی اور دینی شہرت کے پہلو پہلو اسکو قومی اور سیاسی شہرت بھی حاصل تھی۔ اور یہ امتیاز دیگر اعضاء انجمن میں سے کسی کو حاصل نہ تھا۔

اقبال و ایران

اس عنوان کے تحت محیط لکھتے ہیں:-

* ،، اقبال سب سے پہلے ایک مسلمان ہے دوسرے درجہ پر ہندی اور تیسرے درجہ پر ایرانی ہے۔ اسکو ایرانی تاریخ ، زبان ، فلسفہ اور اوضاع زبان معرفی کردہ زیر در این مجموعه اقسام گونا گون سخن را از غزل، دو بیتی رباعی ، مثنوی ، سرود ، قطعہ بمعرض مطالعہ فارسی زبانان قرار داد ۔

شہرت اقبال کم کم در سراسر کشور های اسلامی گوشزد عام و خاص شدہ چنانکہ در سال ۱۹۳۱ء برای شرکت در انجمن مسلمانان بفلسطین دعوت شد و نمایندگن اسلامی اور ادر ردیف اول جای دادند زیرا اقبال اہمیت ادبی و دینی را با شہرت ملی و سیاسی توأم داشت۔ این فضیلتی بود کہ او را از ہمہ اعضای دیگر امتیازی می داد ۔

* ،، اقبال در درجہ اول مسلمان و در مرتبہ دوم ہندی و درجہ سوم ایرانی است۔ علاقہ او بتاریخ زبان، فلسفہ، سیاست و اوضاع اجتماعی ایران

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

خطرہ سے آگاہ کرتا ہے جنکی اسکیمیں جامع اسلامی کو درہم برہم کرنے کی
غرض سے یورپ میں بنائی جاتی ہیں -

اگرچہ بھلوی کے زمانے کی سوشل تبدیلیاں اس کے عرفانی مذاق کے
موافق نہیں تھیں اور ایران کے حالات کو تنقید اور مایوسی کی نگاہ سے

توای کودک منش خود را ادب کن
مسلمان زاده ای ترک نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست
اگر نازد عرب ترک عرب کن
نہ افغانیم و نی ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پرورده یک نو بہاریم
هنوز از بند آب و گل نہ رستی
تو گوئی رومی و افغانیم من
من اول آدم بی رنگ و بویم
از آن پس ہندی و تورا نیم من

باز میگوید :

اگرچہ زاده ہندم فروغ چشم من است
ز خاک پاک بخارا و کابل تبریز
تنم گلی ز خیابان جنت کشمیر
دل از حریم حجاز و نوا ز شیراز است

اقبال ہمیشہ مردم افغان و ہند و ایران را از دسائیس اجتماعی کہ برای برہم
زدن جامہ اسلامی در اروپا طرح شدہ و در کشور های ایران و ترکیہ و

دیکھتا ہے لیکن رومی کی راہنمائی کے سبب اسکو ایرانی روحانیت سے اسقدر معنوی عشق تھا کہ خود ایران میں کسی روشن فکر ایرانی کو بھی نہ ہوگا۔

اقبال ہندوستان کی سر زمین میں پیدا ہوا لیکن اسکی ذہنی ترقی و پرورش ایرانی زبان اور افکار کی آغوش میں ہوئی۔ اگرچہ بظاہر وہ لاہور کی خاک میں مدفون ہے اسکا اصلی مزار اہل دل کے سینوں میں ہے جو اسکے سات فارسی دیوانوں میں اسکی ابدی ادبی زندگی کو مشاہدہ کرتے ہیں

ہند تطبیق میشود حذر میداد (و در جاوید نامہ کہ بر ہبری جلال الدین رومی تا بہشت و دوزخ و سفر کردہ و در فردوس اعلیٰ نادر شاہ و سید جمال الدین و سعید حلیم پاشا را دیدہ از زبان آنها شکوہ ہا میگوید و براین حس تحقیری کہ نسبت باوضاع اجتماعی دیربنہ کشور ہا در این سر زمینہا بوجود آمدہ نوحہ و نذہہ میکند)۔ ہر چند تحولات اجتماعی دورہ پہلوی چندان بمذاق عرفانی او خوش نمی آمدو اوضاع ایران را از دیدہ انتقاد و یاس مینگریست اما بارشاد روح پر فتوح مولوی ہموارہ انس و الفت معنوی او با روحیات ایرانی بیش از آنحدی بود کہ حتی در یکنفر ایرانی روشن فکر وجود داشتہ است۔

اقبال در سر زمین ہندوستان بدنیآ آمد ولی در آغوش و زبان و اندیشہ ایران رشد پیدا کرد و بیش از آنچہ بزبان اردو نسبت وطن خود خدمت نمودہ خدمتگزار زبان و ادب فارسی و دوستدار ایران و ایرانی محسوب میشود۔ اگرچہ بظاہر امروز در لاہور سر بخاک ہند فرو بردہ ولی مزار حقیقی او در قلوب مردم صاحبذلی است کہ از خلال دیوان های ہفتگانہ ادامہ حیات ہدی و ادبی او را مشاہدہ میکند :

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما



علامہ دھندرا



سید تقی زاده



و اگر کوئی شخص آج کی فارسی نظم و نثر سے مانوس ہو اور اس نے نظم و نثر کے بنیادی قواعد حافظ اور سعدی کے کلام سے اخذ کئے ہوں اور نثر کا اسٹائل قائم مقام اور اس کے پیروؤں سے سیکھا ہو تو جب وہ اقبال کے کلام کو مطالعہ اور تنقید کی نگاہ سے دیکھے گا تو اسکو اس میں کسی حد تک غیر مانوس تعبیرات اور ابہام مضمون اور تعقید لفظی و معنوی نظر آئیگی اور وہ سمجھے گا کہ شعر کہنے کا یہ اسلوب بیان شاعر کے زبان فارسی پر پورا پورا تسلط نہ ہونیکا نتیجہ ہے اور وہ خیال کریگا کہ اگر اقبال چند سال ایران کے ماحول میں رہتا اور آج کل کی عمومی زبان سے مانوس ہو جاتا تو یہ بیگانگی اور تعقید بیان اسکے کلام سے جاتی رہتی - لیکن میں عرض کروں گا کہ یہی شعر جو ایک ایرانی تنقید نڈر کی نگاہ میں تعقید سے خالی نہیں اسی موجودہ زمانے میں بھی دریای سیحون کے ساحل

کسی کہ انس دائمی با شعر و نثر فارسی امروز داشته و قواعد اساسی نظم و نثر را از کلام حافظ و سعدی فرا گرفته و روش نثر را از قائم مقام و پیروان سبک او آموخته باشد وقتی سخن اقبال را از نظر تتبع و انتقاد بنگرد آثار غرابت تعبیر و ابہام و مضمون و تعقید لفظی و معنوی را در آن فراوان می بیند و چنان میپندارد کہ این اختلاف اسلوب سخنرانی در نتیجہ عدم تسلط شاعر بر زبان فارسی بودہ و گمان میکند کہ اگر اقبال چند سالی را در محیط ایران زندگی میکرد و با زبان تکلم امروز مردم کشور ما انس می یافت بیشک این آثار غرابت و تعقید از زبان او زایل میشد.

اما ہمین سخن کہ بنظر ناقد ایرانی خالی از تعقید نمی آید در ہمین عصر در خاور فلات ایران از کنار سیحون تا ساحل گنگ ہمہ جا مطبوع طبع

شعر اقبال

اس عنوان کے تحت میں محیط فارسی شاعری پر سیر حاصل تبصرہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: —

*اقبال نے اردو اور فارسی دو زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ اسوقت اسکے سات فارسی کے اور دو اردو کے دیوان ہمارے پاس موجود ہیں جنہیں سے اغلب کئی بار چھپ چکے ہیں۔ چونکہ ہم زبان اردو کے اصول فصاحت سے آشنا نہیں اسلئے اس کے اردو شعر کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن فارسی زبان کے متعلق اسکی تقلید و مطالعہ پر اظہار نظر کرنا آسان ہے۔ اقبال نے ان سات فارسی دیوانوں میں شعر فارسی کے مختلف اقسام مثلاً مثنوی، دوبیتی، غزل، قطعہ، سرود اور رباعی پر طبع آزمائی کی ہے اور معنی اور مضمون کے لحاظ سے ہر ایک میں دلکش اور لطیف تعبیرات کے ذریعہ اپنا مقصود بیان کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔

*،،اقبال بدو زبان فارسی و اردو شعر سرودہ چنانکہ امروز ہفت دیوان فارسی و دو دیوان اردو از او در دست داریم کہ برخی از آنها تاکنون چند مرتبہ بچاپ رسیدہ است۔

برای ما وقوف بر کیفیت سخن اردوی او غیر ممکن است زیرا از اصول فصاحت اردو اطلاعی نداریم۔

اما در زبان فارسی او برای ما مجال تتبع و اظہار نظر بیشتر است اقبال در این ہفت دیوان خود باقسام سخن فارسی از مثنوی و دوبیتی و غزل و قطعہ و سرود و رباعی طبع آزمائی کردہ و از حیث معنی و مضمون در ہر نوبتی بخوبی از عہدہ بیان مقصود با تعبیرات دلکش و لطیف بر آمدہ است۔

بلاغت کے ان اصولوں پر مبنی ہیں جو فیضی، قدسی، صائب، بیدل، شوکت، غنی اور غالب کے کلام میں محفوظ ہیں۔

ہندوستان کے فارسی سخن شناسوں نے ان خاص الفاظ اور اصطلاحات کو (جو اب ایران میں متروک ہو گئی ہیں لیکن ہندوستان، افغانستان، تاجکستان، بخارا اور سمرقند میں گذشتہ صدیوں سے باقی اور رائج ہیں) اپنی لغات کی کتابوں میں جمع کیا ہے اور ضرورت کے وقت سبک ہندی کے شعرا کے کلام سے بطور سند کے پیش کرتے ہیں۔ کئی بار اس ملک کی ادبی محافل میں اس قسم کی تعبیرات پر اعتراض کیا گیا لیکن شاعر یا ادیب نے صائب، کلیم، نظیری اور عرفی کے کلام سے سابقہ استعمال ثابت کر کے اپنے آپ کو اعتراض سے بری کیا ہے۔

بر اصول بلاغت دیرینہ ایست کہ در سخن فیضی و قدسی و صائب و بیدل و شوکت و غنی و غالب محفوظ مانده است .

سخن شناسان فارسی زبان ہندوستان این تعبیرات مخصوصی را کہ امروز در ایران مہجور متروک گشتہ ولی در ہندوستان و افغانستان و تاجکستان و بخارا و سمرقند از قرون گذشتہ باقی و متداول مانده در کتب فرہنگ خویش جمع آوری کردہ در ہنگام ضرورت باشعار گویندگان بزرگ سبک ہندی غالباً استشہاد میجویند .

بسا اتفاق افتادہ کہ در مجالس ادبی آنکشور بر اینگونہ تعبیرات ایرادات وارد شدہ ولی گویندہ ادیب باتکا سابقہ استعمال صائب و کلیم و نظیری عرفی خود را از ورطہ انتقاد نجات بخشیدہ است .

سے لے کر گنگا تک تمام جگہ ترکستان، افغانستان اور ہندوستان کے سخن
سنجوں کی نظر میں پسندیدہ ہے اور اقبال کے بدیع اشعار ان ممالک کے
لوگوں کے لئے شہد و شکر سے شیریں تر ثابت ہو رہے ہیں۔

یاد رہے کہ فارسی زبانوں کا ایک وہ گروہ ہے جنہوں نے فارسی
زبان کو دیوان بیدل صائب، کلیم، طالب، عرفی وغیرہ نے حاصل کیا ہے۔
اور یہ لوگ عہد صفوی کے بڑے بڑے شعرا کو (جنکا اسٹائل ہندی
اسٹائل کے نام سے معروف ہے) اسی احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس
سے ہم سعدی، حافظ، عراقی اسٹائل کے دیگر شعرا کو احترام اور حیرت کی
نگاہ سے دیکھتے ہیں *

یہ تعبیرات (الفاظ اور اصطلاحات) جو ایرانی قارئین کو اقبال کے
بیان کی کمزوری یا ابہام مضمون یا اسٹائل کا نیا پن معلوم ہوتا ہے پرانے

سخن شناسان ترکستان و افغانستان و ہندوستان است و گفته های بدیع
اقبال در کام جان مردم این کشور ہا شیرین تر از شہد و شکر اتفاق
می افتد ۔

اما این دستہ از فارسی زبانان جہان کسانی ہستند کہ اساس سخن
فارسی را از روی دیوان بیدل و صائب و کلیم و طالب و عرفی فرا گرفته اند و
آثار بزرگان عہد صفوی را کہ پیشوایان سبک معروف بہندی ہستند باہمان
نظر دقت و احترامی مینگرند کہ نوشتہ ہا و گفته های سعدی و حافظ و
سخنواران عراقی دیگر را ما بنظر اعجاب و احترام مشاہدہ می کنیم ۔

این تعبیرات جدیدی کہ در گفتار اقبال خوانندہ ایرانی را متوجہ
ضعف تالیف و یا ابہام مضمون و با تازگی سبک می سازد ہمہ مبتنی

اور ان دو ملکوں کا دیرینہ ادبی رشتہ قطع ہو گیا۔ اور وہ لوگ جو آزادی سے ہندوستان یا ایران کے درباروں میں آتے جاتے تھے اور وہاں شہرت اور جاہ جلال حاصل کر سکتے تھے مجبور ہو گئے کہ دو ملکوں میں سے ایک کو اپنے دائمی گھر کے طور پر انتخاب کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرو سخن گوئی کا رشتہ جو کئی صدیوں سے دونوں ملکوں کو آپس میں ملائے ہوئے تھا ٹوٹ گیا۔ ہندوستانی شعرا عہد صفوی کے شعرا کی طرز اور اسلوب بیان کی پیروی میں صائب، بیدل، فیضی، کلیم اور قدسی کا تتبع اور تقلید کرتے رہے۔ لیکن اس کے برعکس گذشتہ دو سو سال میں

کشور قطع شد و کسانی کہ آزادانہ میتوا نستند در دربار ہند و دربار ایران ہر دو از راہ سخنوری کسب شہرت و جاہ و جلال کنند ناگزیر شدند کہ در یکی از دو کشور رخت اقامت دائمی بیفکنند۔ و در نتیجہ این انفصال رشتہ ارتباطی کہ سیاق سخنگوئی سخنوران ہند و ایران را در مدت چند صدہ بیکدیگر پیوستہ بود از ہم گست۔ بدین طریق کہ سخنوران ہند دنبال همان روش و اسلوب عہد صفوی را گرفتہ و صائب و بیدل و فیضی و کلیم و قدسی را تتبع و تقلید کردند در صورتی کہ شعرا دویست سال اخیر ایران دیگر در

۱۔ یہ مقالہ اسوقت لکھا گیا جب ابھی تک اقبال کے اسٹائل اور اسکے تتبع کا ایرانیوں نے دقیق مطالعہ نہیں کیا تھا اس اقتباس سے ظاہر ہے کہ بہت سے ایرانی اقبال کے کلام کو نا مانوس سمجھتے تھے محیط نے یہاں اقبال کے اسٹائل کو سبک ہندی سے مشابہ قرار دیا ہے استاد سعید نفیسی اور ڈاکٹر خطیبی کے مقالات ملاحظہ ہوں جسمیں انھوں نے اقبال کے متعلق جدید ترین نظریات بیان کئے ہیں۔ محیط کی اقبال سے عقیدت اور اور اسکا دفاع قابل تعریف ہے۔

غلام علی بلگرامی اور سراج الدین آرزو نے اپنی تصنیفات میں اس قسم کے مباحثوں اور جھگڑوں کی طرف اکثر اشارہ کیا ہے۔

ایران کے مشرق اور مغربی علاقوں میں ان الفاظ و لغات کے استعمال میں اختلاف کی کیا وجہ ہے؟ عصر حاضر کے نکتہ سنجوں کا خیال ہے کہ چونکہ ہند اور ایران کے فارسی زبانوں کے درمیان براہ راست ارتباط منقطع ہو گیا تھا اور اس سر زمین کے شعرا نے زبان کو محض کتابوں سے سیکھا تھا، بعض اوقات فارسی زبان کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے اردو زبان کے مطالب و معانی انکے پیش نظر ہوتے تھے اس لئے ایران اور ہند کے طرز بیان میں یہ فرق وجود میں آگیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دو سو سال سے اس طرف زبان فارسی میں بنیادی تبدیلیاں وجود میں آئی ہیں۔

نادر شاہ کی موت کے بعد ہند کے اوضاع میں گڑبڑ پیدا ہو گئی

غلام علی آزاد بلگرامی و سراج الدین آرزو در آثار ادبی خود باینگونه مباحثات و مناقشات ادبی غالباً اشارہ کردہ اند

علت این اختلاف تعبیر و تفاوت استعمال لغات در خاور و باختر فلات ایران چیست؟ برخی از نکتہ سنجان حاضر چنین تصور میکنند کہ چون ارتباط مستقیم بین فارسی زبانان و ہند و ایران قطع شدہ و گویندگان آن سر زمین زبان فارسی را از روی کتب آموختہ و در استعمال لغات فارسی بیشتر بمعانی انتقالی از زبان اردو بفارسی توجہ میکنند بدین سبب چنین تفاوتی در سیاق گفتار فارسی ایران و ہند تولید شدہ است۔

اما حقیقت امر اینست کہ زبان فارسی در ایران از دویست سال پیش بدینطرف دچار دو تحول اساسی شدہ است۔ نخست پس از مرگ نادر و بروز ہرج و مرج در ہند و ایران رشتہ ارتباط ادبی دیرینہ بین دو

دوسری بات یہ ہے کہ یورپ کی زبانوں سے فارسی میں ترجمہ ہونے لگے اور معاصر شعرا کی خارجی زبانوں سے آشنائی نے انکے طرز بیان اور اسلوب کلام پر اثر ڈال کر مسمیں نئی تبدیلی پیدا کر دی۔ ہندوستان کے فارسی زبان شعرا کو اس واقع سے بہرہ مند ہونے کا موقعہ نہیں ملا۔

شعرا معاصر ایران اور ہندوستان کے مشہور شعرا کے طرز بیان میں تفاوت کے یہ ہی دو سبب ہیں۔

وحید دستگردی مرحوم مدیر مجلہ ادبی ارغوان (جو خود ملک کے مشہور شاعروں میں سے تھے) اس تفاوت طرز بیان کو ہند کے شعرا کے کلام میں نقص تصور کرتے تھے اور اقبال کے متعلق گفتگو میں ایک دن مجھ سے بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ابہام مضمون اور تعبیرات نامانوس جو ہمیں بہت نا پسند معلوم ہونی ہیں ہندوستان کے شعرا کی

نکتہ دوم آنکہ رواج بازار ترجمہ از زبان های اروپائی بفارسی و آشنائی غالب نویسندگان و گویندگان معاصر با یکی از زبان های بیگانه در چگونگی بیان اسلوب کلام ایشان تحول جدیدی تولید کرده کہ سخنوران فارسی زبان ہند را آن از نصیبی نیست .

این دو عامل مختلف سبب ایجاد تفاوت در بین روش گفتار سخنوران معاصر ایران و گویندگان بنام ہندوستان شدہ است .

مرحوم وحید دستگردی مدیر مجلہ ادبی ارغوان کہ خود از شعرای بنام کشور بود این پیش آمد را بر ای سخنوران ہند تقیصہ ای میدانست و راجع بشعر اقبال روزی با نگرندہ مناقشہ میکرد و مینداشت کہ این ابہام مضمون و تعبیرات نامانوس فارسی کہ بنظر ما بسیار بعید و نامطبوع میآید

ایرانی شعرا نے عہد صفوی اور ہندی طرز کی شاعری کو چھوڑ دیا۔ اور کریم خاں زند کے زمانے سے تو اصفہان کے شعرا نے سبک ہندی کے خلاف تحریک شروع کردی اور شعرا کی توجہ شعرائے قبل از عہد مغول کی طرف مبذول ہو گئی۔

ہاتف، آذر و مشتاق، عاشق اور رفیق نے کھلم کھلا سبک ہندی کی مخالفت شروع کر دی۔ اسکے بعد نشاط، مجمر اور صبا اس مخالفت کو اصفہان سے طہران میں لے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قاجاریہ دورہ کے شاعر دورہ صفوی کے شعرا کو چھوڑ کر متقدمین اور متوسطین کی پیروی کرنے لگے۔ قاجاریہ دورہ کے شعرا عہد سامانی، عہد غزنوی، سلجوقی کو تقلید و تتبع کی بنیاد قرار دیکر فرخی، عنصری مسعود و سنائی کی پیروی دورہ کرنے لگے۔

تتبع آثار عہد صفوی و پیروی از سبک ہندی گامی ننہادہ اند بلکہ از دورہ کریم خان نہضتی بر ضد سیاق سخن ہندی در بین سخنوران اصفہان آغاز شدہ و سخنسرایان باآثار عصر قبل از مغول التفات پیدا نمودند۔

ہاتف و آذر و مشتاق و عاشق و رفیق با سبک سخن ہندی علنا مخالفت ورزیدہ و نشاط و مجمر و صبا کنون این اختلاف را از اصفہان بہتران منتقل ساختند۔ چنانکہ سخنوران دورہ قاجاریہ یکبارہ از اقتضای سخنوران صفوی ببعد چشم پوشیدہ و در صدد تتبع کلام متقدمین و متوسطین بر آمدند۔

شعرائے دورہ قاجاریہ اسلوب فارسی سخنوران عہد سامانی و غزنوی و سلجوقی را اساس تتبع قرار دادہ طبع خویش را بتقلید از فرخی و عنصری و مسعود و سنائی وادار کردند۔

طریقہ کا مطالعہ کرے، تو وہ دیکھے گا کہ اقبال کا شعر اسی دلکش ادبی بوستان سے مربوط ہے جسکا ہمارے دل اور ہماری زبان سے پیوند اس غدار زمانے نے کاٹ دیا ہے۔

جب انسان بیدل اور صائب کے دیوان کے مطالعہ کے بعد اقبال کے کلام کو پڑھے تو اسکے اشعار میں کسی قسم کی بیگانگی اور ابہام احساس نہیں کرتا۔ ایک بڑی خوبی جو اقبال کو اس سبک کے پیش قدم شعرا سے ممتاز کرتی ہے مضمون کی باریکی، اسکی معلومات کی وسعت اور بلند حقائق کا ادراک ہے جو زمانے کی عمومی تعلیمی ترقی سے مربوط ہے۔

اقبال چاہتا ہے کہ عصر حاضر کے متعلق اپنی اجتماعی اور فلسفی معلومات زبان فارسی کے اسی پرانے اسلوب بیان کے ذریعے ایران اور جزیرہ نمائے ہندوستان کے لوگوں تک پہنچائے۔

ورزد، معلوم میشود سخن اقبال از همان بوستان دلکش ادبی است کہ متأسفانہ دست روزگار غدار پیوند الفت آنرا با دل و زبان و ما بریدہ است۔

انسان وقتی از مطالعہ دیوان بیدل و صائب بمطالعہ آثار منظوم دکتر محمد اقبال بگراید در سخن این شاعر هیچگونہ غرابت لفظ و ابہام معنی نمی بیند و تنها صفت بارزی کہ اقبال را از پیشقدمان این سبک ممتاز میسازد دقت مضمون و وسعت اطلاع و ادراک معانی بلند متناسب با پیشرفت فرہنگ عمومی عصر او میباشد۔

اقبال میخواہد حاصل معلومات اجتماعی و فلسفی عصر حاضر را با همان اسلوب معہود از راہ زبان فارسی بمردم فلات ایران شبہہ جزیرہ ہندوستان انتقال دہد۔

صحت کلام کی طرف بے توجہی یا بے خبری کا نتیجہ ہیں۔ اور انکو بالکل غلط تصور کرنا چاہئے۔

دوسری طرف مرحوم دستگردی جب اسی قسم کی تعبیرات اور مبہم معانی کو نظامی، خاقانی، یا امیر خسرو یا حسن کے کلام میں دیکھ پاتے تو ان شعرا کی مسلم استادی اور حد ادب کا لحاظ کرتے ہوئے کوشش کرتے تھے کہ انکا ابہام وغیرہ تشریح کر کے دور کر دیں۔

جب کوئی اہل مطالعہ شخص فارسی کلام کے رشتہ کو حکیم نظامی اور خاقانی کے زمانے سے امیر خسرو اور حسن دہلوی سے ملائے اور پھر جامی اور طاہر دکنی سے ملا کر اسی رشتہ کو طالب، کلیم، مسیحا، قدسی، صائب اور فیضی کی طرف کھینچ لائے اور پھر حزیں، بیدل و غنی و غالب سے ملا کر فصاحت و بلاغت اور کیفیت الفاظ اور مضمون بیان کرنے کے

نتیجہ عدم انس و توجہ بصحت کلام فارسی و بعبارت دیگر حاصل بی اطلاعی گویندگان ہند است و سراسر غلط بشمار میآید۔

در صورتی کہ همان مرحوم وقتی در گفتار نظامی و خاقانی یا امیر خسرو و حسن نظیر این تعبیرات نا مانوس و معانی مبہم را مییافت باعتبار استادی گویندگان حد ادب را نگاہداشتہ بتفسیر و رفع ابہام آنها ہمت میگماشت۔
اما وقتی شخص متتبع رشتہ کلام فارسی را از روزگار حکیم نظامی و خاقانی بعہد امیر خسرو و حسن دہلوی اتصال دہد و سپس با گفتار جامی و طاہر دکنی مربوط سازد و ہمین رشتہ را تا طالب و کلیم و مسیحا و قدسی و صائب و فیضی کشیدہ بآثار حزیں و بیدل و غنی و غالب پیوندد و در میان فصاحت و بلاغت و کیفیت استعمال لغات و بکار بردن مضامین آنها استقصا

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

میں گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں اقبال کے کلام سے آشنائی کے بعد بتدریج اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ سالہا اس طرز بیان کے مخالفین سے میرا بحث و مباحثہ رہا لیکن آج میں دیکھتا ہوں کہ موجودہ سیاسی اور ادبی تحولات کی وجہ سے میرے نظریات ان لوگوں نے قبول کر لئے ہیں جو پانچ سال پہلے ان کو سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

اہل ایران کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں میں ہمارے ملک کو ہماری زبان اور ہمارے تمدن کو بہت بلند مرتبہ حاصل ہے۔ ملت ایران نے بھی اقبال کی تکریم اور تجلیل کر کے ہندوستان کے لوگوں پر ثابت کر دیا ہے کہ ہماری پرانی دوستی کو غیر ادبی ریشہ دوانیاں منحرف نہیں کر سکتیں۔

**
*

این نظری است کہ نگارند سطور از بیست سال پیش کہ با سخن اقبال آشنا شد متدرجا دریافت و پس از آنکہ سالہا با مناقشہ و معارضہ مخالفین آن اسلوب در تہران مواجہ میشد . امروز مینگرد در نتیجہٴ ترکیب عوامل سیاسی و ادبی مورد قبول کسانی قرار گرفته کہ تا پنج سال پیش برای شنیدن چنین موضوع گوش شنوائی نداشتند .

اقبال اور سعید نفیسی

پروفیسر سعید نفیسی ایران کے ان چند مایہ ناز علماء و فضلاء میں سے ہیں جن کو فارسی اور عربی کے علاوہ فرانسیسی اور روسی زبان پر پورا پورا تسلط ہے اور جدید یورپین ادبیات و علوم سے اچھی طرح آشنا ہیں۔ نفیسی کی وسعت مطالعہ کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مختلف صنف کے موضوعات اور ادبی شعبوں کے متعلق قلم فرسائی کی ہے اور اب تک ان کی تألیفات اور تصنیفات کی تعداد ۱۳۰ تک پہنچ چکی ہے۔

جیسا کہ مقدمہ میں ذکر کیا جا چکا ہے علامہ اقبال کی نفیسی سے خط و کتابت بھی رہی ہے۔ ذیل میں سعید نفیسی کی تحریروں اور تقریروں سے کچھ اقتباس نقل کئے جاتے ہیں۔ سعید نفیسی اپنے ایک مقالہ میں فرماتے ہیں۔

* ”اقبال ہندوستان کے دوسرے فارسی گو شاعروں کی نسبت ایران سے بہت زیادہ تعلق رکھتا ہے اور اس ملک سے اثر پذیر ہوا ہے۔ بعض معاصرین نے اقبال کے فارسی شعر پر بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اقبال اس اسٹائل کا جو ہندی طرز کے نام سے مشہور ہے (اور جس کو ادبی اصطلاح میں امپریشن ازم (Impressionism) کہنا بہتر ہوگا) کا آخری

متن فارسی یہ ہے

* اقبال قطعاً خلیلی بیش از شاعران فارسی زبان دیگر ہندوستان یا ایران مربوط است و از ایران ملہم شدہ است۔ برخی از معاصران کہ درباره شعر فارسی اقبال بحث کردہ اند گفتہ اند کہ وی آخرین شاعر بزرگ سبک معروف بہندوستانی یا باصطلاح ادبی امپر سیو نیسم است۔

استاد سعید نفیسی بر سزار اقبال (۱۹۵۶)



اپنی مثنوی اسرار خودی اور اس کے بعد مثنوی رموز بے خودی لکھی -
اقبال نے خود اس کے متعلق کئی اشارے کئے ہیں - اسرار خودی کے مقدمہ
میں کہا ہے ۱

پارسی از رفعت اندیشہ ام
در خورد با فطرت اندیشہ ام ۱

بعد میں مولانا جلال الدین اور شمس تبریزی کی طرف اشارہ کرتا ہے
اور کہتا ہے ۲

شمع خود را همچو رومی بر فروز
روم را در آتش تبریز سوز ۲
کہیں کہیں اپنے اشعار میں ایران کی عظمت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

اقبال خود درین زمینه اشارات بسیار دارد: در مقدمہ اسرار خودی
می گوید:

گرچه ہندی در عذوبت شکرت
طرز گفتار دری شیرین ترست
فکر من از جلوہ اش مسحور گشت
خامہ من شاخ نخل طور گشت

گاهی در اشعار خود اشارہ بسیار صریحی بعظمت ایران دارد و از آن جملہ در
قسمت اول پیام مشرق کہ "لالہ" طور، نام گذاشتہ جاودان ماندن ایران
را چنین بیان میکند:

سکندر رفت و شمشیر و علم رفت
خراج شہر و گنج کان و یم رفت
امم را از شہان پایندہ تر دان
نمی بینی کہ ایران ماند و جم رفت

بڑا شاعر ہے لیکن اگر اس کے اشعار پر غور کریں اور اس کے کلام کا ایران کے بڑے شاعروں سے مقابلہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ یہ بات درست نہیں اور معلوم ہو جائیگا کہ اقبال کا کلام امپریشن ازم کے طرز کے معروف شعرا مثلاً عرفی، فیضی، ظہوری، نظیری، بیدل، صائب، کلیم، غالب اور دیگر شعراء سے پورے طور پر شباهت نہیں رکھتا بلکہ زیادہ تر وہ ان شاعروں سے مشابہت رکھتا ہے جن کو سمبولیست کہتے ہیں اور اس طرز کے سب سے بڑے نمائندے سنائی، عطار و مولانا جلال الدین و عراقی و اوحدی و کمال خجندی ہیں۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اقبال اپنی جوانی کے زمانے سے ہی مولانا جلال الدین کی مثنوی سے متاثر ہوا اور ۱۹۱۵ء میں ۲۲ سال کی عمر میں فارسی زبان میں شعر کہنا شروع کیا اور سب سے پہلے مولانا جلال الدین کی مثنوی کی تقلید میں

اگر درست اشعار او را با بزرگان شعرای ایران بسنجیم می بینم کہ این مطلب درست نیست و شعر اقبال با اشعار شاعران معروف سبک امپرسیونیسم مثلاً عرفی و فیضی و ظہوری و نظیری و بیدل و صائب و کلیم و غالب و دیگران شباهت کامل ندارد بلکہ بیشتر باشعار شاعرانی مانند است کہ ما باید آنها را سمبولیست بگویم و بزرگ ترین نمائندگان این سبک سنائی و عطار و مولانا جلال الدین و عراقی و اوحدی و کمال خجندی اند .

تردیدی نیست کہ اصلاً بزبان فارسی شعر گفتن اقبال بدان جہتست کہ در کودکی و جوانی از مثنوی مولانا جلال الدین ملہم شدہ و در ۱۹۱۵ میلادی در ۲۲ سالگی بشعر گفتن در زبان فارسی کردہ نخست بتقلید از مثنوی مولانا جلال الدین پرداختہ و مثنوی اسرار خودی را سرودہ و بلا فاصلہ در سال بعد مثنوی دیگر خود رموز بیخودی را در ۱۹۱۶ گفتہ است .

کی پہلی نظم ”پیام“، نہ صرف اس کے بے مثال شاہکاروں میں سے ہے بلکہ اس کے احساسات کو بھی بڑی خوبی سے بیان کرتی ہے اور بہترین طریقہ سے اس کے مقصد کو ادا کرتی ہے۔ یہ اشعار اپنے اندر ایک خاص لطف رکھتے ہیں، از خطابہ روز اقبال در سال ۱۳۳۰

”رومی عصر“ کے مقدمہ میں استاد سعید نفیسی فرماتے ہیں :-

* ”و دنیا کے سب سے کمسن مگر بہت قدیم تمدن و علم کے حامل ملک پاکستان پر خورشید جیسا چہرہ بہت جاہ و جلال سے چمک رہا ہے۔ آسمان پاکستان پر چمکنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنی روشنی ایران پر بھی ڈال رہا ہے۔ اور یہ امر بالکل قدرتی ہے کیونکہ ایران و پاکستان نزدیک اور دیوار بہ دیوار همسائے ہیں اور آفتاب ہر دو گھروں کو ایک وقت روشنی دیتا ہے۔

گذشتہ و نخستین منظومہ آن قطعہ ایست بعنوان ”پیام“، کہ نہ تنها از شاہکار های قطعی اوست بلکہ معرف بسیار خوبی از همین احساسات اوست و بہ بہترین وجهی مقصودش را ادا میکند و لطف خاصی در این اشعار هست۔

* ”بر فرهنگ و دانش بسیار کهنسال جواترین کشور های جہان پاکستان سیمائی چون خورشید در اوج کمال میتابد۔ در همان زمن کہ بر آسمان پاکستان پرتو مبفشاند بر آسمان ایران نیز فروغ میفکند۔ بسیار ہم طبیعی است زیرا کہ پاکستان و ایران همسایگان دیوار بدیوارند و آفتاب ہر دو خانہ را کہ در کنار یکدیگر باشند باہم روشن میکند۔

این خورشید فروغ جہانفروز محمد اقبال شاعر بزرگ پاکستان خود وارث نہ صد سال سنن ادبی زبان فارسی در ہند و پاکستان است پیش از او صدہا نویسندہ و سرایندہ زبان فارسی درین شبہ قارہ بزرگ آثار جاودانی از خود

اقبال کے اشعار کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ اس کو مشرق کے مستقبل پر بہت اعتماد ہے اور نہایت صریح طور پر اس نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مغرب کی برتری اور تسلط کا دور دورہ ختم ہونے کو ہے اور اس کے بعد مشرق کے عروج اور تسلط کی باری ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی آزادی اور مشرق اقصیٰ میں جو حالات پیش آ رہے ہیں اس کی پیشگوئی کی تائید کرتے ہیں۔ اقبال نے ایک جگہ صاف طور پر لکھا ہے :-

بیا کہ ساز فرنگ از نوا در افتاد است
درون پردہ او نغمہ نیست فریاد است

اقبال نے مشہور جرمن شاعر گوئٹے کے دیوان شرقی کے جواب میں پیام مشرق لکھا ہے۔ اس کے چہارمی حصے کا نام نقش فرنگ رکھا ہے اس حصے

خاصیت بسیار مهمی کہ در اشعار اقبال هست ایشیت کہ اعتماد عجیبی بآیندہ مشرق زمین دارد و با کمال صراحت معتقد است کہ دورہ برتری و استیلای مغرب بسر رسیده و از این پس نوبت استعلای شرقست۔ حوادث این روزها نیز دارد پیشگوئی او را مسلم می کند۔ استقلال هندوستان و پاکستان و آنچه در شرق اقصی در شرف وقوع است آیا تا اندازه ای پیشگوئی های او را مسلم نمیکند؟ اقبال جای دیگر صریحا میگوید :

بیا کہ ساز فرهنگ از نوا در افتاد است
درون پردہ او نغمہ نیست فریاد است

اقبال در دانشگاه های انگلستان و آلمان تحصیلات عالی کرده و درجہ دکترا در فلسفہ را داشته و ناچار انگلیسی و آلمانی را بسیار خوب میدانسته و در مقابل دیوان شرق و غربی گوته شاعر معروف آلمانی کتاب پیام مشرق را نوشته است۔ قسمت چہارم این کتاب را در نقش فرنگ، نام

بخوبی انجام دیا اس کی تصنیفات برہان قاطع اور قاطع برہان کی طرح ہمارے سامنے موجود ہیں اقبال ایرانی مشائخ کی پسندیدہ اور محبوب روش کا پیرو ہے مگر اس کا تصوف جدید معارف اور فلسفہ اور مشرق اور مغرب کے نئے علوم سے گھل مل گیا ہے اور انیسویں صدی کا رنگ اس پر چڑھ گیا ہے۔ اس کا تصوف جس قدر سنائی اور مولانا سے باخبر ہے اسی حد تک ہبگل، کانت، شوپنہاور، نطشے و بودا و کونفوسیوس وغیرہ سے آشنا ہے۔

جس طرح پہلے بزرگوں نے مثنوی مولانا کو قرآن پہلوی کا نام دیا ہے۔ اسی طرح اگر ہم اقبال کی مثنوی کو مثنوی قرن حاضر سمجھیں تو مناسب ہوگا۔ اس میں کسی بحث کی گنجائش نہیں کہ اقبال نہ صرف پاکستان و ایران کے زمانہ حاضر کی عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ہے بلکہ وہ ان لوگوں

میگفت: (میگویم و می آیمش از عہدہ برون!) اینک آثار او چون برہانی قاطع و قاطع برہان در پیش ماست۔ وی پیرو همان روشن ما' لوف و پسندیدہ' این مشایخ تصوف ایران در زبان فارسی بوده است متہی تصوفی کہ کاملاً با معارف جدید و فلسفہ ہا و حکمتہای نوین از شرق و غرب آمیختہ شدہ و صغہ' قرن نوزدہم و بیستم میلادی را بخود گرفتہ است۔ تصوفی کہ بہمان اندازہ کہ از سنائی و مولانا باخبر است بہمان اندازہ ہم از ہیکل و کنت و شوپنہاور نتیجہ و بودا و کونفوسیوس و جنیا آگاہی دارد۔

ہمچنان کہ پیشینیان مثنوی مولانا را (قرآن پہلوی) اصطلاح کردہ اند آثار اقبال راہم باید (مثنوی قرن حاضر) بدانیم و بیہودہ نیست کہ خود (زبور عجم) را در تسمیہ بکی از کتابہای خود بکار بردہ است۔

اس جہاں میں روشنی اور نور پھیلانے والا خورشید پاکستان کا عظیم الشان شاعر محمد اقبال ہے جو نو سو سال کے ہند و ایران کے فارسی روایات کا وارث ہے۔ اس سے پہلے سینکڑوں شعراء اور مصنفین اپنی جاودانی تصنیفات چھوڑ گئے ہیں اور ان کے نام ادبیات فارسی میں خاص آب و تاب رکھتے ہیں۔ لیکن محمد اقبال نے پہلے گزرے ہوئے اساتید کا مطالعہ کیا اور امپریشن ازم کی طرز شاعری (جو ہندوستان میں پرانی اور فرسودہ ہو چکی تھی) کا رخ سمبولیسم کی زیبا تر اور روشن تر روش کی طرف (جو کہ صوفیا یعنی سنائی، فرید الدین عطار، عراقی، محمود شبستری وغیرہ کی طرز ہے) پھیر دیا۔ اس روش کی غیر معمولی مشکلات کے باعث صدیوں سے تمام لوگ اس طرز شعر گوئی کو چھوڑ چکے تھے۔ اسکی مشکلات نے لوگوں کو ڈرا دیا تھا اور کوئی جرات نہیں کرتا تھا کہ حدیقة الحقیقة اور مثنویات عطار، مثنوی مولانا و گلشن راز کے پہلو بہ پہلو اور ان کے برابر اپنی تصنیف پیش کرے۔ پاکستان کے اس ذہین و طباع شاعر نے یہ جرات کی اور اپنا کام

گذاشته اندو نامہای شان در ادب فارسی فروزندگی خاصی دارد۔ اما محمد اقبال از آن کسانی بود کہ میبایست دفتر پیشینیان را در نوردد سبک معروف امپرسیونسم شعر فارسی را کہ در ہند کم کم فرسودہ و مدروس شدہ بود بروش روشن تر و شیوا تر یعنی سمبولیسم مشایخ بزرگ تصوف ایران مانند سنائی و فرید الدین عطار و فخر الدین عراقی و جلال الدین بلخی و محمود شبستری باز گرداند۔ قر نہا بود کہ دشواری فوق العادہ این روش ہمہ را از آن دور کردہ احیانا ترسانیدہ بود و کسی جرات نمیکرد دوش بدوش و سر بسر حدیقة الحقیقة و مثنویات عطار و مثنوی مولانا و گلشن راز بگذارد۔

این نابغہٗ پاکستانی این دلاوری را کرد و از عہدہ ہم بر آمد۔ گویا

۱۰۰

*”بہار ۱۹۳۲ (میلادی) میں میرا ایک دوست زبور عجم کا نسخہ ہندوستان سے میرے لئے بطور ارمغان لایا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مجھ میں عجیب احساسات پیدا ہوئے۔ اور میں نے ایک شوق و شغف سے لبریز خط اقبال مرحوم کو لکھا۔ خط بھیجنے کا سب سے قابل اعتماد ذریعہ ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر ادبیات فارسی پنجاب یونیورسٹی تھے، کیونکہ ان سے میری کئی سال سے خط و کتابت تھی۔ یہ خط میں نے انہیں کے ذریعہ سے بجھوایا۔ دو ماہ بعد اقبال مرحوم کا جواب آیا۔ ہندوستان سے ایک مسافر مقامات مقدسہ کی زیارت کو آیا اور یہ خط لاہور سے میرے لئے لایا اور خط کے ہمراہ پیام مشرق کا ایک نسخہ بھی جو اقبال نے میرے لئے بجھوایا تھا مجھ کو پہنچا دیا۔ اس دوسری کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے دوسرا خط اقبال کو لکھا اور اپنے شوق اور شغف کی شدت کا اس میں بیان کیا اس کے

*در بہار سال ۱۹۳۲ میلادی یک نسخہ از کتاب زبور عجم را دوستی از ہندوستان بر ای من ارمغان آورد۔ از خواندن آن احساسات عجیب در من انگیزتہ شد۔ نامہ ای پر از شوق و شغف بمرحوم علامہ اقبال نوشتم و چون مطمئن ترین وسیلہ برای رساندن آن نامہ مرحوم پرفسور دکتر محمد اقبال استاد ادبیات فارسی در دانشگاه پنجاب بود کہ از سالیان دراز با او مکاتبہ و رابطہ داشتم آن نامہ را بتوسط او فرستادم۔ دو ماہ پس از آن جوابی از مرحوم علامہ اقبال رسید و مسافری کہ از ہندوستان بزیارت عتبات می رفت آنرا از لاہور بر ای من آوردہ بود و نسخہ ای از کتاب پیام مشرق را ہم کہ مرحوم علامہ اقبال برای من فرستادہ بود، رساند۔ خواندن این کتاب دوم باعث شد کہ باز نامہ دیگری بمرحوم اقبال نوشتم و نہایت شوق و شغف خود را در آن نامہ بیان کردم و باز پس از دو ماہ دیگر نامہ

میں سے ہے جن کا نام ہمیشہ ادبیات کی تواریخ میں ثبت رہیگا اور جن کو
مجدد ادبیات کا نام دیا جاسکتا ہے

اقبال کے دو خط استاد سعید نفیسی کے نام

اقبال کو ایران اور ایرانی ادبا اور فضلا میں قدرتاً دلچسپی تھی اور
اس کو اشتیاق تھا کہ اپنے فارسی کلام کے متعلق ان کی رائے معلوم
کرے مگر دونوں ملکوں کے درمیان کوئی باقاعدہ رابطہ نہ تھا۔ پروفیسر
نفیسی اس زمانے میں بھی ایران اور ایران سے باہر کے علمی، ادبی حلقوں
میں شہرت رکھتے تھے۔ اقبال نے پروفیسر اقبال مرحوم کے ہاتھ مثنوی اور زبور
عجم نفیسی کو بھجوائیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کا پہلا مجموعہ
کلام ”وہ پیام مشرق“، پروفیسر مذکور کو نہیں پہنچا تو انہوں نے کسی
اور ایران جانے والے مسافر کے توسط سے اس کتاب کا ایک نسخہ بھی ان کو
بھجوا دیا۔ پروفیسر سعید نفیسی کے نام جو اقبال نے دو خط لکھے
اس سے قبل ”اقبال نامہ“، میں شائع ہوچکے ہیں۔ ذیل میں پروفیسر
نفیسی کے تمہیدی نوٹ کے ساتھ درج کئے جاتے ہیں۔

بدین گوئیہ ہیچ جای سخن نیست کہ اقبال نہ تنها از بزرگان
پاکستان و از بزرگان عصر ماست بلکه از کسانیت کہ نامشان از تاریخ
ادب بیرون نہ خواهد رفت و ایشانرا بحق (مجدد ادبیات) نام نہاد۔

میں نہیں پہنچی اس لئے پیام مشرق اسی ہفتہ آپ کی خدمت میں پہنچ رہا ہوں ۔

والسلام باہزار احترام ،
نیاز کیش ،
محمد اقبال

۴ نومبر ۱۹۳۲ع
مخدوم مکرم دانشمند ،

آپ کا دوسرا خط جو نیاز مند کی عزت افزائی اور افتخار کے لئے آپ نے لکھا ہے کوئی سات آٹھ روز پہلے ملا ۔

یہ سنکر کہ زبور عجم کی طرح پیام مشرق ، بھی آپ جیسے دانشمند نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور اس کے فارسی اشعار کو سراہا ہے، میرے لئے سر بلندی کا موجب ہے ۔ جس طرح فضلا و ادبا ایران کو مجھ سے

زبور عجم مرا بخدمت شما راہ نبوده است و پیام مشرق را بہمین ہفتہ بخدمت فرستادہ میکنم . والسلام الف احترام نیاز کیش محمد اقبال

۴ نوامبر ۱۹۳۲
مخدوم مکرم دانشمند :

خط دست دیگر کہ بفخر و شرف این نیاز مند رقم زدہ شدہ بود بہمین ہفت ہشت روز شرف وصول داد . از اینکہ پیام مشرق ہمچنان زبور عجم پسندیدہ خدمت مخدوم دانشوری آقای بودہ است و سخن پارسی آترا ہم پسند داشتہ اید این نیاز مند را سر بلند میگرداند و ہم چندان کہ دانشوران ایران

دو ماہ بعد اقبال کا دوسرا خط ایک اور مسافر کے ذریعہ جو ایران آیا مجھ تک پہنچا ۔،،

پہلا خط

۲۶ اگست ۱۹۳۲ ع

مخدوم دانشمند،

آپ نے جو خط پروفیسر محمد اقبال کے ہاتھ بچھڑایا تھا وصول ہوا ۔ کئی سالوں سے آپ کے ایران کو دیکھنے کی آرزو دل میں رکھتا ہوں اور اپنی زندگی کا واحد حاصل شعر فارسی کو سمجھتا ہوں اور یہ امر کہ آپ ایسے نامور عالم (جو ایران کے ذوق ادبی کے معیار کی حیثیت رکھتا ہو) نے میرا کلام پسند فرمایا ہے نیازمند کے لئے فخر اور ہمت افزائی کا باعث ہے میرا خیال ہے کہ سوائے زبور عجم کے میری اور کوئی کتاب آپ کی خدمت

دوم مرحوم اقبال بوسیلهٴ مسافر دیگری کہ او ہم بایران آمدہ بود بمن رسید .

خرداد ماہ ۱۳۳۲

سعید نفیسی

۲۶ اوت ۱۹۳۲

مخدوم دانشمند :

خط دست آقای بوسیله سرکار پروفیسر محمد اقبال صاحب راہی کردہ بودید حاصل شدہ سالہای دراز است کہ میل آرزوی ایران شما را در صمیم می پرورم و یگانہ محصول ذرہ نمای وجود را سخن فارسی میدانم . اینکہ سخن پارسیم مطلوب و مقبول همچون آقای دانشمند بنامی کہ میزان ذوق ادب ایرانست باشد مایہٴ فخر و دلداری این نیاز منداست . یقین دارم کہ جز از

اقتباس از سخزانی استاد نقیسی بتاريخ ۲۶ فروری ۱۹۵۶ کراچی -

*میرے پاکستانی احباب بار بار مجھے پوچھتے ہیں کہ اقبال کے متعلق ایران میں لوگوں کا کیا خیال ہے۔ ایرانیوں کی رائے اس کے سوائے اور کیا ہو سکتی ہے۔ اقبال کو وہ اسی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے رومی اور حافظ کو۔ ابتدائی سخن گوئی سے ایرانیوں اور پاکستانیوں کے دل میں ایک مشترک خیال اور ایک آرزو اور امید جاگزیں ہے۔ اس خیال اور آرزو کو ایک زمانے میں مولانا جلال الدین قونیہ میں سعدی شیراز میں، وخیام نیشا پور میں بیان کرتے رہے۔ اسی خیال اور آرزو کا غالب نے دہلی میں اور قبال نے لاہور میں ترجمانی کی ہے۔ میرے پرانے دوست خواجہ عبد الحمید عرفانی نے تہران میں ایک بہت مفید کتاب، رومی عصر، کے نام سے شایع کی ہے۔ اس نام سے بہتر نام اس کتاب کے لئے ممکن نہ تھا کیونکہ یقیناً اقبال کو آج سے بیس سال پہلے ہماری نڈھوں میں

*دوستان پاکستانی من مکرر از من پرسیدہ اند در ایران در بارہ اقبال چہ عقیدہ دارند؟ چہ عقیدہ میخواستید داشتہ باشند؟ همان عقیدہ ای کہ درباره فردوسی و حافظ دارند۔

ایرانی و پاکستانی از روزی کہ در جہان سخن گفتن آغاز کردہ اند ہمیشہ یک فکر و یک آرزو و یک امید داشتہ اند۔ این فکر و آرزو و امید را وقتی مولانا جلال الدین در قونیہ، سعدی در شیراز و عمر خیام در نیشا پور ادا کردہ اند و همان فکر را غالب در دہلی و اقبال در لاہور بزبان آوردہ است۔ دوست چندین سالہ من خواجہ عبد الحمید عرفانی در تہران کتاب بسیار پر مغزی بعنوان رومی عصر انتشار دادہ است۔ بہتر ازین ممکن نبود کسی عنوانی بر ای این کتاب پیدا کند زیرا کہ قطعاً اقبال رومی بیست سال پیش

ملاقات کی خواہش ہے اسی طرح یہ نیازمند بھی ان سے ملنے اور ایران کو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے لیکن ممکن ہے کہ میری کمزوری اور علالت اس راہ میں رکاوٹ پیدا کرے - کچھ عرصہ بعد افغانستان کا سفر درپیش ہے - اور میری آرزو ہے کہ کسی دن اپنی آنکھوں سے ایران کو دیکھوں - اور دوسری خواہش جو میں خدا سے چاہتا ہوں آپ ایسے شفیق اور مہربان دوست کی ملاقات ہے -

والسلام مع الاحترام

نیاز کیش

محمد اقبال

فروری ۱۹۲۵ء میں استاد نفیسی اقبال اکیڈمی کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے اور مختلف جلسوں میں اقبال اور اسکے مقام کے متعلق تقریریں کیں - ذیل میں انکی بعض تقاریر سے اقتباس درج کیا جاتا ہے :-

میل و ہوس دیدار این نیازمند دارند این نیازمند آرزوی ایشان و خاک ایران میکشد . ناتوانی و فسدگی خاطر تواند کہ خار راہ گردد . چندی دیگر سفری بافغانستان در پیش است و آرزوی آن دارند کہ باری چشم بایران باز کند . آرزوی دیگر دیدار آن مشفق مخدوم است کہ از الاسبحانہ و تعالیٰ می خواہد .

والسلام مع الاحترام

نیاز کیش

محمد اقبال

افلاطون عالم اسلام میں ابن سینا اور مولانا جلال الدین نے اور آخری شخص جس نے وہ کام انجام دیا محمد اقبال ہے۔

اقبال خود بھی اپنے اس آسمانی پیغام اور کام کو محسوس کرتا تھا۔ ہم مسلمان حضرت خاتم النبیین کے بعد کسی پیغمبر کو تسلیم نہیں کر سکتے لیکن اقبال کرامت اور ارشاد کے مقام سے بہرہ مند ہے اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آج آٹھ کروڑ افراد پر مشتمل ایک قوم نہایت تیزی سے دنیا میں اپنی جگہ پیدا کر رہی ہے اور روز بروز ترقی اور تعالیٰ کی طرف گامزن ہے۔ آج سے چالیس سال پیشتر اور پاکستان آزاد کے قائم ہونے سے پہلے اقبال نے اپنے آسمانی فرائض کے متعلق یوں کہا۔

خوگرمن نیست چشم هست و بود

لرزه بر تن خیزم از بیم نمود

کردہ در عالم اسلام ابن سینا پس از آن مولانا جلال الدین کرد و آخرین کسی کہ اینکار را کرد محمد اقبال بود۔

اقبال خود باین وظیفہ آسمانی خود پی بردہ بود ما مسلمانان پس از حضرت ختمی مرتبت رتبہ پیغمبری برای کس دیگر قابل نیستیم ولی کرامت و مقام ارشادی در اقبال هست کہ نمیتوان آنرا نا دیدہ و ناشنیدہ گرفت۔

امروز ملت بزرگی شامل ہشتاد و چند ملیون مسلمان در جہان هست کہ با سرعت جای خود را در جہان باز کردہ و با سرعت روز بروز بر مقام خود می افزاید۔ چہل سال پیش از این و نزدیک سی سال پیش از آنکہ پاکستان استقلال از دست رفتہ خود را دوبارہ بدست آورد اقبال این وظیفہ آسمانی خود را بدینگونہ ادا کردہ است۔ خوگرمن نیست چشم هست و بود الخ

رومی کا مقام حاصل ہے۔ اقبال خود مولانا جلال الدین ہے جو رومی کے سات سو سال بعد پیدا ہوا ہے۔ وہی افکار جو سات سو سال گذرے قونیہ (موجودہ مملکت ترکی) میں رومی کی زبان پر جاری تھے اسکے سات سو سال بعد سیالکوٹ میں اقبال کی شکل میں نمودار ہوئے۔

میں اقبال کا مقام ایک پیشوا اور راہنما کا مقام سمجھتا ہوں۔ شاعر عظیم کہلانے کا حق وہ شاعر رکھتا ہے جو زمانے کے اوضاع کو تبدیل کر دے۔ آسمان کی گردش پر اسکو قابو ہو اور حوادث عالم میں انقلاب پیدا کر سکے۔ دنیا کی تاریخ میں نئے حادثات وجود میں لائے۔ میں ہورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسا کام انسان کی کئی ہزار سال کی تاریخ میں صرف معدودی چند افراد نے انجام دیا ہے۔ قدیم یونان میں

ماسٹ مولانا جلال الدین است کہ هفتصد سال پس از او آمده است . همان فکری کہ در قونیه در خاک ترکیه امروز مولانا را بسخن گفتن وا داشت هفتصد سال بعد در سیالکوت تار وجود و پود محمد اقبال را بهم بافته است .

تنها مصلی کہ میخواهم اند کی درباره آن در حضور شما بحث کنم مقام پیشوائی و رهنمائی و ارشادیت کہ من بر ای اقبال قائلم . گوینده بزرگ آن است کہ مقتضیات زمانه را تغیر بدهد چرخ روزگار را بمیل خود بگرداند حوادث جهان را زیر و رو کند . حادثه ای در تاریخ جهان فراهم کند و من با کمال جرأت میگویم کہ اینکار را در تاریخ چند هزار ساله بشر تنها چند تن کرده اند از ان جمله در یونان قدیم افلاطون اینکار را

اس پیغام کو اقبال ایک اور جگہ بیان کرتا ہے۔

شعر را مقصود گر آدم گری است
شاعری ہم وارث پیغمبری است

*دنیاے اسلام میں اقبال کو بہت بلند روحانی مقام حاصل ہے لیکن اسکی حکمت اور شاعری کا مقام اس سے کمتر نہیں۔ ایران اور پاکستان کی مشترک ادبی تاریخ میں بڑے بڑے شاعر پیدا ہوئے ہیں۔ اقبال کو انکے زمرے میں ایک امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ اور اسکو بلبل حکیمان یا حکیم بلبلان کا لقب زیب دیتا ہے۔ بڑے بڑے شعرا میں سے اکثر معنی کو لفظ پر قربان کر دیتے ہیں اور انکی کوشش یہ رہی ہے کہ خوبصورت اور موسیقی داوالفاظ استعمال کریں۔ لیکن اقبال کی توجہ ہمیشہ بلند و لطیف و دقیق معانی کی طرف مبذول رہی ہے۔ اسکے خیالات حکمت کی دنیا کی بلندیوں میں پرواز کرتے ہیں اور اسکی ساری توجہ معانی پر متمرکز ہے۔ شعر کی

متن فارسی:

*ازین مقام روحانی کہ اقبال در عالم اسلام داشته است اگر بگزیریم مقام حکمت و شاعری او کمتر از آن نیست۔ در فرهنگ مشترک ایران و پاکستان گویندکن بزرگ بسیار آمده اند و رنہ اند۔ در میان ایشان امتیاز بزرگی کہ اقبال دارد اینست کہ او را باید ”بلبل حکیمان،“ و یا ”حکیم بلبلان،“ لقب داد۔ اکثریت شعراء بزرگ معنی را فدای لفظ کرده اند یعنی بیشتر کوشیدہ اند الفاظ شیوہ کہ بیان موسیقی در آنها باشد بکار برند اگر معنی حکیمانہ درین الفاظ شیوا جا میگیرفته است از گفتن آن دریغ نمیکردہ اند چنانکہ سعدی و حافظ اینکار را کردہ و اکثریت شاعران پیرو این روش ادبی بودہ اند۔

بام از خاور رسید و شب شکست
شبم نو بر گل عالم نشست
نغمہ ام از زخمہ بی پرواستم
من نوای شاعر فرداستم
نغمہ من از جہان دیگرامست
این جرس را کاروان دیگر است
ای بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بر بست و چشم ما کشاد
رخت ناز از نیستی بیرون کشید
چون گل خود از مزار خود دمید
عاشقم فریاد ایمان من است
شور حشر از پیش خیزان من است
چشمہ حیوان برا تم کردہ اند
محرم راز حیاتم کردہ اند
زرہ از سوز نوایم زندہ گشت
پر کشود کر مک تا بندہ گشت
سر عیش جاودان خواہی بیا
ہم زمین و آسمان خواہی بیا

ان اشعار میں اقبال اپنے ان فرائض کو جو بحیث ایک پیشوا اور
رہنما کے اسی پر عائد ہوتے ہیں بیان کرتا ہے۔ کیا ان اشعار میں اس نے
پاکستان کے قیام سے پیشتر ہی پاکستان کا نقشہ پیش نہیں کر دیا۔

درین اشعار اقبال خود وظیفہ پیشوائی و راہنمائی خود را بیان میکند۔ آیا در
ہمین اشعار پاکستان را پیش از آنکہ بوجود آید، ساخته است؟

اور پھر کہا ہے :

شاعری زین مثنوی مقصود نیست
بت پرستی بت گری مقصود نیست
خرده بر مینا مگیر ای ہوشمند
دل بذوق خرده مینا ببند

مثنوی مولانا روم سات سو سال سے تمام دنیا کے مسلمانوں میں
”قرآن عجم“ کے نام سے مشہور ہے کیونکہ قرآن مجید کے بعد ہم مسلمانوں
نے کسی کتاب کا مثنوی کے برابر احترام نہیں کیا اور نہ کسی اور کتاب کا
اتنا مطالعہ کیا گیا ہے..... لیکن جس بات کی طرف توجہ
ضروری ہے وہ یہ ہے کہ سینکڑوں بڑے اور چھوٹے شاعروں نے مثنوی کی
تقلید کی ہے لیکن کسی کو بھی مثنوی سے وہ قرب میسر نہیں ہوا جو

مثنوی مولانا را از زمانہای بسیار قدیم یعنی از همان هفتصد و
پنجاه سال پیش کہ در میان مسلمانان همه جہان انتشار یافته ”قرآن عجم“، نام
داده اند زیرا کہ قطعاً پس از مصحف شریف و کتاب آسمانی ما، مسلمانان
هیچ کتابی را مسلماً با اندازه مثنوی نخوانده و محترم نشمرده اند. اشارات فروان
اقبال نسبت بمثنوی در شعر فارسی و اردوی او باندازه ایست کہ تقریباً
سراسر آثار وی را فرا گفته و یکی از جنبہ های بسیار آشکار شعر اوست کہ همه
میدانند.

اما نکتہ ای کہ باید بیشتر بان توجہ کرد اینست کہ در میان صدها
شاعر بزرگ و کوچک کہ تقلید از مثنوی کردہ اند هیچ کس باندازه اقبال
بان نزدیک نشدہ است. نہ تنها بسیاری است از عقاید و افکار مولانا را در شعر

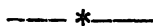
مذکورہ بالا خاصیت خاص طور پر تصوف کے بلند مرتبہ شعرا مثلاً سنائی، عطار، مولانا و عراقی اور انکے پیروں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اقبال اس صنف شعر کی تکمیل کرتا ہے بلکہ بہتر ہوگا اگر اسکو ان معنی آفرین پیغمبر شعرا کا خاتمہ کہا جائے۔ خود اقبال نے اس بات کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے۔

ذره ام مہر منیر آن منست
صد سحر اندر گریبان منست
خاک من روشن تراز جام جم است
محرم نا زاده های عالم است
فکرم آن آہو سرفتراک بست
کوهنوز از نیستی بیرون نجست
محل رامشگری برہم زدم
زخمہ بر تار رگ عالم زدم
بسکہ ساز فطرتم نادر و نواست
ہمنشین از نغمہ ام نا آشناست
رم ندیدہ انجم از تابم ہنوز
ہست نا آشفته سیمابم ہنوز

اما اقبال ہمہ جا نظر بمعانی بزرگ و لطیف و دقیق داشتہ چنان فکر او در آن محیط حکمت و در آن بالای آسمان سیر میکرده کہ ہمہ توجہ خود را طرف معانی آسمانی کردہ است۔ این خاصیت در شعر فارسی مخصوص بزرگان تصوف مانند سنائی و عطار و مولانا و عراقی و پیروان آنهاست و اقبال در این زمینہ مکمل و اگر درست بغواہید خاتم این پیغمبران معنی آفرین است۔ اقبال خود این مطلب را با بیان بسیار لطیفی بدینگونہ ادا میکند۔

ذره ام مہر منیر آن منست (الخ)

وہ قومیں جنکو پیشوائی اور سروری کا مقام حاصل رہا ہے کوشش کریں اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کریں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقبال صرف پاکستان یا ایران کا شاعر نہیں بلکہ تمام ملل اسلامی اور ان کے بعد مشرق کی تمام قوموں کے لئے مبعوث ہوا ہے۔ اقبال کا یہ پہلو جو ہمارے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے اقبال کے کلام میں مخصوصاً پیام مشرق میں بہت نمایاں ہے۔ اقبال اپنے اس پیغمبرانہ اور مہمانانہ پیغام کو نہایت عالی، فصیح اور شاعرانہ مرز میں بیان کرتا ہے اور اسکا یہ پیغام تمام مسلمانوں کے لئے وصیت نامہ کا حکم رکھتا ہے،،



پیش ازین مقام سروری و پیشوائی داشتہ اند آن مقام از دست رفته را دوبارہ بدست بیاورند۔ اینجاست کہ اقبال تنها شاعر پاکستان یا شاعر ایران نیست بلکہ برہمہ ملل اسلام و بالا تر از آن برہمہ ملل شرق مبعوث شدہ است و این جنبہ بسیار سہم در آثار اقبال و مخصوصاً در پیام مشرق ہمہ جا دیدہ میشود۔ گاہی این مقصد رسالت و نبوت و این عقیدہ حکیمانہ خود را با بیان بسیار بلند شیوائی فصیح و شاعرانہ ادا میکند کہ تقریباً حکم وصیت نامہ او را بر ای ما مسلمانان جہان دارد۔

اقبال کو۔ نہ صرف اقبال نے بہت سے افکار اور عقاید (اپنے اردو اور فارسی کلام میں) رومی سے اخذ کئے ہیں بلکہ فارسی صنف شعر میں وہ رومی کے اسقدر قریب پہنچ جاتا ہے کہ اسکو ایک قسم کا معجزہ شمار کرنا چاہئے۔

اسکے بعد استاد سعید نفیسی اقبال کی مندرجہ ذیل حکایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

آن شنیدستی کہ در عہد قدیم
گوسفندان در علف زاری مقیم
اور
سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سجزی را حرم

اور چند اشعار نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

،،دیکھئے اقبال اپنے صوفیانہ تصوف سے کتنا بلند نتیجہ اخذ کرتا ہے۔ اقبال کے فلسفہ کا ایک مبہم پہلو یہ بھی ہے کہ زبردست قوموں کو چاہئے کہ اپنے آپ کو غیروں کے استیلا سے نجات دلائیں۔ مخصوصاً

اردوی خود بیان کرد، بلکہ در شعر فارسی گاهی باندازہای بمولانا نزدیک شدہ کہ این را نوعی از اعجاز باید دانست .

در بیان مقدمہ و شرح و مطلب و نتیجہ گرفتن از داستان و رسیدن بحقایق بلند نیز اقبال پیرو روش خاص مولانا است .

ملاحظہ میفرمایند نتیجہ ای کہ اقبال ازین فکر تصوف گرفته نتیجہ بسیار عالیست زیرا کہ یکی از مهمترین جنبہ های حکمت اقبال اینست کہ ملل زیر دست باید خود را از استیلائی این و آن برہانند و مخلصاً آنہای کہ

جسے اسلام نے انا اکراما کہ عندائے اتفاقہ - کے لفظوں میں بیش کیا یا رسول اکرم کا قول کہ... بعثت لائم مکارم الاخلاق - تصوف کا انتہائی مقصد انسان کے بلند ترین تکامل کا حصول ہے - انکے نزدیک عالی ترین مقام یہ ہے کہ انسان خدا میں فنا ہو جائے۔ صوفیوں نے قرآن کی آیت اللہ نور السموات والارض، (اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے) کی دلنیز تعبیریں کی ہیں -

ایک بہت بڑے صوفی نے کہا ہے کہ انسان کو اس مقام پر پہنچنا ہے جہاں اسے سوائے خدا کی ذات کے کچھ نہ دکھائی دے۔ اس طرح صوفیا ایک قسم کی.. فنا، کے فائل تھے۔ اسی فنا کو بعض نے.. خدا میں جذب

قایل بودند همان دستوریست کہ سریت مصدر اسلام داده است کہ و ان اکرامکم عند اللہ اتفاقہ.. و این گفته رسول اکرم است کہ فرماید و ان بعثت لائم مکارم الاخلاق.. علت غائی و نتیجہ قطعی تصوف رسیدن بعد کمال بریت است کہ می توان اصلاح (Perfectionism) را درباره آن وضع کرد۔ بزرگان تصوف ایران و پاکستان بفروع دین چندان اهمیت نداده اند و ہمہ تعلیمات خود را صرف اصول دین کرده اند ہمین جهت توحید و وحدت وجود در نظر شان مهم ترین مقصد و مقصود تصوف است و اصول فلسفہ (Monisme) را بعد کمال خود رسانده اند برخلاف فلسفہ های دیگر شرق کہ بیشتر جنبہ (Dualism) دارند بالا ترین حد کمال را درین می دانستند کہ وجود در وجود خدا مستهلک شود و این آیه شریفہ.. اللہ نور السموات والارض، را توجیہات بسیار شیرین و بسیار جالب کرده اند۔ یکی از بزرگان تصوف می فرماید: رسد آدمی بجائی کہ بجز خدا نبیند، ہمین جهت صوفیا ما بیکہ

اقبال کے کلام میں تصوف

۲۱ اپریل ۱۹۵۶ء کو کراچی میں یوم اقبال کے موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں استاد نفیسی نے فرمایا :

* اقبال کی شاعری کا سب سے مہم پہلو اہل تصوف ہے۔ ہمیں فی الحقیقت اقبال کو ایک صوفی شاعر سمجھنا چاہئے اور اس لحاظ سے وہ ایران اور پاکستان کے صوفی شعرا سے مختلف نہیں۔ گذشتہ ۹۵ سال کے عرصہ میں ایران اور پاکستان کے صوفیا نے عام لوگوں تک اپنے خیالات پہنچانے کی غرض سے فارسی زبان اختیار کی۔ صوفیا کی نگاہ میں زرتشتی و عیسائی، یہودی سب برابر تھے۔ وہ ہر فرد کو خدا کا سہیل یا ظل تصور کرتے تھے۔ انسان اور انسان کے درمیان صرف ایک امتیاز کے قابل تھے

* درمیان جنبہ های مختلف آثار اقبال قطعاً جنبہ تصوف آن برجہ ہای دیگر برتری دارد۔ اصلاً می توان اقبال را شاعر صوفی دانست و ازین حیث با سرایندهان دیگر تصوف ایران و پاکستان تفاوتی ندارد۔ بزرگان مشایخ تصوف ایران و پاکستان درنہصد و پہنجاہ سال پیش عمداً زبان فارسی را برای انتشار عقاید خود در میان عامہ مردم اختیار کردند۔ صوفیہ بیش از ہر فرقہ دیگر از فروغ اسلامی توجہ بعوام داشتہ و در ارشاد و ہدایت ایشان می کوشیدند و بعیب خداوندان زور و زر اعتنا نمی کردند و حتی در مجالس وعظ و سماع خود ہی دستان را بالا دست توانگران می نشاندد۔ در نظر شان مسلم و ہندو و گبر و ترسا و یہود یکساں بودند و ہر موجودی را مظہر خالق می دانستند۔ تنها امتیازی کہ در میان مردم

من کیم تو کیستی؟ عالم کجاست

در بیان ماؤ تو دوری چراست

(میں کون ہوں ، تو کون ہے ، اور یہ دنیا کیا ہے . میرے اور تیرے
در بیان فاصلہ کیوں ہے)

من چرا در بند تقدیرم بگو

تو نمیری من چرا میرم بگو

(میں کیوں تقدیر کی زنجیر سے بندھا ہوا ہوں تو نہیں مرتا میں کیوں
مر جاتا ہوں)
اور اس کے جواب میں کہتا ہے :

زندگی خواہی خودی را پیش کن

چار سو را جذب اندر خویش کن

(تو زندگی چاہتا ہے تو اپنی خودی کی تربیت کر اور چار سو کو اپنے اندر
جذب کر لے)

باز بینی من کیم تو کیستی

در جهان چون مردی و چون زیستی

(پھر تو دیکھے گا کہ میں کون اور تو کون ہے اور تو نے دنیا میں کیسے
زندگی گذاری اور کیسے مرا)

من کیم؟ تو کیستی؟ عالم کجاست

و جای دیگر فرمودہ است :

زندگی خواہی خودی را پیش کن

ہو جائے، سے تعبیر کیا ہے۔ یہ تصور ہندوؤں کے ”نروانا“ کے تخیل سے کچھ زیادہ مختلف نہیں حکیم سنائی نے کہا ہے کہ اگر تمہیں زندگی کی آرزو ہے تو مرنے سے پہلے مر جاؤ۔

صوفیا کے نزدیک ان مقامات تک سوائے کشف اور شہود کی راہ کے رسائی ممکن نہیں اور اس سفر کا صحیح مسافر وہ ہے جو یکے بعد دیگرے ان مقامات سے گذر کر نکامل روح کے آخری مقام پر پہنچتا ہے۔ اس دلچسپ اور مفید تصور کو جو انسان کی بہترین اور اعلیٰ ترین صفات کو ظاہر کرتا ہے اقبال نے تصور خودی کا نام دیا ہے۔

اسکی فلسفیانہ شاعری کا سب سے پہلا شاہکار اسی لطیف تخیل سے متعلق ہے۔ اقبال ”جاوید نامہ“ میں کہتے ہیں :

قسم فنا معتقد بودہ اند کہ برخی از ایشان آنرا فنا فی اللہ نامیدہ اند و بی شباهت باصول نروانای ہندیان نیست۔ سنائی می فرماید۔
”بمیر ای دوست پیش از مرگ اگر عمر ابد خواہی“

این مراحل سلوک در نظر صوفیا جز بکشف و شہود فراہم نمی شود و سالک حقیقی آن کسیت کہ مراحل کمال را یک یک پیماید و بعروج نفس برسد۔

اقبال این فلسفہ بسیار جالب و مہم را (مقصود از فلسفہ عروج نفس است) کہ قطعاً عالی ترین فلسفہ انسانی است فلسفہ خودی نامیدہ است و سراسر نخستین شاہکار فلسفی او یعنی اسرار خودی بیان این نکتہ بسیار باریک و دقیق است در جاوید نامہ می فرماید :

صفات کو مختلف پرندوں کی شکل میں پیش کیا ہے انہی ارتقا کے سفر میں بعض پرندے مختلف منزلوں پر رہ جاتے ہیں اور آخر میں پہنچنے والوں کو تکمل نصیب ہوتا ہے۔ منطق الطیر اسی صوفیانہ تخیل کا بیان ہے۔

ہندو عیسوی کے مشہور ایرانی شاعر فضولی بغدادی نے اسی خیال کو اپنی نہایت اچھی منثور کتاب مسافرت روح میں بیان کیا ہے۔ ابوالعلا معری نے انہی تصنیف الغفران میں اس مضمون کو انتہائی شاعرانہ بندنیوں تک پہنچا دیا ہے۔

یورپ کی زبانوں میں اسی طرز کا بہترین نمونہ اطالوی شاعر دانہ کی دمدی الہی ہے۔ انسانی معراج کے بیان کا لطیف ترین اور زیبا ترین نمونہ فریدالدین عطار عربک از مرغان را مظهر یکی از صفات بشری قرار دادہ و از سفری کہ بوی کمال میکنند یک یک در راہ می مانند و سرانجام بعد کمال می رسند و کتاب منطق الطیر او بیان شاعرانہ بسیار لطیفی از همین مکرست۔ فضولی بغدادی شاعر معروف قرن بانزدہم ایران این مضمون را در رسالہٴ بسیار لطیفی بنثر فارسی بنام ۰۰ سفرنامہٴ روح ۰۰ بیان کردہ است۔ ابوالعلا معری در رسالہ الغفران این مضمون را بعد اعلای شاعرانہٴ خود رسانیدہ است۔

در ادبیات اروپا نمونہ کاملی کہ ازین بیان حکیمانہ داریم و نخست کمدی الہی دانہ شاعر بزرگ ایتالیائی است۔

جاوید نامہٴ اقبال کہ آخرین شاہکار اوست لطیف ترین تعبیرات شاعرانہ را درین زمینہ دارد۔ روح وی در عروج با آسمان با ارواح بزرگان جہان مانند

اقبال ایران اور پاکستان کے دوسرے بڑے صوفیوں کی طرح اس بات کو قبول کرتا ہے کہ ،،خودی،، کے بعد بیخودی کا مقام ہے۔ یہ وہی فلسفہ ہے جسکو صوفی جدائی اور فنا کہتے ہیں۔ پہلا درجہ خودی دوسرا بیخودی ہے۔ یہ خیال دنیای شعر میں زیبا ترین تصورات میں سے ہے اور اسکے نتیجہ کے طور پر متعدد بڑے بڑے شاہکار وجود میں آئے ہیں۔

زر تشنیوں کی مشہور منظوم کتاب ،،ارتای و یراف نامک،، میں روح عالم سفلی سے سفر کرتی ہے اور بلندیوں سے گذر کر تکامل حاصل کرتی ہے۔ ایرانی صوفیوں نے اس خیال کو ایک فلسفہ ارتقا یا معراج روح بیان کیا ہے جس میں روح ترقی کرتے کرتے خدا کی ذات میں مدغم ہو جاتی ہے عطار اسی تصور کو اپنی مثنوی منطق الطیر میں بیان کرتے ہیں۔ عطار نے مختلف انسانی در نظر اقبال مانند بزرگان تصوف ایران و پاکستان ہر کس کہ باسرار خودی پی برد باید برموز بیخودی ہم آشنا شود و آن همان فلسفہ تجرید و فنای صوفیہ است۔ پس مرحلہ نخستین خودی است و مرحلہ نہائی بیخودی۔ عروج نفس یا معراج نفس کہ همان وسینہ ارتقا برای رسیدن برموز بیخودی است موضوع آخرین شاہکار اقبال است۔۔۔۔۔

ابن مضمون یکی از لطیف ترین مضامین شاعرانہ است کہ در سراسر جهان شاہکار ہای فراوان بوجود آورده است۔ در تعلیمات زر دشتی ایران منظومہ معروف ہست بنام ،،ارتای و یراف نامک،، کہ روح برای پیمودن مراحل کمال سفری باسماں میکند و مراحل مختلف پستی را زیر پای گذارد تا باوج کمال برسد۔ بعدھا صوفیہ ایران ابن مضمون را در تصوف بکار برده و ازان نتیجہ برای رسیدن بکمال انسانیت و مخوشدن در الوہیت گرفته اند و سنائی منظومہ معروف سیرالعباد الی المعاد را در ہمیں زمینہ سرودہ

صوفیوں کی تصنیفات مخصوصاً مثنوی مولانا روم، گلشن راز از شیخ محمود شبستری اور آثار سید علی ہمدانی اور عراق کا نہایت غور سے مطالعہ کیا ہے۔ اسرار خودی، رموز بیخودی، جاوید نامہ اور اس کی آخری مثنوی سچہ باید کرد ای اقوام شرق، کو بیسویں صدی کی مثنوی کا درجہ حاصل ہے۔ جیسا کہ ان چار مثنویوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے فلسفہ خودی کو قدیم صوفیاء کی طرح صرف فرد تک ہی محدود نہیں کرتا بلکہ تمام اقوام اور ملل مشرق کو اس کے دائر میں لے آتا ہے۔ اس طرح اس نے قدیم صوفیوں کے روایتی ”انفرادیت“ کے تصور کو ایک زندہ اجتماعیت میں بدل دیا ہے اور اس کا بہت مبہم نتیجہ نکلا ہے۔ یعنی مشرق کے لوگوں کے دلوں میں خود اعتمادی پیدا ہو رہی ہے۔

مملکت آزاد پاکستان کا وجود میں آنا بہت حد تک اقبال کی تعلیم کا پھل ہے۔ میرے خیال میں پاکستان اقبال کے صوفیانہ نخیل کا ایک زندہ معجزہ ہے۔

صوفیہ مخصوصاً مثنوی مولانا و گلشن راز شیخ محمود شبستری و آثار مغللہ میر سید علی ہمدانی و فخر الدین عراقی دانشمند است۔ اسرار خودی و رموز بیخودی و جاوید نامہ و حتی آخرین اثری ”سچہ باید کرد ای اقوام شرق“، را میتوان مثنوی قرن بیستم و گلشن راز قرن بیستم دانست۔ درین چہار شاعر خود اسرار خودی و فلسفہ کمال پرستی یا (Perfectionism) را منحصر با افراد نکرده بلکه در اقوام و اجتماعات شرق نیز وارد کرده و نتیجہ بسیار مهمی کہ از آن گرفته استقلال و اعتماد بخود ملل شرق است و جای شک نیست کہ همین تعلیمات اقبال پاکستان مستقل را بوجود آورد و استقلال پاکستان را میتوان از معجزات تصوف و فلسفہ اقبال دانست۔

اقبال کا جاوید نامہ پیش کرتا ہے اقبال عالم بالا کی طرف سفر میں انسانی دنیا کی عظیم الشان شخصیتوں سے ملاقات کرتا ہے جسمیں زر تشت پیغمبر اسلام، مولانا جلال الدین رومی، عارف ہندی جہان دوست، سید جمال الدین افغانی، سعید حلیم پاشا مہدی سودانی، حسین بن حلاج، قرۃ العین شاہ ہمدان، غنی کشمیری، احمد خان درانی اور حتی زمانہ قدیم کے ”خدا“ بھی شامل ہیں۔

اقبال ان بزرگ شخصیتوں سے ملاقات کے دوران میں پیچیدہ اور دقیق اور لطیف فلسفانہ اور عارفانہ نکات کے علاوہ سوشل اور سیاسی مسائل بھی زیر بحث لے آتا ہے۔ اس لئے ہمیں جاوید نامہ کو تصوف کی آخری کتاب کی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا۔ اور اقبال نہ صرف تصوف کے بلند ترین شاعریں میں شمار ہوگا بلکہ ماننا پڑیگا کہ وہ ایران اور پاکستان کے صوفیانہ طرز فکر کا آخری بڑا نمائندہ ہے۔

اقبال کے کلام کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے بڑے بڑے زردشت، رسول اکرم و رومی و یک عارف ہندی بنام ”جہان دوست“ و سید جمال الدین افغانی سعید حلیم پاشا و مہدی سودانی و حسین بن منصور حلاج و میر سید علی ہمدانی و غنی کشمیری و نادر شاہ و ابدالی و حتی با ارباب انواع قدیم و برومی شود و او در مکالمہ ایکہ با ہر یک کردہ است، نہ تنہا مسائل دقیق حکمت و عرفان و اطرح میکند بلکہ بمسائل اجتماعی نیز می پردازد۔ بہمین جہت جاوید نامہ را می توان آخرین اثر تصوف درین زمینه دانست و اقبال را یکی از راہنمایان بزرگ تصوف بلکہ آخرین مرد بزرگ تصوف ایران و پاکستان شمرد۔

مطالعہ در آثار اقبال می رساند کہ وی ممارست کامل در آثار بزرگان

بیدل، غالب، وغیرہ نے امپرسیونزم (Impressionism) طرز کی شاعری کی ترقی میں حصہ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شعر سے وہ روانی اور سادگی جو صوفیانہ خیالات کے بیان کے لئے لازم ہے رخصت ہو گئی۔ بیدل کا کلام تو خاص طور پر صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہو گیا جو فن شاعری کے تمام پہلوؤں اور نکات سے آشنا ہیں۔

اقبال نے اس طرز بیان کے نقص کو محسوس کیا اور اس نے دوبارہ شاعری کو صوفی مکتب کی مخصوص سادہ بیانی اور روانی عطا کی۔ اقبال کے پیغام کے مخاطب مشرق کے لوگ اور خاص کر مسلمان ہیں۔ اقبال کی شاعری نے پہلے اہالی پاکستان کو بیدار کیا اور پھر اہل ایران کے دلوں میں جنبش پیدا کی اور اب اقبال کا اثر ان لوگوں میں بھی پھیل رہا ہے جو فارسی

فغانی، عرفی، فیضی، ظہوری و نظیری طالب آملی و غنی و کلیم و صائب بیدل و غالب امپرسیونیسم را ترقی فوق العادہ دادند و نتیجہ آن این شد کہ شعر از آن روانی و سادگی کہ برای فہم مسائل دقیق و لطیف تصوف لازم است افتاد و مخصوصاً در شعر بیدل اختصاص بکسانی پیدا کرد کہ از جملہ رموز شاعری آگاہ باشند۔

اقبال بہتر از ہمہ متوجہ این عیب شدہ و دوبارہ شعر را بہمان سادگی و روانی سمبولیسم (Symbolism) برگرداند زیرا کہ مخاطب او ہمہ مردم کشور ہای شرق و اسلام از پیر و جوان و زن مرد و بودند و ہمین سبب شد کہ شعر اقبال ہمہ مردم پاکستان و پس ازان مردم ایران را تکان داد و اینک روز بروز نفوذ آن در میان مردی کہ فارسی زبان نیست بیشتر می شود۔۔

خالص ادبی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بھی اقبال کا شمار بزرگ ترین صوفی شعراء میں ہوتا ہے اس خیال کے مدنظر کہ ان کے خیالات عام لوگوں کو آسانی سے سمجھ آجائیں صوفی شعرا عموماً سمبل (یا شرحی اشارات) کا استعمال کرتے رہے ہیں۔ یہ طرز شعر گوئی گیارہویں صدی میں پہلے صوفی شاعر ابو سعید ابوالخیر سے شروع ہوا اور سولہویں صدی کے اواخر تک معراج پر رہا اور جامی اس مکتب کا آخری بڑا شاعر ہوا ہے۔ اسی مکتب کے ایک بہت بڑے شاعر شمس الدین حافظ نے اپنے کلام میں بعض مقامات پر امپرسیونزم کی طرز میں شعر کہے ہیں اور اس طرز کو گذر وقت کے ساتھ ہند و پاکستان کے شعرا میں مقبولیت حاصل ہو گئی اور ایران میں یہ طرز شعر ہندی مکتب کے نام سے مشہور ہے۔ برصغیر ہند و پاکستان میں فغانی، عرفی، فیضی، ظہوری، نظیری، طالب، املی، غنی، کلیم، صائب،

از نظر ادبی صوف اقبال را باید یکی از بزرگترین سرایندگان این فن دانست. صوفیہ از آغاز کہ بشعر گفتن در زبان فارسی آغاز کردند برای اینکه مطالب بسیار دقیق و لطیف خود را در اذهان مردم بہتر و آسانتر وارد کنند سبک سمبولزم (Symbolism) را در شعر اختیار کردند و این روش کہ از زمان ابو سعید ابوالخیر نخستین شاعر تصوف بزبان فارسی از قرن یازدہم وارد ادبیات ما شد تا پایان قرن شانزدہم در اوج ترقی بود و عبدالرحمن جامی را باید آخرین شاعر بزرگ این سبک دانست.

یکی از بزرگترین شاعران تصوف شمس الدین حافظ شیرازی گاہ گاہی اصول امپرسیونسیم (Impressionism) را در اشعار خود بکار بردہ است کہ چون بعداً در میان شاعران بزرگ فارسی زبان ہند و پاکستان رواج کامل یافتہ در میان ایرانیان بسبب ہندی یا ہندوستانی معروف شدہ است. در ہند و پاکستان

اور لاہور میں قیام کے دوران میں مجھے موقع ملا کہ میں اپنی آنکھوں سے اس ماحول اور گرد و پیش کے حالات کو دیکھ سکوں جہاں اقبال نے اپنی زندگی کے دن گزارے ہیں اور اس مطالعہ سے اقبال کا مرتبہ میری نگاہوں میں بلند تر ہو گیا ہے۔ پاکستان آنے سے پہلے بھی میں اقبال کو ایک بہت بلند شخصیت سمجھتا تھا لیکن اب جب کہ میں یہاں سے واپس جا رہا ہوں اس کا مقام میرے لئے پہلے سے بہت بلند ہو گیا ہے۔ کیونکہ جو معجزانہ کام اس نے اس ملک میں انجام دیا ہے میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں۔



اقبال در آن زیستہ است روز بروز این مرد بزرگ را در نظر من بزرگ تر کرد . من پیش از آن کہ پاکستان ییام اقبال را بزرگ میدانستم امروز کہ از پاکستان می روم او در نظر من بسیار بزرگ تر شدہ است زیرا خود دیدم وی چگونہ درین سر زمین اعجاز کردہ است .

زبان نہیں جانتے۔ دنیا میں بے شمار شاعر ہوئے ہیں۔ لیکن ان میں سے صرف انہی شعرا کو قابل تمجید اور عظیم المرتبت خیال کیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں ایک نبی، یا ملہم من اللہ کی خدمات انجام دیں ہوں۔

نہ فقط انہوں نے عام لوگوں کی تمنیات اور آرزوؤں کی نمائندگی کی بلکہ ان کی آرزوؤں اور مقاصد کو پورا کرنے کا طریقہ بھی ان کے سامنے پیش کیا۔ اقبال یقیناً ان عظیم المرتبت انسانوں میں سے ہے اور ہم اسے اگر پیغمبر شاعران یا شاعر پیغمبران کا لقب دیں تو نہایت مناسب اور صحیح ہوگا۔ ایسے عالی قدر افراد کی حقیقی عظمت اس وقت ہم پر روشن ہوتی ہے جب ہم ان کے ماحول اور ان کے زمانے کے پس منظر کے مدنظر ان کے کلام کا مطالعہ کریں۔ صرف اسی حالت میں ہم اندازہ لگا سکیں گے کہ ان کے ملک اور ان کے ہم وطنوں نے اس کے کلام سے کس قدر فائدہ اٹھایا ہے۔ سیالکوٹ

در جہان ما شاعران بسیار بوده اند اما در عالم حقیقت تنها کسانی از میان ایشان بزرگ و در خور ستائیش اند کہ پیامبر عصر و زمان خود بوده باشند۔ یعنی نہ تنها آرزوهای مردم دیار خود را بیان کرده باشند بلکہ راه رسیدن بآن آرزوہا را ہم نشان داده باشند۔ قطعاً علامہ محمد اقبال یکی ازین مردان بزرگست کہ میتوان او را پیامبر شاعران یا شاعر پیامبران دانست۔

برای پی بردن بمقام بلند این گونه سرایندگان بزرگ باید ایشان را در محیط زمان و مکان خود دید تا معلوم شود چہ نتیجہ از وجود ایشان بہرہ کشورشان و ملت شان شدہ است۔ درین یک ماہ و نیم گذشتہ سفرهای متعدد من در پاکستان و مخصوصاً اقامت در سیالکوٹ و لاہور یعنی محیطی کہ

کرنے کا حوصلہ نہ ہوا تھا۔ ۱۹۵۳ میں ڈاکٹر خطیبی نے اقبال کی ساری فارسی تصنیفات کا مطالعہ کیا اور اپنے خیالات کا اظہار یوم اقبال کے جلسہ میں فرمایا۔ اس دفعہ یوم اقبال کے پروگرام میں صرف ڈاکٹر خطیبی ہی کی تقریر تھی جسکو حاضرین نے اور ایران کے طول و عرض میں سامعین نے ریڈیو پر سنا۔ اسکے بعد انکی تقریر کا خلاصہ بعض اخبارات اور رسائل میں چھپا اور یونیورسٹی کے ادبی حلقوں میں اقبال کی شاعری پر فنی اعتبار سے گفتگو ہونے لگی۔ خطیبی نے اقبال کے اسٹائل اور نفس مضمون کا بغور مطالعہ کیا اور کسی حد تک ایرانی شعرا سے مقابلہ اور مقایسہ کرنے کی کوشش کی تاکہ ایرانی اہل ادب تاریخی پس منظر کی روشنی میں اقبال کو بہتر پہچان سکیں۔

ڈاکٹر خطیبی کی ایرانی ادبی حلقوں میں مقبولیت اور اس کے نظریات کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر میں نے انکی انتخاب کردہ غزلیات اور قطعات وغیرہ کو نقل کر دیا ہے تاکہ قارئین پاکستان ایک ایرانی ادیب کے ذوق سے آشنا ہو سکیں۔ چونکہ خطیبی کے مقالات سے اقتباسات زیادہ تر ایک خاص طبقہ کے ادبا کے لئے ہیں اسلئے فارسی اشعار کا ترجمہ کرنیکی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

اقبال اور ڈاکٹر حسین خطیبی

ڈاکٹر حسین خطیبی تہران یونیورسٹی کے ہر دل عزیز پروفیسر اور شیرو خورشید سرخ (ایرانی ریڈ کراس) کے سکریٹری ہیں۔ خطیبی مرحوم ملک الشعرا بہار کے نہایت عزیز شاگرد تھے اور اب تہران یونیورسٹی میں اسی پوسٹ پر کام کر رہے ہیں جو بہار کے وفات سے خالی ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں وہ دوسیک شناسی، یا فن تنقید و سخن سنجی کی تدریس میں مشغول ہیں۔ خطیبی کا ذوق شعر اور حافظہ حیرت انگیز ہے انکو ہزارہا چیدہ چیدہ اشعار اور مختصر قطعات یا رباعیات کے علاوہ قدما اور متوسطین کے سینکڑوں مفصل قصائد اول سے آخر تک حفظ ہیں۔ اور جب وہ ان طویل قصائد کو اپنی مخصوص تحت اللفظ طرز میں پڑھتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اشعار آسمان سے ان پر نازل ہو رہے ہیں۔

میری جس ایرانی ادیب سے سب سے پہلے ایران میں ملاقات ہوئی ڈاکٹر خطیبی ہیں اور بعد میں جب کبھی مرحوم ملک الشعرا سے بعض ادبی موضوعات پر راہنمائی چاہی تو انہوں نے ہمیشہ ڈاکٹر خطیبی کا نام لیا۔ مجھکو یہ فخر ہے کہ سب سے پہلی تقریر اور سب سے پہلا مقالہ جو بہار کی شاعری پر ڈاکٹر خطیبی نے لکھا وہ میرے لگاتار اصرار کا نتیجہ تھا اور اس امر کا ذکر خاص طور پر انہوں نے اپنے مقالہ میں کیا ہے۔

اقبال کے متعلق رسمی اور سطحی قسم کی تقریریں اور مقالات تو ایران میں عام ہونے لگے تھے مگر کسی ایرانی کو اقبال کا باقاعدہ مطالعہ

فارسی کے لحاظ سے (جیسا کہ ہم ایرانی اس زبان کو سمجھتے اور پڑھتے ہیں) اعتراض کیا جا سکے۔

آفاقی خطیبی لکھتے ہیں :-

اقبال کے اشعار کا اسٹائل لفظی لحاظ سے سبک ہندی کے شعرا کی مانند زبان کی مخصوص ترکیبوں لفظوں اور دقیق مضامین پر مبنی ہیں بلکہ ایران کے قدیم شعرا کے کلام سے شباهت رکھتا ہے۔ الفاظ کے استعمال کے لحاظ سے اسکی شاعرانہ روش مشہور خراسانی اور عراقی روش کے نزدیک ہے لیکن بلحاظ معنی، وسعت فکر اور باریک بینی اس کا کلام ایک سمندر کے مانند ہے اور اگر چاہوں کہ مختصر الفاظ کی مدد سے جو میرے محدود اختیار میں ہیں اسکے متعلق کچھ بیان کروں تو روسی کا یہ مشہور شعر یاد آتا ہے۔

گر بریزی بحر را در کوزه ای

چند گنجد قسمت یکروزه ای

مورد ایراد قرار داد اگر نگویم وجود ندارد باید اقرار کنم آنقدر کم است کہ میتوان گفت نیست۔

پایہ اشعار مرحوم اقبال از جنبہ لفظی بخلاف تمام شعرا کی کہ بعد از دورہ سبک معروف بہندی در خارج از ایران شعر گفته اند بر ترکیبات و الفاظ و افکار و معانی این سبک متکی نیست بلکہ چون در آثار شعرا قدیم ایران، روش او در شاعری از جنبہ لفظی بسبک های معروف بخراسانی و عراقی قدیم نزدیک تر است اما از جنبہ معنی و وسعت فکر و دقت نظر آثار او بمنزلہ دریائی است کہ اگر خواسته باشم آنرا بمدد الفاظ مختصر و نارسائی کہ باختیار من است بیان کنم و شرح دهم بیت معروف مولوی را بخاطر می آورد کہ:

گر بریزی بحر را در کوزه ای (الخ)

(اقتباس از مقدمہ دوروی عصر،)

”..... اس عظیم الشان پاکستانی شاعر اقبال لاہوری (جس نے ہم فارسی زبانوں پر اتنا بڑا احسان کیا ہے) کے متعلق سوائے اسکے نام کے میں نے کچھ نہیں سنا تھا۔ اور میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان مشکلات کے ہوتے ہوئے جو فارسی زبان کی ترقی کے راستے میں حائل تھیں اس ملک میں اتنا بلند طبع اور پر مغز شاعر پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسا شاعر جسکی نظیر آخری چند صدیوں میں ایران سے باہر یقیناً نہیں ملتی۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اقبال نے با این ہمہ تصنیفات کے جو اس نے فصیح فارسی زبان میں یادگار چھوڑی ہیں زبان فارسی فقط کتابیں پڑھکر سیکھی، تو مجھے نہایت تعجب ہوا۔ میں نے اقبال کی تمام تصنیفات کا غور سے مطالعہ کیا ہے اور میں نے دیکھا ہے کہ اسکے تمام اشعار میں کوئی ایسی ترکیب یا لفظ نہیں پایا جاتا جس پر زبان

”..... من از این شاعر بزرگوار پاکستانی مرحوم اقبال لاہوری کہ این ہمہ حق بگردن ما فارسی زبانان دارد جز نام چیزی نشنیده بودم و هرگر تصور نمیکردم باهمه موانعی کہ در راه پیشرفت زبان فارسی ایجاد شده است این کشور بتواند چنین شاعر پرمایه بلند طبعی را بوجود آورد کہ بطور یقین میتوان گنت نظیر او در قرون اخیر بین شعرای فارسی زبان خارج از ایران دیدہ نمیشود و بیشتر موجب تعجب شد وقتی دانستم کہ مرحوم اقبال با اینهمہ آثار فصیح کہ بزبان فارسی از خود برجای گذاشته این زبان را فقط بدرس خوانندہ و تمام آثار این شاعر را بدقت مورد مطالعہ و امعان نظر فاطر قرار دادم و دیدم کہ در سراسر اشعار او لفظی یا ترکیبی کہ بتوان از نظر فارسی آنطور کہ ما ایرانیان این زبان را می دانیم و می خوانیم

اقبال کو گر چہ اہل زبان سے بیل سلاپ اور مصاحبت کا موقع نہ ملا لیکن مطالعہ اور تتبع سے اس نے زبان فارسی میں ایسی مہارت پیدا کر لی کہ دقیق ترین عرفانی افکار اور مشکل ترین فلسفی و علمی اور اخلاقی معانی کو فارسی زبان کی فصیح ترین ترکیبات اور کامل ترین الفاظ میں آسانی اور روانی سے بیان کرجاتا ہے۔ اور مبہم مضامین و سست الفاظ اور نا درست کلمات کے استعمال سے پرہیز کرتا ہے اور چند ایک استثناء سے قطع نظر اس نے اپنے سائل کو لفظی حیثیت سے بھی قدیم فارسی کی بنیاد پر مستحکم طور پر قائم کیا ہے اور مضامین اور زبان کی مشکلات کے باوجود خوب نباھا ہے۔ اس کے اشعار میں کوئی لفظ یا ترکیب یا طرز استعمال نہیں پائی جاتی جس پر اصول اور قواعد زبان فارسی کے لحاظ سے اعتراض کیا جاسکے۔

مرحوم اقبال با آنکہ زبان فارسی را بدرس خوانده و در طول عمر بر ثمر خویش فرصت آنکہ با اہل این زبان معاشرت داشته باشد نیافتہ بود بر اثر ہمین ممارست و تتبع چنان در زبان فارسی مہارت یافت کہ توانست دقیقترین افکار عرفانی و مشکل ترین معانی فلسفی و علمی و اخلاقی را در قالب فصیح ترین الفاظ و کاملترین ترکیبات زبان فارسی بریزد و بآسانی و روانی بیان کند و نہ تنها از ایراد مضامین دشوار و لغات سست و کلمات نادرست احتراز جوید بلکہ باستثنای مواردی معدود از جنبہ لفظی ہم سبک خود را بہمان پایہ اشعار قدیم فارسی استوار سازد و با کمال استادی از مضامین سخن و دشواریہای کلام بیرون آید و در اشعار لفظی یا ترکیبی یا نحوہ استعمالی کہ از نظر اصول قواعد زبان فارسی بتوان آنرا مورد و انتقاد قرار داد تقریباً دیدہ نشود۔

اقتباس از مقاله بعنوان ”سبک اقبال“،

اقبال کا سٹائل یا طرز بیان

اس عنوان کے تحت ڈاکٹر خطیبی فرماتے ہیں :-

* اگر ہم چاہیں کہ اقبال لاہوری کے سٹائل کو چند الفاظ میں بیان کریں تو کہیں گے اس شاعر کا ایک اپنا مخصوص سٹائل ہے جس کو ”سبک اقبال“، (طرز اقبال) کا نام دینا مناسب ہوگا۔ اقبال نے عام توقع کے خلاف سبک ہندی کی طرف بہت کم توجہ دی ہے اور بہت کم اس سٹائل کا تتبع اور پیروی کی ہے۔ اقبال نے اس کی بجائے ایران کے قدیم شعرا مثلاً منوچہری، ناصر خسرو، سنائی، عطار، رومی، سعدی، حافظ، جامی کا گہرا مطالعہ اور پیروی کی ہے اور اپنے شعر میں زیادہ تر انہی شعرا کی روش کو استعمال کیا ہے اور اپنے مخصوص سٹائل کی حدود کے پیش نظر اس قدیم فارسی شاعری کی طرز کو محفوظ رکھا ہے۔

سبک اقبال

* اگر خواستہ باشیم سبک اشعار علامہ محمد اقبال لاہوری را در چند کلمہ خلاصہ کنیم باید بگوئیم این شاعر سبکی مخصوص بخود داشت کہ شاید مناسب باشد آنرا بنام ”سبک اقبال“، بخوانیم . اقبال بعکس آنچه ممکنست در بادی امر تصور شود کمتر بسبک ہندی متوجہ بودہ و از آن اقتباس و پیروی کردہ است بلکہ با مطالع و تتبع عمیق در اشعار شعرای قدیم ایران از قبیل منوچہری و ناصر خسرو و سنائی و عطار و مولوی و سعدی و حافظ و جامی بیشتر روش آنانرا در شعر و شاعری بکار می بست و حدود سبک خود را بہمان پایہ اسالیب قدیم شعر فارسی نگاہ میداشت .



ڈاکٹر محمد ابراہیم



محکمہ تعلیم و تربیت، کراچی



ڈاکٹر ناصر زائدہ شرمائی



علی صدارت نسیم

اقبال کی توجہ زیادہ تر افکار و معانی پر ہے اور الفاظ کو صرف اسی حد تک اہمیت دیتا ہے کہ اس کے دقیق اور عمیق معانی و مطالب کا اظہار کرسکیں وہ لفظی اور شعری صنعتوں اور تکلفات سے (جو عموماً کم مایہ شعرا اپنے افکار اور معانی کی سستی کی تلافی کیلئے کام میں لاتے ہیں) بالکل بے پروا ہے کیونکہ اس کی عروس افکار سادہ اور صریح الفاظ میں زیادہ خوبصورت اور کامل تر معلوم دیتی ہے۔ اقبال شعر کی مختلف اقسام میں پوری مہارت رکھتا ہے۔ فن شعر میں اس نے کچھ تبدیلیاں بھی کی ہیں اور فنی لحاظ سے یہی مجموعی طور پر اس کو اس درجہ کا کامل اور جامع شاعر سمجھا جاسکتا ہے جس کی نظیر ایران سے باہر کے فارسی گو شعرا میں کئی آخری دوروں میں نہیں دیکھی گئی۔

(نشریہ انجمن روابط فرهنگی ایران و پاکستان تہران)

اقبال در شاعری بیشتر متوجہ معانی و افکار است و بلفظ همانقدر ارزش میدهد کہ وسیلہ ای برای ابراز معانی و مفاهیم دقیق و عمیق او باشد خارج از این حدود بہ پیرایہ های لفظی و صنایع شعری و تکلفاتی کہ معمولاً شاعران و نویسندگان کم مایہ در اشعار خویش بکار می بندند تا سستی افکار و نقض معانی خود را باین طریق جبران کنند بکلی بی اعتناست زیرا عروس افکارش در لباس سادہ عبارت زیبا تر تمامتر جلوه می کند۔

بعضی تصرفات ہم در نوع شعر کردہ است و رویہمرفتہ میتوان از این حیث نیز اقبال را شاعری تمام و جامع و کامل دانست کہ نظیر او درمیان شعر ای پارسی گوی خارج از ایران در ادوار اخیر دبیدہ نشدہ است۔

اقبال کی شاعری

کسی شاعر کی اہمیت اور اسکا مقام اس وقت معلوم ہو سکتا ہے جب ہم اسکا اسکے زمانے کے اور ہم عصر شاعروں سے مقابلہ کریں اور پھر اسکے ماقبل اور بعد کے دوروں میں شعر کے تحول کا مطالعہ کریں اور اسے جانچیں اور مجموعی طور پر ان باتوں اور باریکیوں کے مد نظر اس شاعر کے متعلق اظہار نظر کریں اور فیصلہ دیں۔

محمد اقبال لاہوری کے متعلق اگر ہمارا مقصد صحیح اور دقیق فیصلہ کرنا ہو تو ضروری ہے کہ اسی طریق سے شعر فارسی میں تحول کی تاریخ کا ایران اور ایران سے باہر مطالعہ کریں اور مختلف دوروں میں شعر کی لفظی اور معنوی خصوصیتوں سے واقفیت حاصل کر کے انکا اپس میں درازش و مقام شاعر موقعی معلوم می شود کہ نخست او را در زمان خود و با شاعران ہم عصرش مقایسہ کنیم و سپس دورہ قبل و بعد از او را نیز از نظر تحولات شعری مورد مطالعہ قرار دہیم و با توجہ بمجموع این نکات و و دقایق درباره آن شاعر نظری اظہار بداریم و تضاد و یکسان

در مورد استاد محمد اقبال لاہوری نیز اگر خواستہ باشیم و سخن ما مقرون بصحت و دقت باشد باید بہمین کیفیت تاریخ تطوّر شعر فارسی را در ایران و خارج از ایران مطالعہ کردہ و مختصات لفظی و معنوی شعر را در ہر یک از این او را بدانیم و باہم مقایسہ کنیم تا بدورہ اقبال و شعر او اہمیت خطابہ ایست کہ در جشن اقبال در سفارت کبرای پاکستان ابراد شد .

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

جگہ دلائے گا اور وسعت فکر اور کمال معنوی کے لحاظ سے (جسمیں شاعر کے ہنر کو بیشتر جستجو کرنا چاہئے) اسکو بطور مطلق فارسی گو شعرا کے درمیان بہت بلند مقام اور درجہ مل جائیگا۔ جب میں نے ابھی دقت اور انتقاد کی نظر سے اقبال کا مطالعہ نہیں کیا تھا اسکے متعلق بعض باتوں یا نظریات کو جو اسکی تعریف میں دوسروں کی زبان سے سنتا تھا مبالغہ یا محض رسمی کلمے (جو ایسی محافل میں معمولاً کہے جاتے ہیں) خیال کرتا تھا۔ لیکن جب سے میں نے اقبال کے اشعار کا اچھی طرح مطالعہ اور تحقیق کی تو میں نے محسوس کیا کہ جو کچھ اس کے متعلق پہلے سے سنا ہے قطعاً مبالغہ نہیں تھا۔

میں نے دیکھا کہ اقبال مختلف انواع شاعری کے فنون میں ماہر ہے وہ قدیم اسلوب شعر فارسی کو خوب سمجھتا ہے اور اس سے اقتباس کرتا ہے اور اسکے ساتھ ہی وہ ایک نئی طرز کا موجد اور بانی ہے۔ شعر ہستیم، ہمراتب پیش از آن خواهد شد کہ اکنون هست و یقیناً این سنجش و مقایسہ او را از نظر شعر و شاعری در ردیف چند شاعر طراز اول پارسی گوی خارج از ایران جای خواهد داد و از نظر وسعت و کمال معنی کہ بیشتر ہنر شاعر را در آن باید جست ویرا درمیان شعر ای پارسی زبان بطور مطلق نیز مقام و موقعی بس ارجمند خواهد نہاد۔

این بندہ خود پیش از آنکہ با نظر دقت و انتقاد آثار این شاعر را بخواند و بداند، قسمتی از آنچه را در حق او از زبان دیگران می شنید علی الرسم مبالغہ، درستایش و از نوع سخنانی می پنداشت کہ معمولاً در این قبیل مجالس گفته میشود۔ لکن از زمانی کہ خود بر اثر تتبع و تحقیق خوب با آثار اقبال آشنا شدم از آنچه پیش از آن در حق او شنیدہ بودم کمتر سخنی را مبالغہ

مقابلہ کریں اور اس ترتیب سے اقبال کے زمانے اور اسکے شعر تک رسائی حاصل کریں۔ پھر ہمیں اسکے کلام پر دو مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا ہوگا۔ پہلے ہم دیکھیں گے استعمال لفظ اور اس مہارت کے لحاظ سے جو اس استاد شاعر کو کلمات سے انتخاب اور ترکیبوں کی ساخت اور کلام میں ظاہری حسن پیدا کرنے میں حاصل ہیں۔ اس کے بعد معنوی لحاظ سے ہم دیکھیں کہ شاعر نے مضامین تلاش کرنے اور انکو مناسب الفاظ کے سانچے میں ڈھالنے میں کتنی نوجہ دی ہے۔

اگر اقبال کے کلام کو اسی قوت فکر، جودت طبع، صفائی قریحہ و ذوق اور دائرہ خیال کی وسعت، اسکی جدت تخیل اور تقلید و تنبیع کرنے میں مہارت کو مد نظر رکھتے ہوئے دقیق امتحان کے ترازو پر تولیں، تو اسکا مقام اور مرتبہ ہم فارسی زبانوں کی نظر میں (جو اس زبان کے قیمتی اور گراں بہار آثار کے حقیقی وارث ہیں) اسکے موجودہ مقام سے بدرجہا بلند ہو جائیگا۔ اور بہ امتحان اور مطالعہ شعر و شاعری کے لحاظ سے اسکو ایران کے باہر کے طراز اول کے معدودے چند فارسی گو شاعروں کی صف میں

برسیم۔ آنگہ در آثار وی از دو جنبہ، مختلف نظر کنیم یکی از جہت لفظ و مہارتی کہ این سخن سرای استاد در انتخاب کلمات ساختن ترکیبات و آرایش ظاہر کلام داشتہ، و دیگر از نظر معنی و دقیقی کہ در یافتن مضامین و ریختن آن بقالب الفاظ مناسب بکار بردہ است با توجہ بقدرت فکر و جودت ذہن و صفای قریحہ و وسعت دائرہ خیال و همچنین حد ابتکار و تقلید او در ہر یک از این دو جنبہ، مختلف، و یقین است کہ اگر آثار اقبال را باین طریق در ترازوی دقیق امتحان و اختیار بسنجیم مقام و مرتبہ او در پیش چشم ما فارسی زبانان کہ وارث حقیقی آثار پرارزش و گرانبہای این زبان

قائم تھی لیکن صفوی دورہ کے بعد یہ طرز شعر رو بانحطاط تھی اور یہ انحطاط ایران سے باہر کے فارسی گو شعرا کے کلام میں زیادہ نمایاں ہے۔ ایران میں اگر بڑے بڑے شاعر قدیم اسلوب شعر مخصوصاً عراقی طرز شاعری کو دوبارہ رواج دینے کی طرف توجہ نہ کرتے اور ہندی اسٹائل جوں کا توں جاری رہتا تو ایران میں بھی یہ انحطاط اور ابتدال زیادہ نمایاں ہوتا۔

دسویں صدی بلکہ گیارھویں صدی کے کچھ حصہ میں نسبتاً قیمتی اور گراں بہا تصنیفات شعری وجود میں آئیں اور بعض صاحب صلیع شعرا نے اس طرز میں ایسے شعر کہے ہیں جنکو بہترین فارسی اشعار کا ایک جز شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن شاعروں کی اس کوشش کا کہ نئے نئے مضامین اور جدید معانی پیدا کئے جائیں یہ نتیجہ ہوا کہ تخیل محض اور اغراق کے دائرے نے وسعت پیدا کر لی اور شعر فارسی ایک ایسی سبک ہندی تعبیر میشود۔ ہر چند در ابتدای کار پر بابہ و اساس صحیحی استوار بود لیکن بندریج بعد از دورہ صفویہ راہ انحطاط در پیش گرفت و این انحطاط در میان شعرا پارسی گوی خارج از ایران بیشتر بدیدار گشت۔

در ایران ہم اگر کوشش شعرا بزرگ بیاز گشت اسالیب قدیم و بخصوص سبک عراقی معطوف نمی شد و دنبالہ سبک ہندی بہمان صورت کہ پیش میرفت ادامه مییافت پینیداً آثار این انحطاط و ابتدال محسوس تر میگشت زیرا سبک ہندی ہر چند۔ چنانکہ گذشت۔ تا قرن دہم و قسمتی از قرن یاز دہم آثار نسبتہ پر از رسی بوجود آورد و شعرا صاحب طبعی بدین سبک شعر گفتند کہ آثار شان را میتوان در شمار یک قسمت از بہترین اشعار زبان فارسی بحساب آورد لیکن میل زیاد شاعران با بداع مضامین جدید

فارسی کی بعض قسموں اور فنون کے لحاظ سے جو اقبال نے استعمال کئے ہیں ایران سے باہر کے ممالک میں اسکا وہی مقام و مرتبہ ہے جو صفوی دور کے بعد "ادبی باز گذشت"، کے علمبردار شعرا کا ہے۔ اقبال کے کلام کا تتبع اور مطالعہ کرنے سے یہ امر مجہد پر ثابت ہو گیا کہ اس شاعر کو معروف سبک ہندی (ہندی اسٹائل) کی شاعری میں وہی عیب اور سستی نظر آئی جو دورہ صفویہ کے بعد ایران کے شعرا نے محسوس کی اور جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اسٹائل میں تبدیلی آگئی اور قدیم اسلوب شاعری نے دوبارہ رواج حاصل کیا۔

میرا خیال ہے کہ اس کے متعلق مختصر سی تشریح کی ضرورت ہوگی :-
نویں صدی (ہجری) کے بعد فارسی شاعری (جسکو بعض وجوہات کی بنا پر سبک ہندی کہا جاتا ہے) کی بنیاد ابتدا میں صحیح پائے پر آمیز یافتہ چنانکہ نتوان آنرا بطریق توجیہ و تفسیر نمود۔ زیرا اقبال را شاعری دیدم در انواع مختلف شعر متفنن ہم متوجہ با سائیب کہن شعر فارسی و مقتبس از آن و ہم در حد خود مبتکر طریقہ ای جدید در بعضی از اقسام و فنون شعر و در بین شعرای فارسی زبان خارج از ایران دارای همان مقام و مرتبت کہ شعرای دورہ باز گشت ادبی بعد از صفویہ در ایران داشتہ اند زیرا مطالعہ و تتبع در آثار او برمن ثابت کرد کہ ابن شاعر در سبک معروف بہندی همان معایب و سستی ہا را دیدہ و یافتہ است کہ بعد از دورہ صفویہ توجہ شعرای ایران را بخود جلب کردہ و منجر بتغیر سبک و باز گشت اسلوب قدیم شدہ است۔

در این بارہ گمان میرود مختصر توضیحی لازم باشد :

می دانیم سبک شعر فارسی از قرن نہم بعد - کہ از آن بعلل و جہاتی

آسان راستہ اختیار کر لیا اور انھوں نے شعر فارسی کا دروازہ اس قسم کی غیر صحیح اور مست ترکیبوں کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔

اسی سبب سے ہندی طرز کی شاعری آہستہ آہستہ انحطاط اور ابتذال کے راستہ پر جانے لگی۔ -

بہر حال ایران میں صاحب ذوق شعرا نے اس طرز کے نقص کی طرف توجہ کی اور اگرچہ انکی کوشش کوئی جدید اسٹائل پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوئی لیکن اسکا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ شعر فارسی اپنے قدیم اور ہموار راستے پر پھر واپس آگیا۔ اور دورہ بعد کے معروف شاعروں کو موقع مل گیا کہ قدیم طرز میں بعض تصرفات کر کے اور کچھ نئی باتیں پیدا کر کے قدیم طرز شاعری کو از سر نو زندہ کریں۔

لیکن ایران سے باہر سبک ہندی اپنی اسی روش پر قائم رہا اور اسی وجہ سے گزشتہ سو دو سو سال کے عرصہ میں دیگر ممالک کے شعرا ہمیں راہ سہل و سادہ را در پیش بگیرد و عرصہ شعر فارسی را برای ورود اینگونه لغات و ترکیبات نادرست و مست باز بگذارد .

این مقدمات موجب آمد کہ سبک ہندی اندک اندک در سرایش انحطاط و ابتذال پیفتد منتہی در ایران شعر ای صاحب قریحہ زود متوجہ این نقصہ شدند و ہر چند کوشش آنها بایجاد سبک جدیدی نیا انجامید لیکن این فائدہ را داشت کہ شعر فارسی را بجادہ ہموار قدیم خود باز گرد اند و فرصت آن داد کہ در دورہ بعد شعرای معروف با تصرفات و ابتکاری سبک های قدیم شعر را از نو احیا کنند . اما خارج از سرحدات ایران سبک ہندی همان طرق را کہ در پیش گرفته بود ادامه داد و بہمین علت ہم در یکی دو قرن

صورت میں ظاہر ہونے لگا جو غیر قدرتی اور بہت زیادہ پر تکلف اور عقل اور فہم کی حد سے باہر تھی اور اسی وجہ سے سست اور کم اہمیت مضامین فارسی شاعری میں داخل ہو گئے۔ اسکا دوسرا اثر یہ ہوا کہ مبہم تشبیہیں، کنائے، استعارے جو ذہنی کیفیات سے دور اور دشوار تھے پیدا ہو گئے۔ اور اپنے ہنر شاعری کے اظہار کے لئے شاعر ہر قسم کے استعارے، تشبیہ اور کنائے کو جائز خیال کرنے لگے۔

تیسری بات یہ تھی کہ الفاظ کے استعمال کی حدیں وسیع تر ہو گئیں اور یرائے شاعروں کی روش کے برعکس یہ شاعر اپنے آپ کو کسی قید اور شرط کا پابند نہیں سمجھتے تھے۔ اور اپنے اشعار میں وہ عامیانہ اور متبذل الفاظ کو فارسی زبان کے اصیل اور فصیح الفاظ کے دوش بدوش (جو صدیوں سے بلند طبع خراسانی اور عراقی طرز کے شعرا کے ہاں مستعمل رہے) استعمال کرنے لگے۔ اور نئی ترکیبیں بنانے میں بھی انہوں نے یہی

و یافتن معانی نو موجب آمد کہ بتدریج اولاً دائرۂ تخیل و اغراق در شعر فارسی وسعت پیدا کند و بصورتی بسیار متکلف و خارج از حد طبیعت و بیرون از دایرۂ عقل و فہم بکشد و در نتیجہ مضامین سست و کم ارزش در شعر فارسی را پیدا بکند۔ ثانیاً تشبیہات مبہم و کنایات و استعارات دور از ذہن و دشوار بوجود آید و شاعر برای ابراز ہنر ایراد ہرگونہ تشبیہ و استعارہ و کنایا ای را در شعر جایز بداند۔ ثالثاً بہمین علت حدود استعمال الفاظ وسعت یا بدو شاعر در انتخاب و استعمال کلمات درست بعکس شعرای قدیم خود را مقید بہیچگونہ قید و شرطی نداند و در ضمن کلام الفاظ عامیانہ و متبذل را با کلمات اصیل و فصیح زبان فارسی۔ کہ قرن ہا مورد استعمال شعرای بلند طبع خراسانی و عراقی بودہ است۔ یک رشتہ بکشدو در ترکیب سازی نیز

کہ ممکن ہے کہ اس وسیع ملک میں زبان فارسی اپنا قدیمی مقام اور مرتبہ دوبارہ حاصل کر لے۔

غزل سرائی اقبال

میں اس مقالہ میں اقبال کے کلام برہندی، عراقی اور خراسانی طرز کے کلام کے اثر پر بحث کروں گا اور اپنے نظریات کو اسکی غزلیات سے چند نمونے نقل کر کے ثابت کروں گا۔

ہندی طرز ساعری کا جو تھوڑا بہت اثر اقبال کے بعض مضامین اور افکار میں اور کہیں کہیں اسکی غزلیات، مثنوی اور دیگر اشعار میں نظر آتا ہے اور اسکے متعلق مسئلہ ہی سے لہہ سکے ہیں کہ یہ سبک ہندی ہے۔ اسکے علاوہ بعض ترکیبیں اور اصطلاحیں ہیں جو ہمارے دیگر از سخن سرایان فارسی زبان را بسر خوان بیدریغ خویش مہمان کند و در امان مہر و عطوفت خود بیورود۔

غزل سرائی اقبال

در این خطابه آثار اقبال را از نظر تأثیری کہ سبک ہندی سبک های عراقی و خراسانی در آن داشته است مورد بحث و ابعان نظر قرار میدہیم و مدعای خود را با شواہدی چند کہ از غزلیات او انتخاب شدہ است ثابت می کنیم۔

از سبک ہندی اثری کہ در اشعار اقبال دیدہ میشود یکی کا، گہ مضامین و افکاری است کہ در ضمن غزل و مثنوی ها و سایر آثار او مشاہدہ

(بر خلاف دورہ ہائے قبل) قابل ارزش اور قابل توجہ کلام پیش نہیں کر سکے۔

اس دوران میں فقط علامہ محمد اقبال لاہوری ہے جس نے فارسی شاعری کے نیم مردہ چراغ کو اپنے ملک میں از سر نو روشن کیا اور اس نے اس آسمانی نور اور جاویدان فروغ سے نہ صرف اپنے وطن پاکستان کو بلکہ زبان فارسی کے اصلی گہوارے یعنی ملک ایران کو بھی روشنی دی ہے۔ اور اسنے ایرانیوں کی آنکھوں کو (جو حسرت اور اندوہ سے ہندوستان میں فارسی ادب کی شمع فروزان کو بجھا ہوا اور تاریکی میں دیکھ رہی تھیں) روشنی بخشی ہے اور اسنے ایرانیوں کے دل میں یہ امید پیدا کر دی ہے

اخیر شعرا پارسی گوی کشور های دیگر بخلاف دورہ های قبل نتوانستند آثار نسبہ با ارزش و قابل توجہی داشته و باید گفت کہ تنها در این میان استاد محمد اقبال لاہوری بود کہ توانست چراغ نیم مردہ شعر فارسی را در کشور خود از نو بر افروزد و از فروغ جاودانی و نور آسمانی آن نہ تنها کشور پاکستان وطن خود را منور سازد بلکہ از دور دور لمعہ ای و فروغی بس تابناک بکشور ایران مہد زبان پارسی نیز بتابد و چشم ایرانیان را کہ با حسرت و اندوہ نگران خاموشی و تیرگی شمع فروزان شعر و ادب پارسی در ہندوستان بودند روشن کند و آنان را امیدوار و مطمئن سازد کہ ممکن است بار دیگر در این کشور پہناور زبان فارسی مقام و موقع دیرین خود را بدست آورد و باز ہم سر زمین ہنر دوست و ادب پرور ہندوستان و پاکستان شعرا مانند مسعود سعد سلمان و امیر خسرو و امیر حسن و صائب و کلیم و عرفی و فیضی و بسیاری

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو طرز اور ترکیب کی کیفیت کے لحاظ سے اقبال کا کلام جھٹی، سانویں اور آٹھویں ہجری کے فارسی شعری (یعنی عراقی طرز) کی تقلید ہے۔ اور معنی اور تفکر کے لحاظ سے (ان مواقع کو چھوڑ کر جہان جلال الدین محمد مولوی سے اثر بذریعہ اور اسکی بیروی اور تقلید کرتا ہے) اسکا کلام اسکا اپنا طبع زاد اور آزاد ہے۔

اقبال نے اپنی مثنوی زیادہ تر رومی کی طرز میں اور اسی وزن میں لکھی ہے اور اپنے دوسرے کلام میں جسمیں غزلیں بھی ناسل ہیں (اور جس کے متعلق ہم جداگانہ اظہار نظر کریں گے) دوسرے شعرا کی نسبت اسکی توجہ رومی پر متمرکز رہی ہے۔

مثنوی سرائی میں رومی کے بعد اسکی توجہ شیخ محمود شبستری کی طرف ہے اور مثنوی گلشن راز جدید کو اس نے اسی شاعر کی روش پر بطور کلی شعر اقبال از نظر اسلوب و کیفیت و ترکیب کلام تقلیدی است از سبک قرن ششم و ہفتم و ہشتم ہجری در شعر فارسی، یعنی دورہ سبک عراقی، و از نظر معنی و فکر، جز در مواردی کہ تحت تاثیر افکار جلال الدین محمد مولوی قرار میگیرد و از او کاملاً و تقلید میکند، در سائر موارد استقلال و ابتکار دارد۔

اقبال بیشتر مثنوی های خود را بروش مثنوی مولوی و باہمان سبک و وزن سروده است و در سایر آثار خود و از جملہ در غزلیات ہم — چنانکہ خواهد آمد — باشعار مولوی بیش از شعرا دیگر توجہ داشته۔

بعد از مولوی در مثنوی سرائی بشیخ محمود شبستری توجہ داشته و

ہاں کی مستعمل فارسی سے مختلف ہیں۔ اور انہیں ہم سبک ہندی کی باقی ماندہ اصطلاحات و ترکیبات کا حصہ خیال کر سکتے ہیں اور بعض کو وہ اصطلاحات اور الفاظ شمار کر سکتے ہیں جو مخصوصاً ہندوستان اور پاکستان میں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ اور غالباً اسی قسم کے بعض الفاظ ہیں جو ہمیں کہیں کہیں اقبال کی غزلیات اور دیگر کلام میں ملتے ہیں درحقیقت یہی الفاظ وغیرہ ہیں جو اسکے کلام کو کسی حد تک عراق طرز کی قدیم شاعری سے جدا کرتے ہیں۔

ان دو حالتوں کے علاوہ اقبال کے اشعار اس اسٹائل کا نمونہ ہیں جسکی طرف اسکی پوری توجہ تھی اور جس کی اسنے تقلید کی ہے۔ اس اسٹائل میں سب سے پہلے طرز عراقی اور دوسرے درجے پر طرز خراسانی کا نام لینا چاہئے۔

میکیم کہ تا اندازہ ای۔ آنہم نہ با دشواری و تکلف۔ سبک ہندی نزدیک میگردد و دیگر بعضی از اصطلاحات و ترکیبات کہ با اصطلاحات و ترکیبات زبان فارسی مستعمل درمیان ما تفاوت است و میتوان قسمتی از آن را باقیماندہ اصطلاحات و ترکیبات سبک ہندی و دنبالہ آن دانست و قسمتی دیگر را در شمار لغات اصطلاحات فارسی معمول در ہندوستان و پاکستان محسوب داشت و ہمیں گونه کلمات است کہ در بین غزلیات و سایر آثار او گاہگاہ بچشم می خورد و در حقیقت مهمترین وجہ امتیاز آثار او از اشعاری شعرای سبک قدیم عراق بشمار می آید۔

غیر از این دو مورد اشعار اقبال نمودار کامل سبکی است کہ بیشتر بدان توجہ داشتہ و از آن تقلید میکرده است و در این توجہ و تقلید باید نخست سبک عراقی و سپس سبک خراسانی را نام برد۔

جانا ہے لیکن اس امر کے ثبوت میں کہ اس نے خراسانی طرز شاعری کا مطالعہ اور تتبع کیا ہے بعض مخصوص اصلاحات طرز خراسانی اس کے اشعار سے بطور دلیل کے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ مخصوص الفاظ سبک عراقی کے دور دورے میں استعمال سے گر چکے ہیں اور سبک ہندی میں بالکل استعمال ہی نہیں ہوئے۔

اقبال کی غزل گوئی پر ڈاکٹر خطیبی نے ایک جداگانہ مقالہ لکھا جس سے ذیل اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

اس مقالہ میں ہمارا موضوع سخن اقبال کی غزل سرائی ہے۔

شعر کی دیگر اقسام میں بھی جدت مضمون، شعر کی ظاہری شکل وزن اور قافیہ کے لحاظ سے اقبال نے اپنے کلام کی عراقی طرز کے نزدیک لانے کی کوشش کی ہے۔ اور جیسا کہ اوپر اشارہ کرچکے ہیں اس نے صرف اسی حد تک ہندی طرز کلام کی طرف توجہ دی ہے اور اسکی پیروی کی ہے۔

دیوان او بسیار کم دیدہ میشود لیکن برای اثبات مطالعه و منبع و در سبک خراسانی استعمال بعضی از مختلف لفظی سبک خراسانی را در اشعار وی میتوان بعنوان سہمترین دلیل ذکر نمود زیرا یقین است کہ این مختصات در دورہ سبک عراقی از درمیان رفته و در سبک ہندی بکلی مورد استعمال نہ داسند است

در سایر اقسام شعر نیز در ابتکار از نظر مضمون و ڈہ تصرفاتی در قالب شعر و وزن و قافیہ حدود سبک را بطور کلی متناسب با سبک عراقی نگاہ داشتہ و در این قسمت از آثار خود ہم فقط بہان اندازہ کہ در سایر موارد اشارہ شد سبک ہندی توجہ نمودہ و از آن اقتباس و تقلید کردہ است .

لکھا ہے۔ اسکے علاوہ اپنی بعض مختصر مثنویوں میں بوستان سعدی، لیلی و مجنون نظامی کی بھی اس نے پیروی اور تقلید کی ہے۔ اس طرز شاعری کے شاعروں میں سے اسکو شیخ فخرالدین عراقی سے بھی دل بستگی تھی اور اس نے بار بار اس شاعر کا ذکر کیا ہے اور اسکے بعض شعروں پر تضمین لکھی ہے۔

دو بیتی میں زیادہ تر اسنے بابا طاہر کی روش کی پیروی کی ہے اور غزلسرائی میں حافظ اور روسی کا پیرو ہے۔

سبک خراسانی کے معروف شعرا میں سے منوچہری اور ناصر خسرو کا اثر اسکے دیوان میں پایا جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس طرز کا بھی اس نے کافی مطالعہ کیا ہے لیکن اس طرز کی شاعری کی تقلید اور پیروی کی طرف اسکا رجحان نہیں ہے لہذا قصیدہ اسکے کلام میں بہت کم پایا

مثنوی گلشن راز جدید را بروش این شاعر سروده . گزشتہ از این قسمت در بعضی از مثنوی های کوتاہ خود از بوستان سعدی و لیلی و مجنون نظامی ہم اقتباس و تقلید کرده است . همچنین از میان شعرای این سبک بشیخ فخرالدین عراقی نیز توجہی داشته و از این شاعر در ضمن آثار خود مکرر نام بردہ و بعضی از ابیات او را ہم تضمین کردہ است . در ساختن دو بیتی های خود بیشتر روش دو بیتی های بابا طاہر را بکار بستہ و در غزلسرائی چنانکہ بتفصیل خواهد آمد، پیرو حافظ و مولوی بودہ است . از میان شعرا ی معروف سبک خراسانی فقط بطور مستقیم آناری از منو چہری و ناصر خسرو در دیوان او دیدہ میشود و معلوم است کہ در این سبک ہم مطالعہ کافی محمودہ ولی تمایلی بہ پیروی و تقلید از آن نداشته است و بہمین مناسبت قصیدہ در

دوم۔ اقبال کا وہ کلام جسمیں مستقیم طور پر گو حافظ اور رومی کی پیروی اور تقلید نہیں کرتا (لیکن بعض الفاظ اور اصطلاحات سے قطع نظر جو بعض اوقات سبک عراقی کی حدود سے باہر استعمال کرتا ہے) ان دو مشہور شاعروں کے زیر اثر ہے۔ اقبال کے کلام کا یہی وہ حصہ ہے جسمیں اس نے غزل کے لئے اسی ردیف انتخاب کی ہیں جو حافظ اور دوسرے عراقی اسٹائل کے شعرا کے کلام میں موجود نہ نہیں۔

سوم۔ وہ غزلیں ہیں جو عموماً سبک ہندی کے زیادہ نزدیک ہیں۔ اسی غزلوں کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ لیکن اس حصہ میں بھی اقبال کی توجہ زیادہ تر سبک ہندی کے پہلے دور کی طرف تھی اور اسلئے اس کے کلام میں لفظ و معنی کے لحاظ سے اس اسٹائل کے آخری دوروں کا سکاف اور معنوی اور لفظی سسنی نہیں مائی جاتی۔

دوم۔ آثاری نہ ہر چند مستقیماً اتفاقاً و سبب غزلیات حافظ و مولوی نسبت لیکن در آن از حیث سبک و اسلوب باستانی لغات و اصطلاحاتی کہ آدھڑہ خانانہ گذشت خارج از حدود سبک عراقی بکار میبرد دلا ت تحت سابر روش این دو شاعر غزنسرای معروف برار دارد و در ہمیں سمت است کہ ردیف های برای غزل انتخاب میکند کہ در غزلیات حافظ و بعضی دیگر از غزنسرایان سبک عراقی سابقہ نداشته است۔

سوم۔ غزلیانی کہ روسہم رفتہ بسبک ہندی نزدیکتر شد و تعداد آن نسبت بہ سابر غزلیات او کمتر است در این قسمت کم و نیز بیشتر توجہ او بدورہ اول سبک ہندی بودہ و اشعارش از حیث لفظ و معنی از تکلفات و سستی های معنوی و لفظی او آخر این سبک بکلی دوراست۔

اس طرز شعر میں اقبال بہت بلند طبع اور صاحب ہنر ہے اور اسکی دو تصنیفات یعنی زبور عجم اور پیام مشرق کا زیادہ تر حصہ غزلیات پر مشتمل ہے۔

ان غزلیات کو نین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اول۔ وہ غزلیات جنہیں لفظ اور معنی کے لحاظ سے اس نے سبک عراقی کے معروف غزلسرا شعرا خاص طور پر حافظ اور رومی کا تتبع اور اقتباس کیا ہے۔ ان غزلیات میں وزن وقافیہ اور ردیف کے علاوہ وہ حافظ اور رومی کے استعمال شدہ ترکیبات کو بعینہ استعمال اور اقتباس کرتا ہے۔ بعض موقعوں پر تو مضمون اور طرز تفکر میں حافظ اور رومی کے بہت ہی زیادہ نزدیک ہے۔

اما در غزلسرائی کہ بیشتر در این خطابہ موضوع سخن ماست اقبال شاعرست بسیار بلند طبع و ہنر مند و قسمت زیادی از دو جلد اثر معروف او بنام زبور عجم ،، و پیام مشرق،، را غزلیاتش تشکیل میدہد کہ میتوان آنرا بسہ قسم تقسیم کرد ۔

اول۔ آنچه از حیث لفظ و معنی اقتفا و اقتباسی است از شعرای معروف غزلسرائی سبک عراقی بخصوص حافظ و مولوی ۔ در این آثار گذشتہ از وزن وقافیہ و ردیف قسمتی از ترکیبات مستعمل در غزلیات حافظ و مولوی را نیز عینا اقتباس کردہ و بکار بردہ و در بسیاری از مورد از حیث مضمون و فکر ہم بحافظ و مولوی سخت نزدیک میشود ۔

بسے اشعار بھی ستے ہیں جو استحکام لفظی ، لطف معنی اور غزل کی زیبائی کے لحاظ سے اس کے بیشتر اشعار سے کم درجہ کے ہیں ۔

اب ہم نمونے اور مقابلہ کی غرض سے اور سانسہ ہی اس ربایہ شاعر کے سرشار ذوق کے ثبوت کے طور پر چند غزلیں جو اس نے حافظ و رومی کی پیروی میں اور دو ایک غزلیں جو اس کی انی طبع زاد ہیں پیش کرتے ہیں ۔

حافظ کی اس غزل کی تقلید میں :

سرم خوش است و بیانگ بلند می گویم
کہ من نسیم حیات از بہانہ می جویم

ایں نے بہ غزل نمی ہے :

باین بہانہ دریں بزم محرومی جویم
غزل سراپم و بیغما آشنا گویم
بخلوتی کہ سخن میشود حجاب آنجا
حدیث دل بزبان نکہ می گویم
بی نصارہ روی تو می کنم پاکش
نکہ شوق بجوی سر شک می شویم

ربایہ سائر ابیات نمیرسد ۔

ایںک بعنوان نمونہ و برای مقایسہ و نیز از جہت اثبات فریجہ سرشار این شاعر پر مایہ چند غزلی از او را کہ بتقلید حافظ و مولوی سرودہ با یکی دو غزل از مبتکرات طبع وی در اینجا می آورد ۔ بتقلید این غزل حافظ کہ میگوید :

سرم خوش است و بیانگ بلند می گویم (الخ)
باین بہانہ دریں بزم محرومی جویم (الخ)

اختصار کے طور پر اقبال کے غزلیات کے متعلق (اور کئی وجوہات سے اسکے دیگر کلام کے متعلق) کہا جا سکتا ہے کہ وہ سرشار طبع اور خلاق ذوق کا مالک تھا اور اسکو فارسی زبان پر (جو اس نے صرف کتابوں سے مطالعہ کی اور تتبع اور تحقیق کے ذریعہ سیکھی) پورا تسلط تھا۔ اقبال مشکل ترین افکار اور دقیق ترین معانی کو لفظوں کے قالب میں لانے میں کامیاب رہا ہے اور اس کا بیان حشو و زوائد سے مبرا اور مختصر ، فصیح ، سلیس اور صحیح ہے۔ اور اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس سے کسی قسم کی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔

مجموعی طور پر فقط ایک اعتراض اسکے کلام پر وارد ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ سارا کام یکساں اور ایک جیسا نہیں اور اسکی قوت بیان، اعلیٰ قسم کی غزلیات اور دیگر اشعار کے پہلو بہ پہلو کہیں

آنچه بطور اختصار در باب غزلیات اقبال میتوان گفت و آنرا بسیاری جهات در مورد سایر آثارش نیز تعمیم داد طبع سرشار و قریحہ عالی و ذوق خلاق او در شاعری و تسلط کامل وی بزبان فارسی است کہ آنرا نہنہ بدرس خوانندہ و ازراہ تتبع و تحقیق در آثار شعر و نثر فارسی آموختہ توانستہ است مشکل ترین افکار و دقیقترین معانی را در قالب لفظ بریزد و با کمال دقت بدون حشو و زوائد با ایجاز توأم با فصاحت و سلاست و صحت بیان کند و هیچگونہ دچار اشتباہ نشود . فقط تنہا ایرادی کہ میتوان بطور کلی بر اشعار او گرفت آنست کہ آثاری یکدست نیست یعنی در میان ابیات محکم و متین و غزلیات شیوہ و سایر آثار او گہگہ بنمونہ اییاتی بر می خوریم کہ ازجہت استحکام لفظ و لطف و معنی و جمال اسلوب در درجہ فروتری قرار دارد و

کے جواب میں اقبال کی غزل کے پہلے دو بیت یہ ہیں :
جہان عشق نہ میری نہ سروری داند
ہمیں بس است کہ آئین حاگری داند
نہ ہر کہ طوف بنی کرد و بست ز ناری
صنم پرستی و آداب کافری داند

اور پھر حافظ کی مشہور غزل جسکا مطلع ہے :
خیزو در کاسہ زر آب طربناک انداز
بیشتر زانکہ کہ شود کاسہ سرخاک انداز
مندرجہ ذیل مطلع کی غزل جواب میں کہی ہے :
دگر آنوب قیامت بکف خاک انداز
سافیا ہر جگرہ سعلہ نمناک انداز

مندرجہ بالا چند نمونے ہیں ان غزلوں کے جو اس نے حافظ کی پیروی میں
کہی ہیں اسکے علاوہ حافظ کی بہت سی اور غزلوں کے قافیہ میں تھوڑی
بہت تبدیلی کے ساتھ جواب کہے ہیں۔ اب ہم چند نمونے ان غزلوں کے
پیش کرتے ہیں جو اس نے رومی کی غزلیات کے طرز پر کہی ہیں۔

صورت نپرستم من بتخانہ شکستم من
آن سیل سبک سیرم ہر بند گستم من
در بود و نبود اندیشہ گما نہا داشت
از عشق هویدا شد این نکته کہ هستم من
در دیر نیاز من در کعبہ نماز من
زنار بدوشم من تسبیح بلستم من

صورت نپرستم من بتخانہ شکستم من (الخ)

چو غنچہ گرچہ بکارم گرہ زند و لیک
ز شوق جلوہ گہ آفتاب میرویم
چو موج ساز وجودم ز سیل بی پرواست
گمان میرکہ در این بحر ساحی جویم
حافظ کی اس مشہور غزل :

جز آستان توام در جہاں بناہی نیست
سر مرا بجز این در حوالہ کھی نیست
کا جواب ہوں ہے :

اگرچہ زنب سرش افسر و کلاہی نیست
گدای کوی تو کمتر ز پادشاہی نیست (الخ)
حافظ کی ایک اور غزل جسکا مطلع ہے :

کنون کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود
بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود
یہ غزل کہی ہے :

بہار تا بہ گلستان کشید بزم سرود
نواں بلبل شوریدہ چشمہ غنچہ کشود
اور بہ غزل :

بہ شاخ زندگی ما نمی ز تشنہ لبی است
نلاش چشمہ حیوان دلیل کہ طلبی است
حافظ کی اس غزل کے جواب میں ہے :

اگرچہ عرض ہنر پیش یار بی ادبی است
زبان خموش ولیکن دہان یر از عربی است
اور حافظ کے اس مطلع کی غزل :

نہ ہر کہ چہرہ بر افروخت دلبری داند
نہ ہوکہ آئینہ سازد سکندری داند

بردگیان بے حجاب من بخودی در شدم
عشق غیورم نگر میں تماشا کراست
مضطرب میخانه دوش نغمہ دل کش سرود
بادہ چشیدن خطاست بادہ کسیدن رواست
زندگی رھروان درتگ وتاز است و بس
قافله سوچ را جادہ ومنزل کجاست
سعدہ در گیر زد بر خس و خاشاک من
مرشد رومی کہ گفت منزل ما کبریاست

ذیل کی دو غزاییں اقبال کی مخصوص طرز غزل سرائی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے
اور ان میں اسکا ابکار (Originality) اور تقلید دونوں ظاہر ہیں :

تو باین گمان کہ شاید سر آشیانہ دارم
بطواف خانہ کاری بخدائے خانہ دارم
سرز نریدہ رنگم مگذر ز جلوہ من
کہ بتاب یکدو آنی تب جاودانہ دارم
نکنم دگر نگاہی برہی کہ طی نمودم
بسراغ صبح فردا روش زمانہ دارم
یم عشق کشتی من ، یم عشق ساحل من
نہ غم سفینہ دارم نہ سر کرانہ دارم
شرری فشان ولیکن شرری کہ وا نسوزد
کہ ہنوز نو نیازم غم آشیانہ دارم

تو باین گمان کہ شاید سر آشیانہ دارم (الخ)

سرمایہء درد تو غارت نتوان کردن
اشکی که زدل خیزد در دیده شکستم من
فرزانه بگفتارم دیوانه بکردارم
از بادۀ شوق تو هشیارم و سستم من
اسی طرز میں یہ غزل ہے :

فرقی ننهد عاشق در کعبه و بتخانه
این جلوت جانانه ، آن خلوت جانانه
شادم که مزار من در کوی حرم بستند
راهی ز مژہ کاوم از کعبه به بتخانه
هر کس نگہی دارد ، هر کس سخنی دارد
از بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ
در دشت جنون من جبریل زبون صیدی
یزدان بکمند آور ای همت مردانہ
اقبال به منبر زد رازی کہ نباید گفت
نا پخته برون آمد از خلوت میخانه

یہ دلکش غزل بھی رومی کی پیروی میں ہے :
گریہء ما بی اثر ناله ما نارساست
حاصل این سوز و ساز یک دل خونین نواست
در طلبش دل طہید، دیرو حرم آفرید
ما بہ تمنای او، او بہ تماشای ماست

فرقی ننهد عاشق در کعبه و بتخانه (الخ)
گریہ ما بی اثر ناله ما نا رساست (الخ)

آقای مجتبیٰ مینوی اور اقبال

آقای مجتبیٰ مینوی فارسی، عربی اور انگریزی ادبیات میں غیر معمولی دسترس رکھتے ہیں۔ علمی، ادبی، تنقیدی اور تاریخی مسائل پر صدہا مقالے اور متعدد کتابیں آکھے قلم سے نکل چکی ہیں اور اب کا شمار ایران کے حوی کے علما اور ادبا میں ہوتا ہے۔

آپ کی تالیف ”اقبال لاہوری“، سب سے پہلی کتاب ہے جو ابن اور اسکے کلام کو اعلیٰ ایران سے روشناس کرانے کی غرض سے لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں مجلہ یغما کی طرف سے شائع کی گئی۔

مجتبیٰ مینوی کئی سال لندن میں مقیم رہے اور لندن ہی کے قیام کے زمانے میں بعض پاکستانیوں کے توسط سے وہ اقبال کے کلام اور پیام سے آشنا ہوئے۔ جیسا کہ انکی تحریروں اور تقریروں سے ظاہر ہے وہ اقبال کی شاعری اور اسکے وسیع علمی اور ادبی مطالعہ سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

آقای مینوی لکھتے ہیں:-

”اقبال کی شاعری کا مہم ترین پہلو اسکا نفس مضمون اور اسکے مقاصد ہیں اور چونکہ اس رسالے میں جو اقبال سے آشنائی کرانے کی غرض سے لکھا گیا ہے اس کے کچھ اشعار بھی درج کئے گئے ہیں، اس لئے

مہمترین جنبہ شاعری اقبال معانی و مقاصد اوست و چون در این رسالہ ای کہ بر ای معرفی او نوشتہ ام مقداری از اشعار او درج است لازم میدانم کہ قبلاً ذهن شما را متوجہ این مطالب کنم کہ از قرن ہشتم

از همه کس کناره گیر صحبت آشنا طلب
همز خداخودی طلب همز خودی خدا طلب
از خلش کرشمه ای کار نمی شود تمام
عقل و دل و نگاه را جلوه جدا جدا طلب
عشق بسر کشیدن است جمله کائنات را
جام جهان نما مجو، دست جهان کشا طلب
راهروان برهنه پا راه تمام خار زار
تا بمقام خود رسی راحله از رضا طلب
چون بکمال می رسد فقر دلیل خسروی است
مسند کیقباد را در ته بوریا طلب
پیش نگر که زندگی راه بعالمی برد
از سر آن چه بود رفت در گذر انتها طلب

از همه کس کناره گیر صحبت آشنا طلب (الخ)
(نقل از مجله یغما ۱۹۵۳)

جسطرح ہم کئی عربی کلمات کو انکے عربی زبان میں اصلی معنوں سے مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور ترکی کے لوگ فارسی اور عربی کے الفاظ کو انکے اصلی مفہوم سے مختلف معنوں میں استعمال کرتے ہیں اسی طرح ہندوستانیوں (اور افغان اور تاجیک لوگوں) نے بھی فارسی اور عربی کے بہت سے الفاظ کے معنوں کو بدل دیا ہے۔ اور اردو یا فارسی اشعار میں بہت سے الفاظ کام میں لاتے ہیں جو شکل کے لحاظ سے تو فارسی یا عربی ہیں لیکن ان الفاظ کا مفہوم اہل ہند کے لئے اس مفہوم سے جو ہمارے ذہن میں آتا ہے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ اسی قسم کا فرق ان کتابوں میں با شعروں میں بھی پایا جاتا ہے جو ایران کے مختلف حصوں میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً غزنوی اور سجوقی بادشاہوں کے عہد میں فہم میں تصنیف شدہ کتاب یا اصفہان میں لکھے ہوئے اشعار استعمال الفاظ و بیان همانطور کہ ما بسیاری از کلمات عربی را بتغیر از آن معنای کہ در زبان عربی دارد بکار میبریم و ترکھا خیی از کلمات فارسی و عربی را بمعنای دیگر استعمال میکنند ہندیہا (و افغانیہا و تاجیکہا) ہم معنای عدہ زیادی از الفاظ فارسی و عربی را تغیر دادہ اند وجہ در اردو وجہ در اشعاری کہ بفارسی میسر آیند الفاظی بکار میبرند کہ صورت آنها فارسی یا عربیست ولی مفہومی کہ از آنها بذہن ما میآید یا مفہومی کہ بذہن اہل ہندوستان میآید اندک تفاوت دارد۔ این اندازہ تفاوت گھی در کتابہا و اشعاری نیز کہ در ولایت مختلفہ ایران نوشتہ و سرودہ شدہ است مشہود میشود چنانکہ در عصر غزنویان و سلجوقیان کتابی کہ در قہ نوشتہ میشد یا شعری کہ در اصفہان سرودہ میشد یا شعری کہ در طوس گفتہ میشد یا کتابی کہ در ہرات تصنیف میشد از حیثیت استعمال کلمات و معانی برخی از الفاظ قدری متفاوت بود۔ در

لازم ہے کہ میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی طرف مبذول کروں کہ آٹھویں صدی ہجری کے بعد ایران اور ہندوستان کی فارسی میں کچھ فرق پیدا ہو گیا تھا اور ان دو ملکوں میں زبان فارسی نے مختلف راہیں اختیار کر لیں۔ قدیم زمانے میں فارسی کی انشا میں جو جملہ بندی کا طریقہ رائج تھا ایران معاصر میں متروک ہو چکا ہے لیکن ہندوستان میں ابھی تک قائم ہے۔ مثال کے طور پر اقبال کا مصرع ”سر آمد روزگار این فقیری“، شباهت رکھتا ہے کلیلہ دسنہ بہرام شاہی کی اس عبارت سے کہ ”و آن لذت حقیر چنین غفلتی عظیمہ در راہ داد“، اور اسی سے ملتی جلتی مثال میں نے ملک الشعرا بہار کے کلام میں بھی دیکھی ہے۔ لیکن اصولاً جب کبھی کسی کلمہ کو بای وحدت کے ساتھ ’آن‘، ’این‘ کے بعد استعمال کریں تو لازم ہے کہ اس کے بعد ایک توصیفی جملہ جو حرف ’کہ‘ کے ذریعہ موصوف سے مربوط ہو لایا جائے مثلاً ”این فقیری کہ دست بجانب ما دراز کردہ است۔۔۔“

ہجری بعد بتدریج بین فارسی ہندوستان و فارسی ایران تفاوتی پیدا شدہ است و در ہریک از دو مملکت این زبان در خط خاصی سیر کردہ و بنوعی تحول پذیرفتہ است۔

در تلفیق جمل شیوہ های در قدیم الایام در زبان فارسی مرسوم بودہ است کہ امروز در ایران متروک شدہ است ولی در ہندوستان ہنوز ہم متداول است مثل این مصرع اقبال۔ سر آمد روزگار این فقیری، کہ شبیہ است باین عبارت کلیلہ و دمنہ بہرام شاہی ”و آن لذت حقیر چنین غفلتی عظیمہ بدو راہ داد“، و من جملہ ای شبیہ باین دریکی از اشعار آقای ملک الشعرا بہار نیز دیدہ ام ولی ہر گاہ کلمہ ای را بایائی وحدت بعد از آن یا این بیاوریم بعد از آن یک جملہ ”توصیفی باید بیاید کہ با حرف کہ، بموصوف مربوط شدہ باشد مثلاً ”و این فقیری کہ دست بجانب ما دراز کردہ است۔۔۔۔۔۔۔“

اسکی فارسی زبان سے آشنائی ہندوستان اور ایران کے قدیم شعرا اور اثنا پردازوں کی تصنیفات کے ذریعہ سے ہوئی اور اسے ایران آئیکا کوئی موقع نہیں ملا۔ اور بہت ممکن ہے کہ جو ایران معاصر میں کتابیں لکھی گئی ہیں اسکی نظر سے نہ گذری ہوں۔

بہر حال اقبال ایک عظیم المرتبت اور صاحب قدرت شاعر ہونیکے حیثیت سے حق رکھتا ہے کہ انہی مضامین کو بیان کرنے کی غرض سے کلمات کے استعمال میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلی اور تصرف کرنے۔

مقام اقبال

جب تک میں نے محمد اقبال کی تصنیفات کا مطالعہ نہیں کیا مجھے بہر حال این را ہموارا باید در نظر داشت کہ محمد اقبال اردو زبان بودہ و در پنجاب نشو و نما درہ و بیش استادانی کہ فارسی زبان نبودہ اند درس فارسی خواندہ و آشنائی او با زبان فارسی از راہ کتب شعرا و نویسندگان ہندوستان و گویندگان قدیم ایران بودہ و ہرگز با بایران نگذاشتہ است و از آنچہ در عصر او در ایران نوشتہ و منتشر شدہ است شاید چیزی نمدہ و نخواندہ باشد و بواسطہ اینکہ شاعر بزرگ و گویندہ فادریست باید او را محض و مجاز بدانیم کہ بعضی تصرفات در کلمات کہ برای ادعای مقاصد خود بکار میرد، بنماید و بجای آنکہ الفاظ و تعبیرات او را مورد عیبجوی و خوردہ گیری قرار دہیم باید ممنون باشیم کہ این شاعر بزرگ کہ زبان مادریش اردو بودہ است زبان فارسی را وسیلہ بیان مقاصد فلسفی و علمی خود و افکار بلند شاعرانہ خود کردہ است۔

من تا وقتی کہ تالیفات و تصنیفات محمد اقبال را نخواندہ بودم

معنی کے لحاظ سے طوس اور ہرات کے علاقہ میں لکھی ہوئی کتابوں سے کسی حد تک تفاوت رکھتے تھے۔

ہندوستان، افغانستان اور تاجیکستان میں یہ فرق گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں اور بھی بڑھ گیا ہے۔ حتیٰ کہ بمض الفاظ جو ایران میں عابیانہ خیال کئے جاتے ہیں اور ادبی شعر میں استعمال نہیں کئے جاتے ہندوستان میں فصیح اور ادبی خیال کئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اقبال کو اپنا مطلب اور مقصد بیان کرنے کے لئے گاہ گاہ ایسے الفاظ کی ضرورت پیش آئی جو فارسی زبان میں موجود نہ تھے یا اسکو دستیاب نہیں ہوئے اور اس نے مجبوراً عام رائج فارسی سے ایک لفظ انتخاب کر کے مجازاً اسے اپنے مطلب کے مطابق وسیع تر معنوں میں استعمال کر لیا ہے۔ مثلاً 'خودی، کا کلمہ۔ بہر حال اس بات کو ہمیشہ مد نظر رکھنا چاہئے کہ اقبال کی اپنی زبان اردو تھی پرورش اس نے پنجاب میں پائی اور فارسی ایسے اساتذہ سے پڑھی جنکی مادری زبان فارسی نہ تھی۔

ہندوستان و افغانستان و تاجیکستان مخصوصاً در این صد و پنجاہ سالہ اخیر دامنہ این تفاوت بتدریج و سیعتر نیز شدہ است و حتیٰ این کہ برخی از کلمات کہ در ایران جزُ الفاظ عامیانہ محسوب میشود و در شعر حسابی استعمال نمیشود در ہندوستان بلقب فصیح ادبی شمرده میشود۔

از این گذشتہ اقبال برای بیان معانی و مقاصد خود گاہی محتاج الفاظی شدہ است کہ در فارسی وجود نداشته و یا اینکه او پیدا نکرده است و بناچار یکی از الفاظ معمولی و متداول فارسی را گرفته و از طریق مجاز و توسیع بمعنائی کہ در نظر داشته است بکار برده مثل لفظ خودی کہ بعدہا در معنی و مفہوم آن بحث خواہیم کرد۔

مختلف پہلوؤں سے غور کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ گذشتہ سو سال کے عرصہ میں یقیناً ایران میں کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جسکو من حیث المجموع محمد اقبال کے مقابلے میں پیش کیا جا سکے۔ اور ممکن ہے کہ مشرقِ ممالک بھی اس لحاظ سے ہم سے بہتر ثابت نہ ہوں۔ اس بیان سے میرا مطلب یہ ہے کہ محمد اقبال ایسا شاعر نہ تھا جسکو غمِ تصور پر برا شاعر کہا جاتا ہے۔ وہ شاعر تھا جس نے اپنے زمانہ کے علوم اور فضائل کو حاصل کیا اور اپنی زبان کے علاوہ خارجی زبان میں شعر کہے۔ اس نے یورپ کی زبان (انگریزی) میں جتنی علمی اور فلسفیانہ کتابیں لکھیں۔ کچھ اعلیٰ رسمی مغل و ملت جا وہ سیاسی دستکیش میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس نے علمی زندگی کے لیے ایک خاص طریقہ اور تصور کی بنیاد رکھی اور لوگوں میں اسکی سنسن کی۔

اقبال کے عقائد

اقبال اور اس کے عقائد اور تعلیم کے متعلق متعدد کتابیں انگریزی میں لکھی گئی ہیں اور میں نے ان میں سے سات آٹھ کا مطالعہ کیا ہے۔

اقبال کا شعر اس کے مقاصد کے بیان کا ایک ذریعہ تھا اور اس کا بود و بونی کہ در ہمہ جنبہ های مختلف زندگانی او مینگرم می بینم در ایران مسما ما هیچکس در این یکصد ساله اخیر ندانسته ایم که من حیث المجموع با محمد اقبال قابل قیاس باشد و شاید ممالک دیگر مشرق نیز از این حیث نظیر ما باشند من میدانم۔

اقبال شعر را وسیله پیش بردن مقصودی کرده بود کہ انگیزتن

سمجھ نہیں آیا کہ ہندوستان کے مسلمان کیوں اسکی اسقدر تعریف کرتے ہیں۔ لیکن اب جبکہ میں اقبال کی تصنیفات سے واقف ہو چکا ہوں میں ان کی تعریف کو بالکل جائز سمجھتا ہوں۔ اسمیں کوئی مبالغہ نہیں اور جو کچھ وہ اقبال کے متعلق خیال کرتے ہیں سب بجا ہے۔ اقبال ایک صاحب قدرت شاعر اور بلند خیال فلاسفر تھا اور وہ زندگی کے لئے سعی و کوشش کا معتقد تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کو زندگی کی حقیقت سے واقف کرے۔ اسکی قوت کلام اور شعر کا اثر اس قدر تھا کہ اگرچہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہندوستان کے کئی کروڑ مسلمان اس کے لئے ایسے ہی احترام کے قائل ہیں جو ایک ملہم اور صاحب کتاب پیغمبر کے پیرو اپنے نبی کے لئے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے جوش و خروش اور پھر ہندی مسلمانوں کی ایک اسلامی حکومت کی تشکیل کے لئے سعی و کوشش اقبال کی سیاسی تعلیم کا نتیجہ تھی۔ جب ہم اقبال کی زندگی پر مختلف

نمیدانستم کہ چرا مسلمین ہند دربارہ او این اندازه غلو و مبالغہ میکنند۔ اما اکنون کہ بازادگان طبع او آشنا شدہ ام عقیدہ ایشان را موجه ببینم عبارتہ الآخرہ مبالغہ نیست۔ آنچہ دربارہ او معتقدند بجاست اقبال شاعر قادر و حکیم بلند فکری بود کہ او خود اہل کار و کوشش و زندگی بود و میخواست کہ دیگران را نیز بکار و کوشش وادارد و از معنای زندگی مستحضر سازد و قوت کلام و نفوذ سخن او بجای بود کہ بی آنکہ ادعای رسالت کردہ باشد امروزہ میلیونہا نفر از مسلمین ہند بی آنکہ او را فرستادہ خدا بدانند نسبت با و احترامی دارند کہ پیروان یک نبی ملہم و پیغمبر صاحب کتاب نسبت با او دارند و مقدار زیادی از شور و شوق اہل ہند با آزادی و سعی مسلمین ہند در راہ تشکیل یک دولت اسلامی در ہند بر اثر تعلیمات سیاسی محمد اقبال

اور بعض اوقات اقبال قدما کے مضامین کو اخذ کر کے اس سے نئی قسم کے بدیع اشعار پیدا کرتا ہے۔ اسکی مثال سعدی کی حکایت ہے جس سے نعام اعر مطالعہ آتسا ہیں۔ اقبال نون شروع کرتا ہے۔

مرا معنی نازہ ای مدعا است
اگر گفته را باز گوئید رواست
.. بکی فطرہ بازار ز انری حکید
خجل شد جو سہنای دریا بدد
نہ جانی کہ درناستن نسیم:
گر او هست حنا کہ من نسیم..

اقبال قدیم شعرا میں سے ان صوفی شاعروں ۵ جو نرف دنیا کی تعلیم دتے ہیں مخالف ہے۔ اسرار خودی میں بیہڑوں کے پیغمبر کی زبان سے انکی تعلیم کو بیان کرتا ہے جو صوفیوں کے اس خیال کے مترادف ہے کہ :-

چشم بند و گوش بند و لب بند
نا رسد فکر تو بر چرخ بند

و کبھی مضمونی ازگفته، قدما گرفته در آن دست میبرد و سر بدیع نازہ ای از آن بوجود می آورد مثل این حکایت کہ اصل آن از سعدی است و لابد ہمہ خوانندگان آنرا میشناسند : مرا معنی نازہ ای مدعا است (الخ)

از میان شعرا و گویندگان قدیم بالآخر با صوفیای کہ بترک دنیا گفته بودند و نفس خود را کشتہ بودند مخالفت دارد . در اسرار خود . قول پیغمبر کوسفندگان این گفته را نقل میکند کہ نظیر عقیدہ صوفیہ است چشم بند و گوش بند و لب بند (الخ)

مقصد لوگوں کو بیدار کرنا اور انکو ایک واحد تصور اور مقصود کے
جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرنا تھا۔

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ابست
سوی قطار میکشم ناقہ بی زمام را

محمد اقبال اپنے آپ کو اہل درد شعرا میں شمار کرتا ہے اور
وہ شوق اور آرزو، کو لوگوں کے دلوں میں جوش زن دیکھنا چاہتا ہے۔
وہ ان شعرا کے مخالف ہے جو درد سے بیگنہ ہیں اور دوسروں کے مصائب
سے متاثر نہیں ہوتے۔

اسکے مضامین عاریتی نہیں ہیں۔ جب کوئی نیا مضمون اسکے
ذہن میں آتا ہے تو اس کا دل دھڑکنے لگتا ہے۔

خیالم کو گل از فردوس چیند
چو مضمون غریبی آفریند
دلہ در سینہ میلرزد چو برگی
کہ بر وی قطرہ شبنم نشیند

مردم و جمع کردن و متحد کردن ایشان در زیر لوای یک فکرو مرام
اساسی باشد۔ نغمہ کجا و من کجا؟ ساز سخن بہانہ ایست (الخ)
محمد اقبال خود را از شعراى صاحب درد می شمارد و می خواهد کہ
شوق و آرزو را در دل دیگران بجنب و جوش آورد۔ با شعرائی کہ درد
ندارند و از عذاب دیگران متاثر نمیشوند مخالف است۔
مضامین او عاریتی نیست و ہر گہ مضمون تازه ای بفکرش میرسد دلشی
می طہد : خیالم کو گل از فردوس چیند (الخ)

اقبال کے نزدیک حنی موت کی آرزو کرنا اور اس جہان سے زندگی سے
دبیرداستہ ہو جانا جائز نہیں

سخن از بود و نابود جہان با من چہ میگوئی
من این دنیا نہ در من حسرت زمانہ من در من حسرت

اگرچہ اقبال صوفیانہ زندگی اور صوفیوں کی عملی روش کا محاسب ہے اسکے
بعض افکار کا سر حشمہ قدما کا عرفان اور تصوف ہے۔ مثلاً وحدت وجود کا
مسنہ جسکو صوفیہ اتحاد کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس سے انکی
مراد یہ ہے کہ دنیا اور مافیہا میں سوائے خدا کے کوئی چیز وجود نہیں
رہی اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہے اور اسی بنا پر حسین بن منصور
حلاج، "انانی" کا نعرہ لگاتا تھا۔ اقبال بھی اس اصول کو مانتا ہے
مگر اقبال کے نظریہ میں یہ فرق ہے کہ صوفی کہتا ہے انسان اپنے نفس کو
فنا کر دے اور خدا کی ذات میں غرق ہو جائے۔ لیکن محمد اقبال کہتا ہے
کہ اپنے نفس سے آشنائی پیدا کرو اور اپنی خودی پر دھیان دو اپنی ذات
و حتیٰ این کہ تمنای مرگ کردن و از حبات این جہانی دل برداشتن
جائز نیست : سخن از بود و نابود جہان با من چہ میگوئی (الخ)
با آنکہ محمد اقبال با زندگی صوفیان و در روندہ عملی آنان مخالف است
بعضی از افکار و اصول عقاید او از عرفان تصوف قدما آب میخورد۔ از آن جملہ
است اصل وحدت وجود کہ صوفیہ از آن بنفذ اتحاد، تعبیر میکنند و مراد
از آن اینست کہ دنیا و مافیہا جز خدا نیست و باین اعتبار ہر کسی ہم
خداست و حسین بن منصور حلاج از این جہت بود کہ انانی میگفت۔
اقبال نیز این اصل را قبول دارد منتہیٰ با این تفاوت کہ صوفی میگفت باید
انسان نفس خود را فانی کند تا در خدا مستغرق شود ولی محمد اقبال دستور

لیکن اقبال اسکے برعکس کہتا ہے -
چشم و گوش و لب گشا ای ہونمند
کز نبینی راہ حق بر من بخند

اقبال مشرقی تصوف اور مسلم غنی فلسفہ کو جو افلاطون کے افکار کے زیر
اثر ہے انسان کی پسماندگی کا سبب سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کو
یوں نہیں خیال کرنا چاہئے بلکہ اسکو ذات انسانی کی وسعت اور اسکے
مقام کو بلند درجہ ذریعہ گردانا چاہئے -

کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر
تخہ معیم ارباب نضر
ای کہ از تاثیر افیون خفته ای
عالم اسباب را دون گفتم ای
خیز و واکن دیدہ مخمور را
دون مخوان این عالم مجبور را
غایتی توسیع ذات مسلمست
استحان ممکنات مسلمست

ولی اقبال میگوید : چشم گوش و لب گشا ای ہوشمند (الخ)

تصوف شرقی و فلسفہ عقلانی قدیم کہ از فکر افلاطون آب خوردہ است
ہر دو را مایہ عقب ماندن از کاروان تمدن تشخیص میدہد و میگوید کہ دنیا
را نباید دون خواند بلکہ آن را وسیلہ توسعہ ذات و بالا بردن مقام نفس
دانست : کوہ و صحرا دشت و دریا بحر و بر (الخ)

رکھتا ہو معشوق نک رسائی حاصل کر سکتا ہے - اقبال کہتا ہے :

دماغم کافر زنار دار است
بتان را بندہ و پروردگار اس
دلہ را بین کہ ناند از غم عسقی
نرا با دین و آیینم چہ کار است:

از حرف دلاویزش اسرار حرم پیدا
دی کافر کی دیدم در وادی بطنحا مس

مغرب کے صاحب نظروں اور مشرق کے صاحب دلوں کے درمیان بڑا فرق
ہے کہ مشرق، عشق و نظر، کو اہمیت دیتے ہیں اور اسکی پیروی
کرتے ہیں اور اہل غرب عقل و خبر کے دلدادہ ہیں -
نشان راہ ز عقل ہزار حیلہ مہرس
بیا کہ عشق کمالی ز یک فنی دارد
فرنگ گرچہ سخن با ستارہ میگوید
حذر کہ شیوہ او رنگ جوزنی دارد

انسان بعشق است و عاشق طالب بہر مذہب و دینی کہ باند بدوست راہ
خواہد برد : دماغم کافر زنار دار است (الخ)

و تفاوت عمدہ ای کہ بین صاحب نظران مغرب زمین صاحبان مشرق زمین
موجود است از ہمیں رہگذر است شرقیان عشق و نظر را مہم میدانند و از آن
پیروی میکنند و اہل غرب بعقل و خبر گرائیدہ اند
نشان راہ ز عقل ہزار حیلہ مہرس (الخ)

اور شخصیت کو تربیت اور وسعت دیکر اس قابل بناؤ کہ زمین پر خدا کی
نیابت حاصل کر لے اور خدا کو اپنے اندر سمیٹ لے اور اس کے ساتھ ملکر
ایک ہو جائے: —

کرا چونی چرا در پیچ و تاب؟
کہ او پیداست تو زیر نقاب
تلانی او کنی جز خود نبینی
نلاش خود کنی جز او نیابی

اور ایک اور جگہ کہتا ہے:

چنان با ذات حق خلوت گزینی
ترا او بیند و او را تو بینی
بخود محکم گذار اندر حضورش
مستو ناپید اندر بحر نورش

دوسری بات جسمیں اقبال صوفیا کی پیروی کرتا ہے یہ ہے کہ انسان کا طرہ
امتیاز، ”عشق“، ہے۔ عاشق طالب خواہ کسی دین اور مذہب سے تعلق
میدہد کہ نفس را بشناسید و در خودی خود غور تعمق کنید و ذات خود را
تربیت و توسعه داده مستعد آن کنید کہ نایب خدا در زمین بشود و سایہ
خدا بشود و خدا را در خود بگنجانید و با او یکی شود۔

کرا چونی چرا در پیچ و تاب؟ (الخ)

و در جای دیگر گوید: چنان با ذات حق خلوت گزینی (الخ)

امر دیگری کہ در آن اقبال اقتدا بصوفیہ میکند اینست کہ امتیاز

ڈاکٹر کچکینہ کاظمی اور اقبال

ڈاکٹر کچکینہ کاظمی ایران کی ماہ ناز خانوں پر ایران اور
، دستان کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ نہ صرف اس لئے کہ تحصیلات علوم،
اور وسیع معلومات اور مضامعات گونا گوں کے لحاظ سے وہ نہ ننیر ہیں
بلکہ اس لئے کہ انی سہ سرکاری اور غیر سرکاری اور شخصی مصروفیتوں کے
بوجود اس خانوں نے انجمن فرهنگی ایران و پاکستان کی بنیاد ڈالی اور
نفرتاً ایک سال تک کے عام اخراجات اپنے دمہ لئے اور بیسمار جلسوں کا
انتظام اپنے ہی مکان پر کیا۔ انجمن خوانین ایران کے متعدد جلسوں میں
پاکستان اور اقبال پر مسلسل تقریریں لیں اور انی معنوی اور اخلاقی
کمک کے علاوہ پاکستان اور اقبال کو ایرانی حلقوں سے روشناس کرانے
کے لئے ہزارہا روپے اپنی جیب سے خرچ کرنے میں دریغ نہ کیا۔ ڈاکٹر
کاظمی اکثر کہا کرتی ہیں کہ ہم ایرانی خواہ کتنی ہی کوششیں
کریں اقبال کا احسان نہیں انار سکتے۔ اس نے نہ صرف فارسی زبان کو
بلکہ ہماری روایات اور علمی ادبی تاریخ کو شبہ فادہ ہند و پاکستان
میں زندہ کیا اور خود ہمیں اپنی گذشتہ دھچل عظمت کا احساس دلایا ہے۔

۱۹۵۲ میں انجمن کز خواتین پاکستان کے جلسے میں ایران کے
نمائندہ کی حیثیت سے ڈاکٹر کاظمی نے شرکت کی۔ ڈاکٹر کاظمی تقریباً
دنیا کے تمام ترق یافتہ ممالک کا سفر کر چکی ہیں اور انکی تالیفات فارسی،
انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں طبی، سونل اور ادبی موضوعات پر
موجود ہیں۔

لیکن حق بات تو یہ ہے کہ انسان کو چاہئے مغرب کے عقلی علوم اور
مشرق کے عشق و عرفان دونوں سے ہمہ مند ہو۔

خرد افزود مرا دوس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحبان

مغرب کے فلاسفر اور حکما کا اقبال احترام کرتا ہے اور مغربی علم و حکمت
کا حاصل کردہ اہل مشرق کے لئے ضروری سمجھتا ہے لیکن اس کے باوجود
اس کا اصلی عقیدہ یہ ہے کہ مغربی علم و حکمت اہل مشرق کے لئے نجات
اور رستہ داری کا راستہ نہیں کیونکہ ان کا تفکر عشق سے خالی ہے :

حکمت و فلسفہ داریست نہ پایانش نیست
سبی عینی و محبت بدبستانش نیست
دست و ٹھہار نوردید و غزالی تکرفت
طوف گشتن زد و یک گل بگریانش نیست
چارہ اینست کہ از عشق گستادی طلبم
نیش او سجدہ گذارم و مرادی طلبم

حق اینست کہ انسان از عقل مغربیان و عشق مشرقیان ہودو با نصیب باشد
خرد افزود مرا دوس حکیمان فرنگ (الخ)

با وجود احترامی کہ نسبت باین فلاسفہ و حکما مغرب زمین دارد و با
آنکہ تحصیل علم و حکمت و فلسفہ غربی را برای مشرقیان ضروری می شمارد
معتقد است کہ نجات و رستگاری مشرقیان از این راہ نیست زیرا کہ فلسفہ و
حکمت از عشق خالیست .

حکمت و فلسفہ کا رست کہ پایانش نیست (الخ)

ہمیشہ ایرانی شعر و ادب کا مرکز رہا اور آج بھی اقبال مرحوم کی خدمات کی وجہ سے اس سہرے نے اپنا مقام بحیثیت ایرانی ادب اور زبان کے مرکز کے محفوظ رکھا ہے۔ میں نے یہاں بعض ایسے مردوں اور عورتوں سے ملاقات کی جو زبان فارسی میں شعر بھی کہہ سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بات میرے محترم سنیے وانوں کے لئے تعجب کا باعث ہو۔ لیکن فی الحقیقت تعجب کی کوئی بات نہیں۔ پاکستان ۱۹۷۴ء میں اس لہجہ اور ادبی بیداری اور تحریک کی بنا پر وجود میں آتا جسکی بنیاد اقبال نے رکھی تھی اور آج سے سوئی پچاس سال سینئر اقبال می نے فارسی ادب، افکار اور زبان کو زندہ کرنے کے لئے کوشش شروع کی تھی۔

اقبال نے نہ صرف پاکستانیوں کو رومی ایسے بڑے شعرا اور مفکرین کا مطالعہ اور پیروی کرنیکی نصیحت کی بلکہ اس نے خود نہایت مرحوم اقبال موقعیت خود کا بعنوان مرکز زبان و ادبیات ایران حفظ شدہ است۔ من در اینجا مردان و زنانی را ملاقات کردم کہ حتیٰ میتوانند بزبان فارسی شعر بسازند شاید ان حقیقت باعث تعجب منو شدن محترم بسود وں در واقع جای تعجب نیست۔

پاکستان در اثر بیداری و جنبش معنوی و ادبی کہ سالودہ آن از طرف علامہ اقبال گذشتہ شدہ بود در سال ۱۹۷۴ء بوجود آمد۔ در حدود پنجاہ سال قبل اقبال برای احیای زبان فکرو ادبیات ایرانی در سبہ قارہ ہند و پاکستان شروع بمبارزہ کرد۔

او زبان فارسی کا برائی اہم ترین افکار و عقاید خود انتخاب نمود۔ اقبال نہ تنہا پاکستانیان کو یہ کہ آثار شعرا و مفکرین بزرگ

پاکستان کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے خواتین اور ان کے جلسہ میں ڈاکٹر کاظمی نے فرمایا ، ”میں کئی ترقی یافتہ ممالک میں اس سے پہلے سفر کرچکی ہوں اور میرے لئے اس نئے ملک میں جانا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ میں نے پاکستان میں دیکھا دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں دیکھا تھا۔ اور وہ چیز پاکستان کے لوگوں کی ایران سے غیر معمولی محبت اور دوستی ہے جس کا بیان کرنا سیری طاقت سے باہر ہے پاکستانی ہمارے ادب اور ہمارے بڑے بڑے عالموں اور ادیبوں پر استدر فخر کرتے تھے کہ مجھے دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کیونکہ آجکل کی دنیا میں ایسے پاکیزہ احساسات بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔ سب سے دلچسپ چیز جو میں نے پاکستان میں دیکھی شہر لاہور ہے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے لاہور غزنویوں کا پایہ تخت تھا اور اسوقت کے بعد

من قبلہ بہ چند کشور سر، دیگر مسافرت کردہ بودم لذا مشاہدہ این کشور جدید برایم نازگی نداشت اما در پاکستان من چیزی دیدم کہ در هیچ کشور دیگری مشاہدہ نکردہ بودم و آنچیز فوق العادہ علاقہ و دوستی زائد الوصف اہالی پاکستان نسبت بہ ایران بود۔ پاکستانیہا بحدی بہ ادبیات بزرگان علم و ادب ما افتخار میکردند کہ مرا دچار شگفت و تعجب نمودند زیرا در دنیای امروز چنین احساساتی پاک کمتر نظیر دارد۔ بزودی دریافتم کہ چرا ملت پاکستان اینقدر ابراز احساسات دوستانہ با ایران بینماید و چرا اہل علم و ادب آنکشور افتخار میکنند از مقام بزرگان گذشتہ و معاصر ایران سخن بگویند و بشنوند۔ جالب ترین چیزی کہ در پاکستان دیدم خود شہر لاہور بود۔ لاہور بطوریکہ ہمہ میدانند سالہا پایتخت غزنویہا بودہ و از آن موقع مہد شعر و ادب ایران میباشد و تا باہروز در نتیجہ خدمات

ان دنوں جب مشرق کے لوگ غام طور پر مغرب کے شعرا اور مفکرین (جنکے ساتھ انکو کسی قسم کی روحانی علیق نہیں) کی پیروی کرتے ہیں اقبال اپنی سیراز اور جبریز سے وابستگی برقرار رکھ رہا تھا۔ ”مجھے دیکھو، چونکہ میرے بغیر ہندوستان میں کسی اور کو نہیں دیکھ سکو گے۔ یہ ایک برہمن زادہ روم اور جبریز کے اسرار سے آشنا ہے۔“

قبل کے اشعار اسے روان اور محرک ہیں اور ہر شخص کو جسے فارسی شاعری سے دلچسپی ہے محفوظ کرنے میں لیکن جس حد تک اس کی شاعری میں نفس اور زبانی دلائل سے نہیں صرف فکر و احساس کے معانی میں اس کا غمیدہ ہے بلکہ انسانی ترقی اور سعادت خشک نہیں بلکہ احباب میں نہیں بلکہ روحانی ادراک میں مضمر ہے۔ اصل یہاں ہے کہ خشک روز افروں مردم ایران و یا کستان ایرانیات کہ یہ شروع محسن اور اشعار شاعری قبل نموده اند بلکہ از اندام بزرگ احساس اشعار مکتبہ در زمانہ مردم صرف عموماً عادت کردہ بودہ از شعرا و مفکرین غرب کہ محکومہ برستیکی معنوی با آنها ندارد۔ بروی اندام او قبل اشعار مکتبہ کہ خود را وابستہ جبریز و سیراز بداند، دیکھو۔“

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر ہی نہیں
برہمن زادہ رمز آسانی روم و سیراز

بعضی از اشعار او ہم محرک میباشند کہ ہر شخص علاقہ مند بشعر فارسی را محفوظ میسازد۔ ولی آنچه بیش از سوائی و زبانی در شعر او اہمیت دارد توجہ او بہ معنویات است۔ اقبال معتقد بود اسرار بیشترت و سعادت مربوط بمباحثات خشک منطقی نیست بلکہ در ابراز احساسات معنوی نہشتہ است۔

بلند پایہ اشعار لکھے جن میں آجکل کے جوانوں کی بیداری کے لئے نئے خیالات بیان کئے۔ یہ بڑی حد تک اقبال کے اشعار کا اثر تھا کہ ملت پاکستان میں ایک نئی روح پیدا ہو گئی۔ اسی وجہ سے رفتہ رفتہ ہمارے دل میں اس مرد بزرگ کے متعلق گہرے احترام کے احساسات پیدا ہو گئے ہیں اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ جس طرح اقبال پاکستان کا قومی شاعر ہے ایران کا بھی اسی حد تک قومی شاعر ہے۔ میرے خیال میں اقبال نے جو ایرانی ادب اور زبان کی خدمت کی ہے کسی برفی ملک کے شاعر نے نہیں کی۔ افسوس کی بات ہے دو گذشتہ سالوں میں ایرانیوں اور پاکستانیوں کے درمیان میل ملاپ نہیں تھا اور اسوجہ سے اقبال اس ملک میں جہاں سے اس نے فیض حاصل کیا مسہور نہ ہوا۔ لیکن اب ایرانیوں اور پاکستانیوں میں روز افزوں دوستانہ تعلقات کے زیر اثر ایرانی نہ صرف اقبال کے اعلیٰ کلام کی تعریف کرتے ہیں بلکہ اس کے وجود پر فخر محسوس کرتے ہیں۔

مانند روسی را مضاعف و بروی کنند بلکه یک سلسلہ اشعار عالی سرود کہ در آن برای پیدائی جوانان 'مروزی افکار جدید' بکار برد. تاثر شعر اقبال بود کہ تا حد زیادی یک روح جدید در ملت - کسان بوجود آورد. از اینروست کہ بدریج احترام و احساسات عمیق نسبت باین مرد بزرگ پیدا کردیم. ما حس میکنیم کہ اقبال همان انداز کہ شاعر ملی پاکستان میباشد شاعر ملی ایران نیز هست بنظر من خدمتی کہ اقبال بزبان و ادبیات ایران کرده کمتر شاعر خارجی در کشور دگر نیست بکنور ما نموده است.

متأسفانه در طی سالهای گذشته ایرانیان و پاکستانیها چندان رابطه و تماس نزدیکی نداشته اند و بهمین علت اقبال هرگز در کشوری کہ تمام الهامات خود را از آنجا اخذ نموده شہرتی نداشت ولی اکنون در اثر دوستی

بیروی کرو۔ اقبال کہتا ہے،، مرشد رومی کو اپنا ہمراہی بناؤ۔ تاکہ
خدا تمہیں سوز و گداز عطا کرے،، اس طرح اقبال نے نہ صرف مشرق
کے طرز فکر کی راہنمائی کی بلکہ عصر حاضر کے لوگوں کے افکار کو
مغرب کے بے جان اور مادی افکار سے نجات دلائی اور معنویت و روحانیت
کو زندہ کرنے میں مدد کی ہے۔

اقبال کی شادیوں میں فارسی شاعری کی سادہ طرز اور خوبیاں جمع ہو گئی
ہیں۔ جب ہم اقبال کے نامساعد ماحول کو جسمیں وہ رہنا نہا
نصو میں مجسم کرتے ہیں تو اسکی دہائی جو اسے مختلف اور گونا گوں
انواع کے اسعار لکھنے میں ہوئی ایک علمی اور ادبی معجزہ معلوم دیتی ہے۔

رباعی، مثنوی، غزل و قطعات اخلاقی جو ہم اقبال کے کلام میں
دیکھتے ہیں نہ فقط ہمیں بزرگترین شعرا اور عرفا کی یاد دلاتے ہیں بلکہ
نوانستہ اند ارتباطی بین فکر و احساسات سدا دیندہ کبد لردہ و میکوید ۔

پیر رومی را رفیق راہ ساز
تا خدا بخشد ترا سوز و گداز

ہاں ہر این اقبال نہ تنها از جہت طرز فکر مشرقیان را راہنمائی نموده بلکہ
برای آزاد نمودن نسل حاضر از مادیات و افکار بیروح غرب و همچنین احیای
معنویات و ایمان کمک نموده اس ۔ در آثار اقبال تمام زبانیہای و شیوہای
و سبکهای مختلف شعر فارسی جمع است ۔ مویبکہ ما محیط ناساعدی را کہ
اقبال در آن زیست میکرد بخاطر بیاوریم موفقیت او در ہزار بردن انواع مختلف
مثنوی شعر فارسی مانند یک معجزہ ادبی و علمی بنظر میرسد ۔ رباعی
و مثنوی، غزل و قطعات اخلاقی کہ در آثار اقبال بآنها بر میخوریم نہ فقط

ظاہری احساسات انسان کی سعادت پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم روحانی احساسات کو قبول کر لیں۔ اقبال اپنے پیام میں یورپ کے علما کو یوں خطاب کرتا ہے :-

اے باد صبا میری طرف سے دانای فرنگ کو کہو
کہ جب سے عقل نے پر لٹھوئے ہیں پہلے سے بنی زیادہ گرفتار ہو گئی ہے
یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ تو اعجاز مسیح اپنے اندر رکھتا ہے
تعجب تو اس بات پر ہے کہ تیرا بیمار پہلے سے زیادہ بیمار ہے
تو نے عجم نو حاصل کر لیا ہے مگر دل کو کھو دیا ہے
افسوس کہ یہ گراں مایہ چیز تو نے کھو دی۔

اقبال اسی ضمن میں تاکید کرتا ہے کہ ایران کے بڑے شعرا اور مفکروں کی جو تفکر اور احساسات کے درمیان امتزاج پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں اقبال میکوند کہ احساسات خشک ظاہری تاثیر در سعادت بشر ندارد و اکنون موفع آنست کہ ما خود را تسلیم احساسات دوستی و معنوی نمائیم . اقبال در پیام خود بدانشمندان غرب چنین میکوند :

از من ای باد صبا گوی بدانای فرنگ
عقل تا بال گشوده است گرفتار تراست
عجب آن نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب اینست کہ بیمار تو بیمار تراست
دانش اندوخته دل ز کف انداخته
آہ از آن نقد گرانمایہ کہ در باخته

اقبال همچنین با پیروی از متفکرین و شعرا بزرگ ایرانی کہ

ترقی اور مادی بہبودی کی راہ میں حائل ہے حمہ کرنا ہے۔ وہ مشرق و مغرب کو صالح و صحت مند نمکر کی دعوت دت ہے اور نصیحت کرنا ہے نہ مادی اور معنوی افکار کی صحیح طور پر آمیزش کریں۔ اقبال کے خیالات اور اس کے کلام سے سیاسی اجتماعی اور اخلاقی مسائل کے حل کے نئے ایک نیا طریقہ وجود میں آنا ہے اس کے خیال میں نہ ضروری نہیں نہ مغرب اسے سرز فکر کو مسروق ہر یا مسروق اسنے عقائد کو زبردستی مغرب پر نیوسنے کی نوسس کرے۔ اقبال کے نزدیک روح انسانی کے نکرے نہیں لٹے جا سکتے اور ہماری زیادہ تر محسوس شخصیت انسانی کے ظاہر و باطن کے افتراق کا نتیجہ ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:

مشرق نے حق کو نو دیکھا مگر کائنات کو نہ دیکھا

مغرب کائنات میں کھو گیا اور حق سے دور ہو گیا

اقبال با مہارت و بیطرفی از نظریات مادی مغرب انتقاد نموده و از طرف دیگر (روحانیت) دروغی کہ شرق را از ترقی و بہبودی مادی دور نگاہداشتہ است محکوم میسازد۔ او ہر دو را دعوت بہ فکر صالح و سالم نموده سازش و امتزاج افکار مادی و روحی را توصفہ مینماید۔

آثار و عقاید اقبال زمینہ نوینی بر ای حل مشکلات اجتماعی و سیاسی و اخلاقی بوجود آورده است۔ بعقیدہ او موجبی ندارد کہ غرب طرز فکر خود بر شرق و یا برعکس مشرق عقاید خود را بر مغرب تحمیل نماید۔ اقبال میگوید کہ روح انسانی غیر قابل تکنیک است و بیسر بد بختیہای روحی و مادی مادر نتیجہ افتراق در ظاہر و باطن شخصیت بشر بوجود آمدہ است۔

شرق حق را دید و عالم را ندید

غرب در عالم خزید از حق رمید

ہماری توجہ اور اشتیاق کو انکی روحانی عظمت کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ لیکن جو چیز سب سے زیادہ اقبال کے اشعار کو دلپذیر بناتی ہے اور اسکی ہر دل عزیز کو بڑھاتی ہے اسے اختصار و ایجاز کلام، اسکا نیا بن اور استائن اور معنی میں تنوع ہے جو اسکے اشعار میں پایا جاتا ہے شعر میں فلسفیانہ باتیں بڑھنے والے کو تھکا دیتی ہیں۔ لیکن اقبال فلسفی اور عرفانی باتوں کو رنگ و نغزل کی سیریشی میں اسے سمو دیتا ہے کہ پڑھنے والے کو معنوم بھی نہیں ہوتا۔ اقبال کا کلام سہرا تر کر گیا ہے۔ اقبال نے خود کہا ہے: نہ اقبال کے دلکش شعر سے معلوم کر سکتے ہیں کہ وہ فلسفے کا سبق بھی دے رہا ہے اور عشق و عاشقی میں بھی مشغول ہے،۔۔۔

اقبال نے نہایت خوبی اور بے طرفی سے مغرب کے مادی نظریات کی تنقید کی ہے اور ساتھ ہی مشرق کی برخود غلط روحانیت پر جو مشرق کی ما را زیاد بزرگترین شعرا و عرفا میاندازد بلکہ توجہ و اشتیاق ما را دوبارہ بعظمت معنوی آنها معضوف میدارد۔ ولی آنچه بیسیں از ہر چیز اشعار اقبال را دلپذیر میسازد و بر محبوبیت او میافزاید ایجاز کلام و اختصار بیان و ابتکار و تنوع سبک و مطالبی است؛ کہ در آثار او یافت میشود۔ مطالب فلسفی شعر را بشکل خستہ کنندہ ای در می آورد۔ اما اقبال مطالب فلسفی و عرفانی را با شریینی تغزل چنان آمیزش میدہد کہ خوانندہ بدون اینکه متوجہ باشد تحت تاثیر کلام او قرار میگردد۔ خودش گفتہ است:۔

ز شعر دلکش اقبال میتوان دریافت

کہ درس فلسفہ میداد و عاشقی ورزید

کئی مصنف گذشتہ اور حال میں ایران کی ادبی اور تمدنی وراثت پر کتابیں لکھ کر اپنے نئے حیات جاوید حاصل کر چکے ہیں اور انہوں نے ایران کی ادبی، فلسفیانہ اور تمدنی عظمت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

نکن آج ایران اقبال کی خدمت میں خراج تحسین پیش کر رہا ہے۔

اگر دہ کی فکر و تخیل اور طرز بیان کے لحاظ سے جنی اصناف ہیں وہ سب کی سب اقبال کے لہجہ میں جمع ہیں۔ اقبال کے لئے شاعر مسرور کا غیب نہیں مناسب ہے۔ اور نہ ایرانیوں کے لئے مزید امتیاز کا موجب ہے۔

نوٹکہ جیسا کہ اقبال کے ”پیام مسرور“ سے شاعر نے ایران میں اقبال کے مسرور کی نمائندگی کرتا ہے۔ ”پیام مسرور“ سر زمین مسرور کے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے۔

پیام مشرق میں ہم رباعیات، قطعات، مثنوی، ساقی نامہ، خالص اخلاق شاعری، گذشتہ اور حال کی سب سے اور معاشقہ تعریکیں، تنقید، تعریف سے دو چار ہوتے ہیں لیکن سب سے بڑھکر دلربا اور سحر آمیز اقبال کی شاعری کا غنائی پہلو ہے جو ایرانیوں کو بہت زیادہ اپیل کرتا ہے اور اور انسان اقبال کے الفاظ اور ترکیبات کے انتخاب پر تعجب کرتا ہے۔

رخت بکشمیر کشا کوہ تل و دمن نگر

سبزہ جہان جہان بین لالہ چمن چمن نگر

لالہ زخاک بردمید موج بہ آبجو تپید

خاک شرر شرر بین آب شکن شکن نگر

یہ خاص شعر کی دنیا ہے اور اقبال کو اس پر تسلط ہے۔

کشمیر کی پر بہار فضا سے اقبال نہایت آسانی سے ہمیں خاک عرب کے

اقبال نے عقاید کی جنگ اور ایسے بحث اور مباحثہ کی جس سے کوئی مثبت اور مفید نتیجہ ہاتھ نہ آئے مخالفت کی ہے وہ لگاتار کوشش کرنیکی تلقین کرتا ہے :

تیشہ کی ضرب سے گوہ بیستون کو توڑ دے
کیونکہ وقت کلم ہے اور آسمان پر کچھ اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔
اور فلسفیوں کو اس بحث میں مشغول رہنے دے
کہ آیا شرر تیسہ سے نکلتا ہے یا پنہر سے۔

مقام اقبال

ایران کے ایک شہری کے لئے (ایران جس نے روسی، حافظہ، سعدی، فردوسی اور بیسیوں دیگر شعرا کو جنم دیا) پاکستان کے فلسفی شاعر اقبال سے آشنائی اور ارتباط پیدا کرنا باعث فخر ہے۔

ایران اپنی تاریخ کی تاریک ترین مراحل میں بھی اپنی ان غیر فانی اور جاودان خدمات کی وجہ سے جو اس نے دنیا کے علوم و ادبیات اور تمدن کے لئے انجام دی ہیں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔

اقبال بحث و مباحثہ و جنگ عقاید کا کہ نتیجہ مثبت و مفید ندارد
بشدت محکوم نموده و بہ سعی پیہم توصیه کرده است .

بضرب تیشہ بشکن بیستون را
کہ فرصت اندک و گردون دو رنگ است
حکیمان را در این اندیشہ بگذار
شرر از تیشہ خیزد یا ز سنگ است

گہی بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش
گہی دروں سینہ مرغان بہ ہا و ہوست
در خاکدان ما گہر زندگن گہ است
ابن گوہری کہ گہ شدہ ما ایم نا نہ اوست

ان اشعار میں ایرانیوں کو دیوان شمس تبریزی کا جیوہ رومی کے
مخصوص و اہم نامہ بن اور جوش و حرارت کے ہمراہ نظر آتا ہے۔

اقبال کے شعروں کا رومی کے اشعار سے مقابلہ کرنے سے ہم اس
نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگرچہ اقبال اور رومی کی روح ایک ہی ہے
اقبال کے درز بن میں ایک نیا بن اور نازگی نئی جاتی ہے جو فقط
اقبال ہی کا حصہ ہے۔

اقبال کی روح شہراز اور تبریز کے سرچشموں سے بہا بہ ہوئی اور
ہم ان شہروں کے شعرا سے اسکی عقیدت کا راز بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔
لیکن جو چیز ہمیں حیرت میں ڈالتی ہے یہ ہے اسکی بے سابقہ
موت بیان اور اسکا ابتکار (Originality) ہے جو اقبال پرانے فرسودہ
مضامین اور روایاتی تشبیہوں اور استعاروں کے استعمال میں دکھانا ہے۔
اس کے نئے نئے لفظ اور ترکیبیں تراشنا تو ممکن نہ تھا مگر اس نے
پرانے الفاظ اور اصطلاحات کو نئے معنی بخشے ہیں۔

اگرچہ راہ همان است کاروان دگر است



کے وسیع ریتلے ٹیلونکی طرف کھینچ لیجاتا ہے - جہاں ہم ایک بدوی کو
اونٹ پر سوار ریت کے سمندر پر گامزن دیکھتے ہیں اور شتر سوار کا گیت
ہمارے کانوں میں گونجنے لگتا ہے -

ناقہ سیار من ، آہوی تاتار من ، درہم و دینار من ، اندک و بسیار
من ، دولت بیدار من

تیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

در تپش آفتاب ، غوضہ زنی در سراب ، ہم بشب ماہتاب ، تند روی
چوں شہاب ، چشم تو نادیدہ خواب

نیز ترک گامزن منزل ما دور نیست

اقبال اپنی پہلی مثنوی کے مقدمہ میں کہتا ہے کہ مجھسے خوانساری
اور اصفہانی فصاحت اور قوت بیان کی توقع نہ رکھی جائے۔ لیکن
حقیقت یہ ہے کہ ہم اقبال کے کلام میں خوانسار و اصفہان کی فنی اور
ہنری خوبیوں کے علاوہ شیراز کے نغمہ کی شیرینی اور آتش تبریز بھی
موجود پاتے ہیں -

فصل بہار این چنیں بانگ ہزار این چنیں

چہرہ کشا ، غزلسرا ، بادہ بیار این چنیں

باد بہار را بگو پی بخیاں من برد

وادی و دشت را دھد نقش و نگار این چنیں

اور

ما از خدای گم شدہ ایم او بجستجو است

چوں ما نیازمند و گرفتار آرزوست

ڈاکٹر اقبال اور شعر فارسی

آجکل ہندوستان کا عالی قدر فلسفی سر محمد اقبالؒ باقبال ہے۔ اقبال نے اپنے اردو اشعار کے ذریعے اپنے هموطنوں کے لئے لطف اندوزی کا سامان فراہم کیا ہے لیکن اسکے پہلو بہ پہلو اسکے فارسی زبان میں سرس نغمے نعم آسیا میں گونج رہے ہیں۔ غرباً جس سال سے اقبال اردو کے استاد نعرا میں مشغول ہوتا ہے اور اسنے اردو شاعری میں نئے فلسفیانہ مضامین، حب وطن اور حب ملت کے جذبات داخل کئے مگر آخر کار اسنے محسوس کیا کہ زبان اردو اسکے خیالات کے اظہار کے لئے کافی وسعت نہیں رکھتی اور صرف فارسی زبان میں جو آسیا کی عام اور دم سے علمی زبان کی حیثیت رکھتی ہے، وہ اپنے تصورات اور مکنونات کو بہتر بیان کر سکتا ہے۔ اس لئے اب چند سال سے اقبال اپنے عالی خیالات کو فارسی زبان کے قالب میں دھال کر طوطی شکر شکن یا بلبل شیراز کی شکل میں نمودار ہوا ہے۔

فیسوف بزرگ امروز عند دلت سر محمد اقبال است متخلص بہ اقبال کہ نہ بہا گوشت هموطن خود را از سرود های اردو متلاذ ساختہ بکہ در فضای نعم آسیا نغمہ های شیرین فارسی او طنین انداز است دلت اقبال یک ربع قرن ز اساتذہ میرز شعر اردو بودہ قدمہای سریعی در تجدید شاعری زدو، ادخال مضامین جدیدہ فلسفہ و حب الوطن والحدہ در آن برداشتہ آخر احساس نمود کہ قالب اردو برای افکار وسیعہ او تنگ است و فقط فارسی کہ زبان عام آسیا و زبان علمی قدیم دنیا بودہ میتواند خزانہ گنج تصورات او باشد از این جہت چند سال است کہ افکار عالیہ خود را در قالب فارسی میرزد و طوطی شکر شکن شدہ یا بلبل شیراز گشتہ است۔ اقبال یک شاعری عادی

اقتباس از مقالہ سید محمد علی داعی الاسلام

مرحوم داعی الاسلام نظام کالج حیدرآباد میں فارسی کے معلم تھے اور اپنے وسیع مطالع اور علوم نقلی و عقلی میں دسترس کی وجہ سے اہل علم میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے۔ داعی الاسلام (جہانتک مجھے معلوم ہے پہلے ایرانی ہیں جنہوں نے اقبال کے کلام اور اسکے پیغام پر اظہار نظر کیا ہے۔ داعی الاسلام مدت سے حیدرآباد میں سفیر نئے اور چند سال ہوئے وہیں انکا انتقال ہوا۔ ایران میں اقبال بہت دیر سے پہنچا اور پہلا نسبتاً مفصل مقالہ جو ایران میں (۱۹۷۵) میں منتشر ہوا سید محبط طباطبائی کے قلم سے ہے۔

اگرچہ مرحوم کی زندگی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گذرا، داعی الاسلام معاصر ایران کے ادب اور فضلا میں شمار ہوتے ہیں اور ان کا مقالہ سب سے پہلا مقالہ ہے جو اقبال کے متعلق فارسی زبان میں لکھا گیا۔ اور خاص بات جسکا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں یہ ہے کہ یہ مقالہ اقبال کی سب سے مفہ فارسی تصنیف جاوید نامہ کے منتشر ہونے سے کئی سال پہلے لکھا گیا تھا مگر داعی الاسلام اسکی یہی تصانیف کی بنا پر بھی اقبال کے لئے ایک بہت بلند اور غیر معمولی شاعر اور متفکر کے رتبہ کے قائل ہیں اور اسکی یہ ہیستگونی کہ اقبال کے کلام کی بدولت فارسی شاعری کو ہندوستان میں دوام حاصل ہو جائیگا درست ثابت ہو رہی ہے۔ اسکے علاوہ داعی الاسلام نے محسوس کیا کہ باوجود گذشتہ شعرا کی تقلید اور پیروی کے اقبال کے کلام میں ایک نیا ن اور جدت ہے جو اسکو دیگر شعرا سے ممتاز کرتی ہے اور اسنے بعض معاصر علما کے برخلاف اقبال کے حملہ کی جو اس نے قدیم بے جان تصوف پر کیا، تائید کی ہے۔ ذیل میں آٹھویں سید داعی الاسلام مرحوم کے مقالہ سے جو ذاکتر اقبال اور شعر فارسی کے عنوان کے تحت انہوں نے تقریباً تیس سال قبل لکھا اور حیدرآباد میں چھپوا کر منتشر کیا اقتباس درج کرتے ہیں۔

کہ منصوص تمام افراد اسلامی کا اتحاد ہے مگر اس کے مخالف صرف سارے
ہندو اور اہل علم لوگ ہیں جن کے مخالف میں اس مدت کی مدت ہے۔ اس
نئے میں نے اپنے اسعار علمی زبان میں کہے ہیں تاکہ اس کے اسرار ناخبروں
کے زبانوں تک نہ پہنچیں اور نہ اہل اسرار کا ذہن انکو خود بخود
سمجھ سکے۔ لہٰذا جیسا کہ اسرار خودی میں خود کہا ہے :

نکتہ ۵۰ چون نفع فولاد است نیز

گر نمی فهمی ز بیس ما گریز

یعنی ”جو نکتے میں بیان کر رہا ہوں فولادی سوار کی مانند بران ہیں۔
اگر وہ نہیں سمجھ سکتا تو میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ اقبال عصر جدید
کے بہترین معلم دہمہ اور عالم لوگوں میں سے ہے اور اس نے دہمہ اور
جدید علوم کا گہرا مطالعہ کیا اور علم و دانش کے خزانوں سے شہوار
میں جن نئے اور انکو شاعری کے بازار میں بیس کر رہا ہے۔ اقبال ان
تمام افراد اسلام است لیکن مخاطب او طبعہ عالم و دانشمندان است۔
قید ملت را در دست دارند از ازل جب اسعار خود را در زبان علمی
میکوید تا اسرار او را گوشت ناخورد نشنود و مغز نا اہل شیخ نفہم چنانچہ
در نسب ”اسرار خودی“ خود میکوید۔

نکتہ ۵۱ چون نفع فولاد است نیز

گر نمی فهمی ز بیس ما گریز

اقبال از بہترین علما و تربیت یافتگان عصر جدید است کہ در علوم
قدیمہ و جدیدہ تخصص یافتہ از گنج دانش خود گوہر های شہوار بر چیدہ
در بازار عام شاعری بمعرض بیع در آورده بہای کہ میخواہد مغز بیدار و دل

اقبال کوئی معمولی شاعر نہیں ہے جس نے اپنے آپ کو ایک عاشق تصور کر لیا ہو اور گل و بلبل شمع و پروانہ، قمری و سرو کے ارد گرد فصاحت اور بلاغت کے نمونے گڑھ کر سننے والوں کے لئے محض ایک سماعتی لذت پیٹس کی ہو۔ اقبال ایک فصیح البیان اور ایک معین نصب العین رکھنے والا راہنما ہے۔ اقبال کا بلبل کرۂ مریخ کے تناہین کا شکار کرتا ہے۔ اس کے گلاب کی بو ناہید تک پہنچتی ہے اور اس کی شمع تمدن عالم کی بزم کو روشن کرتی ہے۔ اس کی قمری سرو بوستان کی بجائے طوبی کی بلندیوں پر بیٹھ کر حقیقی معرفت کی جستجو میں کوکو کر رہی ہے۔

اقبال چاہتا ہے کہ نسل انسانی بہتر اور بلند تر مقام پر پہنچنے اور مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کو بھی پیش نظر رکھے۔ اقبال چاہد ہے کہ ملت اسلامی کے افراد جو تمام زمین پر منتشر ہیں، یک دلی اور یک جہتی کے طائفہ ایک ملت واحد بن جائیں اور مادی اور معنوی ترقی حاصل کر کے دوسری قوموں کے لئے قابل رشک مقام حاصل کر لیں۔ اقبال

نہیں کہ خود را عاشق فرضی ساختہ از تلیق گل و بلبل و شمع و پروانہ و قمری و سرو و فصاحتی با بلاغتی احداث کردہ فقط یک لذت استماعی بہ سامع دہد بلکہ یک قائد نظف دارای نصب العین است بلبل اقبال شاہین کرۂ مریخ را صید میکند و بوی گلش بہ ناخیم مبرسد شمعش بزم نسلن عالم را روشن می سازد۔ قمریش عوض سروستان برفراز طوبی در تجسس معرفت حقیقی کوکو میگوید۔ اقبال میخواہد نسل انسانی بہتر شود و بالاتر رود و باوجود ترقیات مادیہ تجلیات روحانیہ را ہم مطلوب خود سازد۔ اقبال میخواہد تمام افراد امت اسلامیہ کہ بر بسط زمین منتشر نزدیک دل و یک جہت و یک ملت شدہ در دانش جسمانی و تعالیٰ روحی رشک مثل دیگر انسانی گردند۔ مقصود اقبال

غالب مرحوم نے اس پر یہ شعر اضافہ کیا۔
ز جامی بہ عرفی و طالب رسید
ز عرفی و طالب بہ غالب رسید

اور اب ہم یہ دو شعر اور پڑھا سکتے ہیں :
چو غالب ز ہندوستان رخت بست
بجای وی اقبال دانا نشست
یقین دان سخن دانی باستان
بماند بہ ہندوستان جاودان

اقبال ایک اسے زمانے میں پیدا ہوا جبکہ تمام مسلمان سست اور کاہل
اور سعی و عمل کو چھوڑ چکے ہیں اور اسی لئے تمدن نے کاروان سے
نیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ جو ہر انسانی اور خودی کی قوت سے بے خبر اور
غالب مرحوم بر آں این شعر را اضافہ نموده .

ز جامی بہ عرفی و طالب رسید
ز عرفی و غالب بہ غالب رسید

حالانکہ میتوانہ بر آں این دو شعر را اضافہ کنیم .
چو غالب ز ہندوستان رخت بست
بجای وی اقبال دانا نشست
یقین دان سخن دانی باستان
بماند بہ ہندوستان جاودان

اقبال در عصری است کہ ہمہ تمہیل شدند و دست از سعی و
عمل برداشتہ از قافہ تمدن خیلی عقب افتادہ و از قدرت جوہر انسانیت و

موتیوں کی جو قیمت چاہتا ہے وہ صرف ایک بیدار مغز اور دردمند دل ہے
تاکہ اس سودے سے قائدین اسلامی فائدہ اٹھا سکیں۔

اگرچہ ہندوستان کے فارسی شعراء کا ایک خاص رنگ ہے جو انکے
کلام میں نمایاں ہے لیکن اقبال کا طرز مرزا اسد اللہ خان غالب سے
(جو نصف صدی پہلے گذر چکا ہے اور اردو کا بہت بڑا شاعر تھا) زیادہ
شبہت رکھتا ہے۔ اس خیال کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالب
کے بعد ہندوستان اقبال کے وجود سے روشن ہے۔

کسی قدیم شاعر نے اساتذہ سخن کی جا نشینی کے متعلق ایک مثنوی
لکھی ہے جس کا آخری شعر یہ ہے :

ز خسرو چو نوبت بہ جامی رسید

بہ جامی سخن را تمامی رسید

دردمند است اقبال افکار تازہ آورده و میخواهد کاروان قائدان اسلام را
مستفیض سازد .

اگرچہ در اشعار اساتذہ کہ در ہندوستان نمایاں شدند یک رنگ مخصوص
است کہ در کلام تمام نمایاں است لیکن سبک اقبال شبہت بیشتری
بسبب میرزا اسد اللہ غالب مرحوم کہ نیم قرن قبل در ہند میزیستہ و استاد
شعر فارسی و اردو بودہ دارد و ازین جہت میتوانیم و بگوئیم بعد از غالب چشم
ہندوستان بوجود اقبال روشن است یکی از شعرای قدیم مثنوی ای در باب
جا نشینی اساتذہ سخن از یکدیگر گفتہ کہ شعر آخرش این است .

ز خسرو چو نوبت با جامی رسید

بہ جامی سخن را تمامی رسید

ہوگا۔ کیا اس سے سنائی، عطار، رومی اور حافظ جیسے بزرگوں کی توحین نہیں ہوتی؟ اسمیں تک نہیں کہ اسرار خودی کے منتشر ہونے کے بعد بعض لوگوں کی طرف سے شور و غوغا بلند ہوا اور حتی اقبال بعد کے ذہن سے وہ اشعار جو اس نے واضح طور پر حافظ کی تنقید میں لکھے تھے خارج کرنے پر مجبور ہو گیا، لیکن انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اگر اقبال سے اس امر میں غلطی بھی سرزد ہوئی تو نہایت اچھی غلطی تھی لیونکہ مسلمان بیخودی کی تعلیم سے گمراہ ہو چکے تھے اور انہوں نے سعی و عمل سے کنارہ کسی اختیار کرنی اور معاشی ترقی سے ناامید اور ترک دنیا سے مایوس ہو چکے تھے۔ بیخودی کی تعلیم ڈا مسئلہ اور، تقدیر، کے صورت میں مسلمانوں کو بجائے دلیر اور نڈر اور محنتی بنانے کے ان کو ذہن پرور اور مست بنا دیا ہے۔ اپنی ہر برائی کو، تقدیر، کے سر تھوپتے ہیں اور اسبات کے لئے تیار ہیں کہ جو کچھ انکے پاس ہے وہ بھی ترک کر دیں نمی سازد و آیا توحین بہ اولیای سلف مش سنائی و عطار و رومی و حافظ و امثال ایسان نمیشود: در این شکلی نیست کہ بعد از انتشار (اسرار خودی) قرق جمعی بلند شد و حتی اقبال مجبور گشت در طبعهای بعد اشعار صریح راجع بہ رد حافظ را از کتاب حذف نماید لیکن انصاف این است کہ اقبال اگر استبداد عم کرده خوب انتباہی است بجهت اینکه مسلمانان از تعلیم بیخودی، گمراہ شدند و دست از سعی و عمل برداشتہ از برقیات معاشیہ مایوس و از ترک دنیا ذلیل گشتند مسئلہ تعلیم، بیخودی، ہم مثل مسئلہ تقدیر، عوض این کہ انسان را دلیر و جدی و فعل برادر دہد تبیل و نرسو ساخته ہر بدی خود را نسبت بتقدیر میدہند و بر آن حاضر اند ہر چہ دارند ترک کردہ بہ رقیبان سپارند۔ تقدیر و بیخودی بجای خود صحیح است لیکن

تمدنی ترقی سے مابوس نظر آتے ہیں۔ مسلمانوں کی پچیس آزاد حکومتیں تھیں ان میں سے اب تین باقی ہیں اور وہ بھی متزلزل اور عشق کے دل کی طرح لرزاں ہیں۔ قریباً چالیس کروڑ مسلمانوں میں سے صرف پانچ کروڑ آزاد ہیں اور باقی سب کے سب غیر اسلامی حکومتوں کی بنہ میں ہیں۔ ان حالات میں ایک عالی تعلیم و تربیت یافتہ اقبال جیسا مسلمان کس قسم کے تصوف کی بیرونی کریکٹ۔ اسکے لئے ایک ہی راہ ہے کہ اسرار خودی کو بیان کرے اور ثابت کرے کہ جسمانی اور روحانی ہر قسم کی ترقی و خردی کی تربیت اور نشو و نما میں مستمر ہے۔

بارہ سو سال سے اصول تصوف کو تدوین اور ترتیب دیا جا چکا ہے اور فارسی صوفی شعرا نے بیخودی اور فنا کو تصوف کا اصول قرار دیا ہے۔ کیا اقبال کا فلسفہ خودی نصوف میں دلچسپی لینے والوں کو برا نہیں لگتا

و خودی بی خبر شدہ از ترقیات تمدنیہ مایوس و در ننجہ از بیست و پنج سلطنت مستقلہ ای کہ داشتند فقط سہ سلطنت از ایشان باقی مانده آنها ہم متزلزل و مثل دل عاشق لرزان و از قریب چہار صد میلیون نفوس اسلامیہ فقط قریب پنجاہ میلیون انسان آزادند باقی ہمہ در پناہ سلطنت ہای غیر اسلامیہ افتادہ۔ در این صورت یک نفر مسلمان تربیت شدہ و تعلیم اعلیٰ یافتہ این عصر مثل اقبال چہ قسم صوفی بیرون میآید بجز آنکہ اسرار خودی را بیان کند و ثابت نماید کہ تمام ترقیات جسمانی و روحانی در نشو و نما دادن خودی است۔

حالا حرف در این جا است کہ ہزار و دویست سال است تصوف در اسلام مرتب و مدون شدہ و شعرا ی تصوف فارسی بیخودی و فنا را یکی از اصول تصوف قرار دادند آیا فلسفہ خودی دکتر اقبال علاوہ مندان بہ تصوف را دل تنگ

و*یہ موضوع تقریباً پچاس سال پہلے امام اسلامی ممالک میں زیر بحث
آ اور سید جمال الدین افغانی، شیخ محمد غداء صدر جامعہ ازہر مصری
میرزا آقا خان لرمانی جیسے اسلامی مفکرین نے اس پر نہ صرف بحث کی بلکہ
اس پر بھی بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ علامہ محمد علی قزوینی
مسیحی اتحاد اسلام کے ممبر فائزین میں سے ہیں۔ لیکن اقبال نے اس موضوع کو
بہت اہم اور اہل فلسفہ کے ذہنوں میں اس کی اہمیت کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ہدای اسلام سے ہم دیکھتے ہیں کہ جس قوم نے اسلام قبول کیا
اس کی قوم اسلام میں مدغم ہو گئی۔ اس ملک کے افراد اپنے آپ کو
دوسرے ممالک کے مسلمانوں کا بھائی سمجھتے تھے اور اسے ہم دہوں میں
بھی ان کا نصب العین عام مسلمانوں کی بہبودی ہونا تھا۔

*اگرچہ ابن موضوع نیم قرن قبل در تمام بلاد اسلام محل بحث بودہ و
جمعی از فیلسوفان اسلام مثل سید جمال الدین مسطور بہ افغانی و شیخ
محمد عبیدہ رئیس جامعہ ازہر مصری و میرزا آقا خان لرمانی در آن در فسانہا
کہ جان فشانی کردند و پھوان اتحاد اسلام ہم عبدالحمید خان عثمانی
بودہ لیکن اقبال آن موضوع را تجدید نمودہ ، فلسفہ مخصوص خود اہمیت
آن را مدلل ساختہ است .

از ابتدای ظہور اسلام ہر ملتی نہ مسلمان نہ کسب نہیں در اسلام
مستہک میشد و تمام افراد آن ملت خود را با مسلمانان ممالک دیگر برادر
دانستہ در ہر کار عمومی نصب العین خود را خیر عمومہ مسلمانان دنیا قرار
میداند و مزاجہ بین المللی و مہاجریت بہ ممالک ہم جریان یافت . اگرچہ

اور اپنے حریفوں کے سپرد کر دیں۔ تقدیر اور بیخودی کا تصور اپنی جگہ پر درست ہے اسکی غلط فہمی اور اسکے غلط استعمال کی اصلاح لازم تھی۔ اقبال نے اسکی یوں اصلاح کی کہ خودی کو حقیقت اور بیخودی کو موہوم قرار دیا۔ لیکن میرے خیال میں یہ محض لفظوں کی بحث ہے۔ خودی کی ترقی اور وسعت عین بیخودی ہے۔ اگر دانہ اپنی خودی کو خود تک محدود رکھے تو بودا نہیں بن سکیں۔ اور بودا اگر اپنے آپ کو وسعت نہ دے تو درخت نہیں بنیگا۔ خودی کے حفظ کے یہ معنی ہیں کہ ذات نفس نچلے درجہ سے بلند تر درجہ حاصل کرلے۔ عمارے متصوفین اور فلاسفہ نے انسان کو ایک قابل ترقی جوہر کہا ہے اور خودی کی ترقی کی تعلیم بھی دی ہے۔

اتحاد اسلام

مرحوم داعی الاسلام نے اقبال کی اتحاد اسلام کے متعلق کوشش کا حالاتِ حاضرہ کی روشنی میں جائزہ لیا ہے اور اس خیال سے کہ عام مسلمانوں کو معاصر سیاسی کشمکشوں سے آشنا کریں انھوں نے اتحاد اسلام کی مختصر تاریخ اور اسکے متعلق بعض اسلامی ممالک کے نظریات اور اتحاد اسلام کے مستقبل کے متعلق اظہار خیال کیا ہے داعی الاسلام لکھتے ہیں :

سو ادراک و استعمالِ اصلاح لازم داشت و دکتر اقبال این طور اصلاح کرده است کہ بیخودی موہوم است و خودی حقیقت اما بنظر بندہ نزاع لفظی است چہ ترقی و توسعه خودی ہم عین بیخودی است کہ اگر دانہ خودی خود را نگاہ دارد هیچ وقت نہال نمی شود و نہال اگر خودی خود را نگاہ دارد درخت نمی گردد توجه بخودی عین خود شدن از مرتبہ پائین و گرفتن مرتبہ بالا تراست اهل فلسفہ و تصوف ما انسان را جوہر قابل ترقی دانستہ تعلیم ترقی خودی ہم میداند .

یورپ میں بھی ملیت کا مدار مذہب (کھیس) تھا نہ کہ وطن اور زبان۔ یہ جنگ‌های ناپلیون کے بعد کی بات ہے کہ اسکے دشمنوں نے ناپلیون کی فتوحات کا اثر زائل کرنے کی غرض سے ملیت کا معیار وطن اور زبان مقرر کیا اور ہر وطن کے لئے جداگانہ آزاد حکومت کا حق تسلیم کر لیا۔ اس زمانے میں مسلمانوں پر جو (اغلب مشرق میں ہیں) ٹوٹی اور ظاہر نہ ہوا مسلمانوں کی سلطنت رو بڑوال نہی۔ بعض مسلمان مفکرین نے مسلمانوں کی کمزوری اور سستی کا علاج یہ سوچا کہ ان کے اسلامی جذبات کو تحریک اور انکو باہم متحد کیا جائے۔ انہوں نے سلطان عبدالحمید صہبی کو اس تحریک کا عممدار انتخاب کیا۔ ان دنوں ترکی میں استبدادی ترز کی حکومت تھی اور اسے ضعف کی وجہ سے یورپین سیاست کے زیر اثر بھی۔ سلطان کا خیال تھا کہ اتحاد اسلامی کی تحریک کی دہیابی میں ترکی کی سلطنت کی نجات مضمر ہے۔ اس لئے وہ اسکی تبلیغ میں کوشش کرنا رہا۔

اروپا ہم مدار ملیت کھیسا بودہ نہ حدود وطن و زبان نا بعد از جنگ ناپلیون نہ دشمنانسی خواستند فتوحات او را ختلی گذارند مدار ملیت را وطن و زبان برار دادہ و برای ہر وطنی حق حکومت مسند نصیب نمودند لیکن در آن زمان در مسلمانان کہ اغلب در مشرق بودند اتری پیدا نند و بر سلطنت اسلامیہ رو بڑوال میرفت جمعی از فیلسوفان اسلام علاج ضعف و نلی مسلمانان را در ہیجان ایشان و اتحاد باہم نشخیف دادہ سلطان عبدالحمید خان عثمانی را عممدار نہضت انتخاب نمودند چون سلطنت استبدادیہ ترث ضعیف و در جنبہ سیاست اروپا افتادہ بودہ سلطان نجات خود را در ہمراہی ہان نہضت دانستہ در تبلیغ آن کونید۔ آن وقت استبداد ناصرالدین شاہ

امیہ خلفا نے البتہ کوشش کی کہ اپنی ملیت کو عرب تک محدود کر دیں اور مفتوحہ علاقوں کی حکومت معمولاً وہ عربوں کے ہاتھ میں ہی دیتے تھے۔ لیکن عباسیوں کے زمانے میں دوبارہ ملیت کا مدار اسلام قرار پایا اور اسلامی برادری کی روح پھر زندہ ہو گئی۔ اس زمانے میں بعض علما نے جنکو شعوبی کہا جاتا ہے نسلی اور قومی فضیلت کا راگ چھیڑا اور یہ لوگ غیر عربوں خاص طور پر ایرانیوں کو دوسروں سے برتر خیال کرتے تھے اور قرآنی آیت وجعلنکم شعوبا و قبایل کہ یہ تاویل کرتے تھے کہ شعوب سے مراد عجمی قومیں ہیں اور چونکہ شعوب کا لفظ عربی قبایل سے پہلے استعمال کیا گیا ہے اسلئے یہ عربوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی زیادہ وقت نہ گزرنے پایا تھا کہ سب نے پھر اسلام کی اصلی تعلیم کی طرف یعنی مساوات کی طرف رجوع کیا اور برتری کا معیار، ان اکرمکم عنداللہ اتفاقاً، قرار پایا۔

در مدت قلیل خلافت امویہ اعراب سعی نمودند کہ مناط ملیت خود را عربستان قرار دهند و اشغال دولتی را اغلب بہ اعراب میدانند لیکن در خلافت عباسیہ باز مدار ملیت اسلام گردید و اخوت اسلامیہ تجدید گشت۔ ہر چند جمعی از علمای آن عصر بنام شعوبی زمزمہ فضیلت نسلی و ملی را در کار آوردند و ملل غیر عرب خصوص ایرانی را افضل میدانستند و در آیہ شریفہ وجعلنکم شعوبا و قبایل این طور تاویل میکردند کہ مقصود از شعوب ملل اعجام است و از قبائل اعراب و چون شعوب مقدم آمدہ ایشان افضل از اعرابند۔ اما طویلی نکشید کہ باز ہمہ بتعلیم اصلی اسلام برگشتند کہ مساوات ملل است و مدار فضیلت تقوی (ان اکرمکم عنداللہ اتفاقاً) در

ی نئی سوئیل کی خلافت کی غنیمت سے بھر کر دے۔ اور نئے نئے اور
عربی بھی کہا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے۔ اور اس کو دیکھا ہے اور
اس کو دیکھا ہے کہ اس کو دیکھا ہے۔ اور اس کو دیکھا ہے کہ اس کو دیکھا ہے۔

اور اہل بیت میں مدرس نے جو مجلس سوزی کے مدرس بننے کے علاوہ
 ایک مدنی مجاہد ۵ مرتبہ بھی رہے جن میں ایک مرتبہ: علم میں اور
 ایک مرتبہ بھی مدرسہ جاری اجازت نے مدرس بننے کے بعد مدرسہ
 سب سے پہلے اسے فن ترقی کے اور میں کرنے کے بعد مذکورہ
 مدرسہ بنی ہے (۱) یعنی اگر وہ مدرسہ ترقی کے میں مدرسہ

ایرانی نس اور وطن کو اپنی اہمیت دے گا۔ یہ ایک نئی عہد آبادی
 احمد نسروی نے مجھ سے آئندہ ۱۱ میں جو جہاں میں حیات ہے ایک
 تاریخی مقام ہے جس میں یہ بات ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ
 سلاطین صفویہ سید نہیں تھے بلکہ سروس و زدار کی نس سے تھے اور انکی

عجب دادند که پس از عزت چند صد ساله خود خلافت را از دست ایرانی میگویند من اول ایرانی و بعد سلطان همین طور عزت را از دست من در مجلس شورای ملی ایران بدست داد و پس مجلس من را از مجلس من است و هر کسی بی اجازه من وارد من میشود او را میکشیم و بعد از شکنج می بینم اگر بخون است او را دین میکنیم .. ایرانیها بدنس و وطن بدتری اهمیت میدهند که یک فضل ایرانی (آقای سید احمد کسروی) چند سال قبل در مجله .. آینده .. تهران مقاله .. برخی منصفی نوشته سعی نمود ثابت کند سلاطین صفویه سید نبودند بلکه خون سیروس و داریوش در بدن شان بود و سلطنتشان را باید ایرانی خالص نمود . تعجب این

اس زمانے میں ایران میں ناصر الدین شاہ کی مسند حکومت ایرانیوں پر سخت دباؤ ڈال رہی تھی اس ایرانیوں نے اس تحریک پر لبیک کا ندا لگایا اور بعض ایرانیوں نے جنہیں سید جمال الدین افغانی اور میرزا آقا خان کرمانی نے اس مقصد کے حصول کے لئے ناساں کوشش کی۔ اس تحریک کے آخری ایام میں ایران کے عدم سہریوں کی زبان سے کئی مرتبہ یہ ندا جو کہیں نہیں کہہ سہام مسلمانوں کا بادشاہ اور نکمہاں سلطان عبدالحمید ہے۔ لیکن آخر کار سید جمال الدین نو نہایت ذلت سے ایران سے جلا وطن کر دیا گیا اور میرزا آقا خان نے اسی جہاں اس راہ میں عربان کر دی۔ اس کے بعد ایرانی حکومت مسروطہ ہو گئی اور ۱۳۱۴ء میں عبدالحمید خان بھی تخت سے عہدہ کر دئے گئے اور ترکی کی سلطنت بھی مسروطہ ہو گئی۔ ایرانیوں اور ترکوں نے بدرجہ عروج و زور اور اصول سیاست کو قبول کر لیا۔ اور سب سے پہلے یہ نہ انہوں نے بنی سمیت کا مدار وطن ہی کہ بنا لیا اور ترکوں نے بنی وطن پرستی کو اس قدر اہمیت دی کہ انہوں نے داشت قوای ایران را تحلیل می برد نس ایرانی ہا ہم آن ندا را لبیک گندہ مخصوصاً چند نثر اہسان مثل سید جمال الدین و میرزا آقا خان کرمانی سعیمہای بلیغ در آن منصوبہ نمودند من در او احران نمضت در بازار ہای ایران می شنیدم بازار ہما میگفتند شاہ سہام مسلمانان و نکمہاں ایشان سلطان عبدالحمید است۔ اما آخر سید جمال الدین با کمال ذلت از ایران تبعید شد و میرزا آقا خان ہم جہاں خود را باخت۔ در آن بن سلطنت ایران مشروطہ شدہ سنہ ۱۳۱۴ و بعد ہم عبدالحمید خان خلع و سلطنت ترکی ہم مشروطہ شد و ایرانیہا و ترکہا متدرجاً اصول سیاست و تمدن اروپا را قبول نمودند از جمہ آنکہ مدار ملیت خود را وطن خود ساختند و ترکہا ہم بوطن پرستی بقدری

جن دنوں اقبال انگلستان میں موجود تھا (۱۹۰۵ - ۱۹۰۸ میلادی) اس زمانے میں لندن میں ایک انجمن تھی جسکا نام انجمن اتحاد اسلام (Pan-Islamic Society) اور عین ممکن ہے کہ اس انجمن کا وجود اور اسکی کوششوں نے اقبال کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی ہو اور اسکو اتحاد اسلام کا حامی بنا دیا ہو۔ اور اب اقبال خیال کرتا ہے کہ اپنے فکر اور زبان کی قوت سے مسلمان ایڈروں کو نسل اور وطن پرستی سے ہٹا کر اسلامی اتحاد کی طرف لے آئے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہے۔ اقبال ہندی مسلمان ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی بقا انکے ہند نے باہر کے مسلمانوں کے سے ارتباط پر منحصر ہے۔ بد قسمتی کی بات ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ مآل اندیش نہ تھے اور خیال کرتے تھے کہ ہند میں انکی سلطنت ہمیشہ کے لئے رہے گی اسلئے انھوں نے تبلیغ اسلام اور مسلمانوں کی تعداد بڑھانے

۱۹۰۸ء در لندن یک انجمن اتحاد اسلام (Pan-Islamic Society) بودہ ممکن است اساس و اعمال آن انجمن ایشان را جذب کردہ اتحاد پرست ساختہ است و تصور میکند میتواند بقوہ فلسفہ و زبان خودش باز قائدان اسلام را از نسل و وطن پرستی بیزار کردہ بطرف اتحاد اسلام برگرداند . سبب دیگر این است کہ اقبال مسلمان ہندی است و بقای مسلمانان ہند بہ تعلق و ربط ایشان با مسلمانان بیرون است . بد بختانہ سلاطین اسلام ہند مآل بین نبودند و خیال کردند سلطنت ایشان در ہند دائمی است از این جہت بخیال زیاد کردن عدد اسلامیان ہند بر نیامدند و نتیجہ این شد کہ چون سلطنت اسلامیہ در ہند زوال یافت مسلمانان در اقلیت واقع شدہ این خوف در ایشان پیدا شد

سلطنت کو خالص ایرانی تصور کرنا چاہئے۔ تعجب کی یہ بات ہے کہ
مقالہ نویس خود سید ہے۔

اسوقت اتحاد ملت کا احساس بالکل مٹ چکا ہے اور تمام مسلمان راہنما
وطن پرستی کی آہنگ پر ہی عمل کر رہے ہیں۔ صرف ہندوستان کے مسلمان
لیڈروں کے ذہن میں اتحاد اسلام کا خیال موجود ہے۔

ہمارے ڈاکٹر اقبال کے دل میں اتحاد اسلام کا خیال ایسے وقت پیدا
ہوا ہے جبکہ ہر جگہ مسلمان اس خیال سے دست بردار ہو چکے ہیں اور
وہ خود بھی اپنے انگلستان کے سفر سے پہلے وطن پرستی کا پیرو تھا اس کے
اغلب اردو اشعار میں یہی خیال ہے۔ اسوقت اقبال کہتا تھا، ”ہندی ہیں
ہم وطن ہے ہندوستان ہمارا، اور اب اسکا نعرہ یہ ہے ”مسلم ہیں
ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا، لیکن افسوس کہ اسکی دونوں آرزوئیں پوری
نہیں ہوئیں۔ نہ ہندوستان ہمارے ہاتھ میں ہے اور نہ باقی دنیا۔“

است کہ نویسنده خود سید است. موضوع اتحاد اسلام بکلی مرده است و
تمام قائدان اسلام امروز در زمینه وطن پرستی کار میکنند فقط در ہندوستان
خیال اتحاد اسلام در سرقائدان ملت است دکتر اقبال ما وقتی بخیال اتحاد
اسلام افتاد کہ مسلمانان همه جا از آن دست بر داشتند و خود او ہم قبل
از سفر فرنگستان خود و بعد از ان ہم مدتی در وطن پرستی قدم میزد و اشعار
اردویش اغلب در آن زمینه است آن وقت میگفت ”ہندی ہیں ہم وطن ہے
ہندوستان ہمارا، و حالا میگوید، مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا،
اما متأسفانه هیچکدام از دو آرزویش بر آورده نیست نہ ہندوستان مال ما
است و نہ تمام جہاں چون در ایام توقف اقبال در فرنگستان (از سال ۱۹۰۵ تا

اگرچہ سیاسی نصورات مسلمانوں کے دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور وہ وطن پرستی کے جال میں بھنسے ہوئے ہیں اقبال کا خیال ہے کہ اپنے تفکر سعی کمند سے مسلمانوں کے دل کو فربہ کر لیا۔ چونکہ اس قسم کے معاہلات میں دماغی رجحانات پر قلبی احساسات غالب آجاتے ہیں۔

یہ ضرور ہے کہ ہندی مسلمانوں کا عظیم پادشہ نے لوگ اسکی نشان سے متاثر ہوئے ہیں اور اسکی افکار کو غیبی فرستہ کی آواز سمجھتے ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عسار مستقبل نہ ہو۔ ممکن ہے نہ دیگر ممالک کے مسلمان قائدین کے خیالات میں بددی پیدا ہو جائے اور دوبارہ اتحاد اسلامی بر سر کار آجائے۔ اگر اسکا ہو گیا تو ہم اقبال کو ایک ولی یا سیاسی مہمبر خیال کرنے میں حق بجانب ہونگے۔

اسلامی اتحاد کی امید ابھی باقی ہے۔ چونکہ ابھی تک تمام دنیا کے مسلمان اپنی دعا میں کہتے ہیں اللھم اغفر للمسلمین والمسلمات، ہندی نمیکوید اللھم اغفر للمسلمی والمسلمہ و ایرانی نمی گوید۔ اللھم اغفر لایرانین و میاورد و دراین گونہ موارد احساسات قلبیہ پر رجحانات دماغیہ غالب میسود۔ ان قدر حسرت کہ ظہنہ تعلیم یافتہ مسلمانان اسلامی عند از کتاب او مسار سمد و افکار او را سروش غیبی بیندازند۔ کسی نپیداند مستنب ما چیست سار اتحاد قائدان اسلام ممالک دیگر ہم غمرازند و اتحاد اسلامی در ذر بیاید آنوقت ما اقبال را تک ولی ملہم یا نیغمبر سیاسی خواہم دانست۔ امید اتحاد اسلام هنوز باقی است چہ هنوز تمام مسلمانان دنیا دردعای خود میگویند اللھم اغفر للمسلمین والمسلمات۔ ہندی نمی گوید اللھم اغفر للمسلمی والمسلمہ و ایرانی نمی گوید اللھم اغفر لایرانین و ترک ہم نمی گوید اللھم

کی طرف توجہ نہ دی اور اسکا نتیجہ نہ ہوا جب اسلامی سلطنت کو زوال
آیا تو مسلمان ہندوستان میں افلیت کی حالت میں رہ گئے اور انکے دل میں
یہ درد پیدا ہوا کہ کہیں انکا بھی وہی حال نہ ہو جو اندلس میں مسلمانوں
کا ہوا۔ جو بات ان کے اس خوف کو کسی حد تک دور کر سکتی ہے
ان کا وہ ربط ہے جو انکو بیرون ہند کے آزاد مسلمانوں سے ہے۔ اس لئے
ہم دیکھتے ہیں کہ ہند کے مسلمان تمام دنیا کے مسلمانوں کے غم خوار
ہیں اور جب کبھی کسی اسلامی ملک پر کوئی مصیبت آئے تو فوراً ہندوستان
میں ہمدردی کے اظہار کے لئے جلسے کئے جاتے ہیں اور چندہ وغیرہ جمع
کر کے انکی مدد کے لئے بھیجا جاتا ہے پس یہ قدرتی امر ہے کہ اس قوم میں
جو فلسفی پیدا ہوگا وہ اقبال کی طرح اپنے فلسفہ کے ذریعے تمام روی زمین
کے مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دیگا۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا
اسکے اثر کا دائرہ صرف ہندوستان تک ہی محدود رہتا ہے یا دوسرے مسلمان
ممالک کو بھی اپنے حلقہ اثر میں کھینچ سکتا ہے۔

کہ مبادا ماہم مثل مسلمانان اندلس شویم و فقط چیزی کہ خوف ایشان را
زایل میکند یعنی با مسلمانان مستقل بیرون است از این جہت ما می بینیم
مسلمانان ہند غمخوار تمام مسلمانان دنیا هستند ہر وقت آفتی بہ ہر ملت
اسلامیہ برسد فوراً در ہند جلسات ہمدردی منعقد و اعانہ جمع و ارسال میشود
پس اگر در این مسلمانان فیلسوفی پیدا بشود من اقبال ائبتہ با فلسفہ
خودش تمام مسلمانان دنیا را بہ اتحاد میخواند اما باید دید دائرہ اثرش
محدود بہ ہندوستان میشود یا ممالک دیگر اسلامیہ را غم درمیان میگیرد اگرچہ
سیاست مغز مسلمانان را شکار کردہ ایشان را در فتراک وطن پرستی بستہ
است لیکن اقبال تصور میکند با کمند فلسفہ خودش دل مسلم را در بند

پہلے تمام قومیں نسلی تعصب میں گرفتار تھیں اور ہر ایک اپنے آپ کو دوسری قوموں سے برتر سمجھتی تھیں۔ اسلام نے تمام قوموں کو مساوی اور بنی آدم کو برابر کا بھائی بھائی قرار دیا۔ افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے پیرو پھر زمانہ جاہلیت کے تعصب کیطرف لوٹ آئے ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہر ملک کے افراد کا فرض ہے کہ اپنے ملک کی ترقی کیلئے اور اسکی حفاظت کے لئے کوشش کریں لیکن ایک قوم کا نسلی تعصب اور اپنے آپ کو دوسرے افراد بشر پر ترجیح دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

بنی آدم اعضای یک دیگرند
کہ در آفرینش ز یک گوهر اند

گرفتار تعصب نسلی بودند و ہر یک خود را بر دیگران فضیلت میداد اسلام نسلا را مساوی و بنی آدم را در یک ہلہ و باہم برادر قرار داد . جای تاسف است کہ امروز پیروان اسلام باز بہ حمیت جاہلیت خود بر گردند . البتہ فریضہ افراد ہر ملک ترقی آن ملک و دفاع از آن است دیگر تعصب نسلی و ترجیح طبعی یک دستہ از افراد انسان بر دستہ دیگر چہ معنی دارد .

بنی آدم اعضای یک دیگرند
کہ در آفرینش ز یک گوہرند

ترك هم نيمگويدهم اغفرلا تراک - ميرے خيال ميں ترکوں اور ايرانيوں کی نسل پرستی پر ہميشه عمل نہيں کيا جا سکتا - کيونکه قبول اسلام کے بعد دوسری قوموں سے بياہ شادی اور دوسرے ملکوں کے ساتھ آمد و رفت کے ذريعه روابط بڑھ چکے ہيں - اس کے علاوہ کبھی فاتح ہوئے کبھی مفتوح اور ان باتوں کا نتيجه يہ ہوا کہ مختلف نسليں آپس ميں پورے طور پر گھل مل گئیں آج کوئی ايراني نہيں کہہ سکتا کہ ميں قديم زردشتي نسل سے يا خالص عرب يا ترک نسل سے ہوں اسی طرح کوئی ترک نہيں کہہ سکتا کہ جو شخص ايران ميں متولد ہوا يقيناً ايراني ہے اور ہمیں معلوم نہيں کہ اس کے اجداد کہاں سے آئے ہيں - چند نسليں گذر جانے کے بعد تو کسی کی نژاد کے متعلق وثوق سے کچھ نہيں کہا جا سکتا - سوائے خاندان سادات کے جنہوں نے اپنا شجرہ نسب محفوظ رکھا ہو۔

آج ايک ايراني اس بات پر فخر کرتا ہے کہ میری رگوں ميں ايراني اجداد کا خون ہے ترک اپنے ترک نسل ہونے پر فخر کرتا ہے - اسلام سے

اغفر الاتراك بعقيده من نسل پرستی ترکہا و ايرانيہای حال عملی نيست چہ بعد از مسلمان شدن ايشان از مزاجہ بين المللی و مهاجرت و غالب و مغلوب شدن نسلہا بکلی مخلوط شدہ بطوری کہ هيچ ايراني امروز نمیتواند بگويد نسل زر دشتي قديم است يا عرب يا ترک يا قوم ديگر ہمیں طور هيچ ترک نمیتواند بگويد ہر کس در ايران متولد شد ايراني است پدرش از کجا آمدہ باشد و بعد از چند پشت کہ بکلی نمی شود نسل کسی را فهميد مگر سادات کہ نسب نامہ خود را نگہ ميدارند . يک ايراني امروز فخر ميکند من خون اجداد ايراني در بدن دارم و يک ترک امروز فخر ميکند من خون نسل ترک باشد و آن ترک نسل ايراني . قبل از اسلام تمام ملل

در های شبن خود در درج دری ریزد
از بنہ این میدان جو لانگہہ خود سازد

علامہ دھخدا نے ۱۹۵۱ میں یوم اقبال کے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے
فرمایا

پاکستان آزاد کے قائم ہونے کے بعد ایرانیوں نے اس مشرق کے
مرحوم شاعر کو پہچاننا شروع کیا لیکن ابھی تک اسکی
عظیم شخصیت اور اسکی خدمات کو جو اس نے پاکستان کی
آزادی اور فارسی زبان کے حق میں کی ہیں پورے طور پر
نہیں پہچانا گیا۔

عمیر نہیں بھولنا چاہئے کہ ہندوستان غیر ملکیوں کے سیاسی
تمدنی اور اقتصادی اثر کے نیچے تھا اور ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے
اس زمانے میں فارسی زبان سے دلچسپی کا اظہار کہنہ پرستی اور تنگ
نظری کی دلیل خیال کیا جاتا تھا۔ اقبال نے اس موقع پر اپنا سر اٹھایا
اور چائیس کروڑ اعلیٰ ہندوستان کی وجہ فارسی زبان اور فارسی کے شعرا
پس از استقلال پاکستان ایرانیان این داعی شرق یعنی مرحوم اقبال
را تا حدی شناختند ولی ہنوز چنانکہ شاید بشخصیت بزرگ او خدماتیکہ
برای استقلال پاکستان و نیز زبان فارسی انجام داده است ہی نبرده اند۔

باید درنظر داشت کہ ہندوستان تخت نفروز فرنگی و سیاسی و اقتصادی
یگنگان بود و اظہار علاقہ مردم ہندوستان درآن بزبان فارسی ,, کہنہ
پرستی و محافظہ کاری شمرده میشد۔

اقبال قد برافراشت و توجہ چہارصد ملیون جمعیت ہندوستان را بزبان

اقتباس از سخرانی علامہ علی اکبر دھخدا

علامہ دھخدا جنکو صحیح طور پر جدید ہلکی پھلکی پر مزاج اور
پر طنز فارسی نثر کا موجد سمجھا جاتا ہے ایران کی علمی اور ادبی تاریخ میں
بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ آج سے کوئی پچاس سال پہلے ایران کے
مشہور آزادی خواہ اخبار صور اسرافیل میں، چرند پرند، کے نام سے کالم
لکھکر انہوں نے آجکل کی شگفتہ عامیانہ پر لطف اور لچکدار اور بے تکلف
طرز بیان سے زبان فارسی کے لئے نئی فصل کا آغاز کیا۔ فارسی اسٹال حکم
پر پانچ ضخیم جلدوں کے علاوہ ان کا زندہ جاوید کارنامہ ”لغت نامہ“،
(جو فارسی زبان میں دائرۃ المعارف کا حکم رکھتا ہے) ہے جسکی اب تک
اٹھارہ جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور بہت سی جلدوں کا مواد تیار ہو چکا ہے۔
علامہ دھخدا اقبال سے دیر میں آشنا ہوئے وہ سالہا سال سے اپنے لغت نامے
میں مستغرق ہیں اور مدت سے گھر سے نکلتا اور جلسوں وغیرہ میں
شرکت کرنا ترک کر چکے ہیں۔ مگر ان کو بھی بہار کی طرح
اقبال سے دیر سے آشنا ہونے پر افسوس ہے۔ مگر اقبال نے آشنائی کے
بعد نہایت ہی تھوڑے وقت میں اقبال کی روح آزادی خواہی اور مبارزہ
ان کے دل میں گھر کر گئی اور نہ صرف انکو اقبال سے عقیدت پیدا ہوگئی
بلکہ انہوں نے اسبات پر بھی فخر کیا ہے کہ اقبال جیسے عظیم الشان
شاعر اور مجاہد نے اپنے خیالات اور تاثرات کے اظہار کے لئے فارسی زبان
اختیار کی ہے۔ کہتے ہیں:-

از بعد وطن تاشان کس را بجز ایرانی
شائستہ نہ بیند تا باوی سخن آغازد

اقبال مغربی تمدن کو مشرق کے لوگوں کے لئے تقلید کے قابل نہیں سمجھتا اور اسکو ایک نامکمل اور فرسودہ تمدن تصور کرتا ہے۔
کہتا ہے :-

بیا کہ ساز فرنگ از نوا بر افناد است
درون پردہ او نغمہ نیست فرناد است
آئیے - دیکھئے - فرنگ کے ساز کی صدا خراب ہو گئی ہے
اسکے پردوں میں نغمہ نہیں نالہ و فرناد ہے
زمانہ آئینہ بتاں را ہزار بار آراست
من از حرم نکندسم کہ بخند بناد است
زمانے نے اپنے نوائے بتوں کو ہزار بار آراستہ کیا
لیکن میں نے حرم بعدہ کو نہ چھوڑا کیونکہ اسکی بناد مضمون ہے
اصل نے فرما ہے کہ فرنگی تمدن فرنگ کے درد کا درماں
بھی نہیں کرسکتا وہ اسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ سرقی لوگوں کو
انکی شاہراہ مقصود پر رہنمائی کرے :-

این خودی را جستن از نرف بن
آن خودی را بر فسان حق زدن
ہندو بدن کو ترک کر کے اپنی خودی کو تلاش کرتا ہے
مسمان اپنی خودی کو حق کی فسان پر چڑھانا ہے

تمدن مادی اروپا در نظر او برای شرقیان سزاوار و درخور تقلید نیست
و آنرا تمدنی ناربا و بعلاوہ فرسودہ مبینند۔
تمدن مادی فرنگ از مداوای فرنگیان عاجز است چگونه تواند
شرقیان را بشاہراہ مقصود ہدایت کند:

مولوی و فردوسی ، حافظ و سعدی سے لیکر بابا فغانی تک کی طرف مبذول کرائی اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ اقبال نے سب سے پہلے اس حقیقت کو سمجھ کہ ذہنی غلامی سیاسی اور اقتصادی غلامی سے کہیں زیادہ خطرناک تر ہے : اور فرمایا :-

چون شود اندیشہ قومی خراب
ناسرہ گردد بدستش ستم ناب

جب کسی قوم کے خیالات خراب و فاسد ہو جائیں تو
اسکے ساتھ میں کھری چاندی بھی کھوٹی ہو جاتی ہے
میرد اندر سینہ اش قلب سلیم
درنگاہ او کچ آید مستقم

قلب سلیم اسکے سینے کے نیچے مرجاتا ہے
اور سیدھی چیز بھی اسکی نگاہ میں ٹیڑھی دکھائی دینے لگتی ہے
یس نخستن بایدش تطہیر فکر
بعد از آن آسان شود تعمیر فکر

پس سب سے پہلے خیالات کو پاک کرنا ضروری ہے
اسکے بعد ذہنی تعمیر آسان ہو جائیگی

فارسی و گویندگان بزرگ آن از مولوی و فردوسی و حافظ و سعدی تا
بابا فغانی جلب کرد و نشان داد کہ رابطہ مردم ہندوستان بہ اصفہان و
شیراز و تبریز بیش از رابطہ آفان بہ پاریس و برلین و لندن است۔

و از ہمہ بالاتر اقبال پیش از ہرکس درک کرد کہ رقیّت و
پردگی فکری ہمراتب خطرناکتر از پردگی اقتصادی و سیاسی است و گفت :-

*اقبال نے دیکھا کہ نہ ملتی اتفاق غیر ملکی حکمرانوں کے ہاتھ میں ایک بہانا ہے کہ جب جاغیر ایک نو دوسری قوم کے خلاف تحریک کر کے قتل و غارت شروع کرا دے۔ امان چونکہ ہر دو قوموں کی آزادی چاہتا تھا اس نے سمجھ لیا کہ اس مسئلہ کا حل سوائے اس کے کوئی نہیں کہ جن غلاموں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اسلامی مملکت قائم کی جائے اور دوسری اکثریت کے علاقوں میں مذہب کو رکھ دے۔

اقبال کی نظر میں وہ لوگ جو محض ایک خاص جغرافیائی واحد میں رہتے ہیں ایک قوم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ انہوں نے امان :-
ملت از یکر لکھی دلمہا سی
روشن از یک جنبہ این سنا سنی

ملت دلوں کی یک رنگی سے پیدا ہوئی ہے
یہ دودھ سینا ایک ہی جنبہ سے روشن ہوتا ہے
قوم را اندیشہ ما باید یکی
دو ضمیریں مدعا ہے کہ یکی

پرواقع یہ کہ اس جگہ کی سطحی دیکھ بھال سے
کہ ہر قوم خواہند یکی از این دو قوم یا بردہ گیری تحریک و قتل
و غارت ایجاد کند و چون با استقلال ہر دو قوم علاقمند بود در
کردنہ راه ملی جز این وجود ندارد کہ درخواہی نہ اکثریت با مسلمان
است ملت و مملکتی اسلامی تشکیل شود و در نواحیکہ اکثریت با ہندو
است ملتی و مملکتی ہندو۔ ملت در نظر او قومی نیست کہ از لحاظ
جغرافیائی در جائی گرد آمدہ باشد بلکہ :-

از من ای باد صبا گوئی بدانای فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تراست

اے باد صبا میری طرف سے فرنگستان کے داناؤں کو کہہ دو کہ
کہ جب سے عقل نے اپنے پر کھولے ہیں پہلے سے بھی زیادہ گرفتار ہو گئی ہے
عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب اینست کہ بیمار تو بیمار تراست

اگر تمہارے پاس مسیح کا سا معجزہ ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں
تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تمہارا بیمار پہلے سے بھی زیادہ بیمار ہو گیا ہے
اقبال نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی حقیقت کو
جان لیا اسکو معلوم ہو گیا کہ ان دونوں قوموں کا ارتباط بالکل سطحی ہے
مگر انکا ذہنی اختلاف گہرا ہے اور بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ہندو فلسفہ
زندگی سے فرار پر مبنی ہے لیکن حکمت اسلامی کی اساس کوشش اور
مقابلہ کرنا ہے :-

زندگی آنرا سکون غار و کوہ
زندگی این راز مرگ با شکوہ
اسکے لئے (یعنی ہندو کے لئے) زندگی غار و کوہ کا سکون ہے
اور اس کے لئے (یعنی مسلمان کیلئے) ایک با شکوہ موت زندگی ہے

اقبال باختلاف بین ہندو و مسلمان پی بردہ و دانست کہ علاقہ و
ارتباط این دو قوم سطحی است ولی اختلاف فکری آنان اساسی و عمیق
است فلسفہ ہندو مبتنی بر فرار از زندگی است ولی حکمت اسلامی مبتنی
بر مبارزہ است :-

انتخاب از خطابہ دانشمند شہیر جناب سید حسن تقی زادہ

۱۹۵۱ء میں نوم اقبال کا جلسہ ایران کے ماہِ ناز فرزند سید حسن تقی زادہ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آقای تقی زادہ بعض سیاسی وجوہات کی بنا پر کئی سال ایران سے باہر رہے اور کئی برس انہوں نے جرمنی میں گزارے اور وہیں سے فارسی زبان کا مہین اور علمی مجلہ ”کادوہ“ شائع کرتے رہے۔ اس طرح صاحب موصوف نو عصر حاضر کی سیاسی اور فلسفیانہ تحریکوں اور نظریات کو نزدیک سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔ آقای تقی زادہ ایران کی تمام علمی ادبی اور سیاسی محافل میں بڑے احترام اور عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں اور ۱۹۵۱ء میں مختلف طور پر مجلس سنا (Senate) کے صدر منتخب ہو گئے۔ تقی زادہ اقبال کی وسعت فکر و مضامین سے بہت متاثر ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اقبال نے بنیادی اخلاق اور معنوی قدروں کو زندہ کر کے عالمِ انسانی کی خصوصاً دنیائے اسلام کی بہت خدمت کی ہے۔

آقای تقی زادہ نے یوم اقبال کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔
”میں اپنی زندگی کے شروع ہی سے اسی مفکر کے اس خیال سے

کہ:

چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

من نیز از ابتدای زندگی بہرہ ای از عقیدہ اصلی آن مرد متفکر یمنی:۔

”چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا“

قوم کے خیالات ایک ہونے چاہئیں
اور اس کے دل میں ایک ہی مقصود ہونا چاہئے
اہل حق را حجت و دعوی یکی است
خیمہ های ما جدا دلہا یکی است
اہل حق کا حجت اور دعوی ایک ہی ہوتا ہے
اگرچہ ہمارے خیمے جدا جدا ہیں ، ہمارے دل ایک ہیں
علامہ دہخدا نے ایک اور موقع پر اقبال کے متعلق اپنے تاثرات کا
اظہار ان اشعار میں کیا ہے ۔

رانگونه کہ پاکستان با نابغہ دوران
اقبال شہیر خویش بر شرق ہمی نازد
زبید وطن ما نیز بر خویش ہمی بالد
وا ندر چمن معنی چوں سروسر افرازد
ز آن کہ روی کہ چون اقبال خواہد کہ سخن گوید
گنجینہ قلب خود با گفته بپردازد
از بعد وطن تاشان کس را بجز ایرانی
شایسہ نہ بیند تا باوی سخن آغازد
در های ثمن خود در درج دری ریزد
از پھنہٴ این میدان جولانگہ خود سازد

زیادہ حرجاً ہوا اور اسکا اثر اور رسوخ بڑھنا رہا اور وہیں سے اس عقیدہ کے جوشیلے طرفدار بھی ساما ہوئے۔

اس تحریک کا بانی غالباً سید جمال الدین افغانی تھا اور اسکو عام طور پر رواج دینے میں سلطان عبدالحمید ثانی کے دور کے جوان اور آزادی خواہ ترقیوں کے علاوہ بعض عرب فضلاء مثلاً سید عبدالرحمان لوائی حلبی وغیرہ بھی تھے۔

اقبال کی آواز نے نہ صرف اس جنبش کو موت اور رونق بخشی بلکہ اسکو نئے قالب میں ڈھالا اور اسکو نئی اور صحیح شکل و صورت دی اور اپنی یہ تحریک آزاد پاکستان میں ترقی شریعی ہے اور اسکا دائرہ وسیع ہو رہا ہے۔

باوجود اسکے کہ روحانی فلسفہ کا سر جسمہ اسلام ہے۔ اقبال نے ایک نئے فلسفہ کی بنیاد رکھی جس میں مغربی علم و حکمت اور جدید ان خطہ تکمیل و انتشار و رسوخ نامہ و طرفداران پر سوری پیدا کردہ بود و اگرچہ شاید بانی اصلی آن نہضت سید جمال الدین افغانی و مروج گذشتہ از سیاسیوں آزادخواہ ترک قبل از دورہ نرکان جوان سلطان عبدالحمید ثانی از سلاطین عثمانی و بعضی فضلاء عرب مانند سید عبدالرحمن کواکبی حلبی وغیرہ بودند شور و تاثیر نفس اقبال نہ تنها این عقیدہ را ریشہ و رونقی بسیار قوی بخشید بلکہ آنرا در قالبی تازه ریخت و صورتی مرتب داد و هنوز این نہضت در پاکستان مستقل پیش می رود و بسط می یابد۔

فلسفہ روحانی اقبال اگرچہ مبنی بر شالودہ اسلامی است خود اساس جدیدی است کہ در آن با اطلاع از علم و حکمت مغربی و قبول فوائد

اور اتحاد ملی اسلامی کا آرزو مند رہا ہوں۔

اقبال کے خیالات و نظریات کے تین پہلو ہیں۔ پہلی بات اسکا فلسفہ ہے جسکی بنیاد روحانی کمال پر ہے۔ دوسری بات اسکا عقیدہ ہے اتحاد اسلامی کے متعلق مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے اور تیسری بات ہے اسکا سیاسی عقیدہ اپنے ملک کے لئے اور نہ تقریباً سب پر روشن ہے کہ اس نے ہندی مسلمانوں کی سیاسی آزادی اور نا نستان آزاد کی بنیاد رکھی اور غالباً اپنے عام موضوعوں کے درمیان اسکی سہرت اور عظمت کا بڑا سبب یہی آخری بات ہے۔

مسلمانوں کے درمیان سیاسی اتحاد کا عقیدہ اقبال سے پہلے پیدا ہو چکا تھا اور باقی تمام ملکوں کی نسبت اسکا ہندوستانی مسلمانوں میں داشتہ ام و تقارب ملل اسلامی را خواہان بودہ ام البتہ انتظار بیان کاملی در این باب کہ چیزی بر معلومات حضار بیفزاید نباید از من برود۔

معذالک چند کلمہ از آنجہ از مرور بعضی آثار اقبال درک کردہ ام بیان میکنم۔ عقائد و فعالیت اقبال ظاہراً دارای سہ جنبہ بودہ است۔ یکی فلسفہ ای مبنی بر کمال روحانی و دیگری نوعی از عقیدہ اتحاد اسلامی برای تبلیغ درمیان مسلمین و سومی عقیدہ سیاسی نسبت بمملکت خود۔ این آخری برہمہ معلوم است کہ در واقع وی موسس اصلی یا مبلغ با شوق و ہمت آزادی سیاسی مسلمین ہند و ایجاد پاکستان مستقل بود و شاید بیشتر شہرت و عظمت او درمیان طبقہ عامہ از ہموطنان خودش این جنبہ بودہ و ہست۔

عقیدہ سیاسی اتحاد مسلمین دنیا بطور کلی پیش از اقبال زائیدہ شدہ است و این عقیدہ ہم از ہمہ جا بیشتر در ہندوستان و بن مسلمین

کی اصلی بنیاد روحانی دانش اور روحانی (معنوی) احساسات (جنکو وہ عشق کہتا ہے) ہیں وہ یورپ کے مادیات میں محصور فلاسفہ کو خطاب کر کے کہتا ہے۔

دانش اندوختہ ای، دل زکف انداختہ ای
آہ زان نقد گران مایہ کہ در باخته ای
(تو نے علم تو حاصل کر لیا لیکن دل کو ہاتھ سے کھو دیا
افسوس کہ وہ بیش بہا دولت تو نے ضائع کر دی)

اقبال کے عقاید اور تعلیم کا یہ حصہ تحقیق اور توجہ کے لائق ہے اور ضرورت ہے اس امر کی کہ جن لوگوں کو مغربی فلسفہ کے متعلق گہری اور کافی اطلاع ہو وہ اقبال کے روحانی فلسفہ سے بھی غور سے اور بغیر تعصب کے مطالعہ کریں۔

اقبال کا عقیدہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کیا جائے اور جاہلانہ تعصبات اور کوتاہ نظری کو رفع اور ملل اسلامی کو روز بروز نزدیک تر کرنیکی کوشش کی جائے، بہت پسندیدہ اور ضروری ہے۔
احساسات معنوی و بقول خودش عشق میسرمد و خطاب بفلاسفہ مادی
فرنگ گوید:

”دانش اندوختہ“ دل زکف انداختہ“
آہ زان نقد گرانمایہ کہ در باخته“،،

اینقت از عقاید و تعلیمات اقبال شایسته توجہ و تحقیق است و جا دارد کہ اشخاصیکہ دارای اطلاع عمیق و احاطہ کافی بفلسفہ مغرب باشند عقاید فلسفی روحانی اقبال را نیز مورد مطالعہ کامل وی طرفانہ قرار بدہند۔

فنون کے فوائد کو قبول کرنے کے ساتھ ساتھ اس نے مشرق کے روحانی فلسفہ خصوصاً روح تصوف کو اصلی علم کے سرچشمہ کے طور پر پیش کیا ہے اور جلال الدین رومی کے بلند افکار کی پیروی کی ہے۔

اقبال کے عقاید و نظریات کو بہت سے دوسرے اسلامی متصوفین کے نظریات پر یہ برتری حاصل ہے کہ اقبال عصر حاضر میں دنیاوی اور مادی ترقی کے لئے سعی و کوشش سے پہلو تہی نہیں کرتا اور علوم جدید سے بہرہ مند ہونے کی تلقین کرتا ہے اگرچہ اسکا خیال یہ ہے کہ فرنگی تمدن ہمارے لئے مفید نہیں وہ مغرب کے علمی فنون کا منکر نہیں بلکہ ان کے اخذ اور اکتساب کو ضروری سمجھتا ہے لیکن اسکے نزدیک حقیقی علم معرفت اور فلسفہ

فنون جدیدہ فلسفہ روحانی مشرق و مخصوصاً روح تصوف مایہ معرفت حقیقی شمرده شده و از افکاری مانند افکار عالیہ حکیمانہ جلال الدین رومی پیروی شده است۔ فقط مزیتی کہ عقاید اقبال بر عقاید بسیاری از حکمای بزرگ متصوف اسلامی دارد عدم اہمال جانب سعی دنیوی و لزوم کوشش در بہرہ مندی از ترقیات مادی و تمدن عصری است کہ اقبال تبلیغ میکند و یا آنکہ عقیدہ دارد کہ ظواہر تمدن مغرب زمین بکار نمیخورد۔

”توت مغرب نہ از چنگ و ریاب

نی ز رقص دختران بی حجاب

محکمی او را نہ از لادینی است

نی فروغش از خط لاطینی است،،

معذالک منکرفنون علمی مغرب نیست و اخذ و اقتباس آنرا لازم میدانند ولی اصل معرفت و حکمت و علم حقیقی و فلسفہ را در دانش روحانی و

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

بہر حال اس سے پہلے کہ اقبال کی بجائے جنیوا کے تہران کو
مرکز جامعہ اسلامی بنانے کی آرزو پوری ہو اتحاد اسلامی کے متعدد ابتدائی
مراحل کو طے کرنیکی کونشن مفید ثابت ہو گی۔ مجھے امید ہے کہ
یہ تحریک طاقت پکڑے گی اور اقبال کی روح اس سے نساہ ہو گی۔۔۔



عقاید اتحاد اسلامی اقبال و رفع ہرگونہ تعصبات جاہلانہ و کوتہ
نظرانہ درین اقوام مسلم و سعی در نزدیکی دائم التزاید ملل اسلامی بسیار
پسندیدہ و لازم است و بہر حال سعی در مقدمات آن قبل از رسیدن بارزوی
اقبال کہ تہران بجای ژنو مرکز جامعہ ملل اسلامی شود، مفید است۔
امید وارم این نہضت ہموارہ قوت گیرد و روح اقبال شادتر گردد۔

خطابہ ڈاکٹر منوچہر اقبال

جناب ڈاکٹر منوچہر اقبال چانسلر تہران یونیورسٹی کی نگرانی سے اقتباس

ڈاکٹر منوچہر اقبال چانسلر تہران یونیورسٹی اور سب سے مکمل تابع کے ترنسبل شوئے کے علاوہ ایران کی سیاسی اور اجتماعی زندگی میں بھی ایک سربراہانہ شخصیت کے مالک ہیں۔ اتنی مرتبہ حکومت ایران کے وزیر رہے اور اتنی تک اتنی بے لوث خدمت اور خدا داد عبادت کی بدولت عام لوگوں میں بھی ان کو غیر معمولی عزیزی حاصل ہے۔

ڈاکٹر اقبال ایک بلند مرتبہ طبیب بھی ہیں اور ادیب بھی شاعر تو نہیں ہیں مگر شعر و شاعری سے لگاؤ ہے۔ اپریل سنہ ۱۹۵۵ ع میں ملی مرتبہ یوم اقبال تہران یونیورسٹی کے حال میں منبأ کیا۔ ڈاکٹر اقبال نے نہ صرف یونیورسٹی کا حال یوم اقبال کے جلسے کے لئے پیش کیا بلکہ مہمانوں کا جنکی تعداد ہزار کے لک بھک تھی خود استقبال کیا اور افتتاحی تقریر بھی اپنے ذمہ لی۔

یوم اقبال کے جلسے کا تہران یونیورسٹی میں منعقد ہونا اور چانسلر یونیورسٹی کی انتظامات جلسہ اور پروگرام میں شرکت ایک مہم واقعہ ہے۔ ذیل میں فاضل چانسلر کی تقریر کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

,, میں علم اور تعلیم کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ میرے لئے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ میرے عالی مرتبہ ہمنام علامہ اقبال مرحوم کی یاد

برای من کہ خدمتگذار کوچک دانش و فرهنگم جای بسی خوشوقتی است کہ مجلس یادبود علامہ محمد اقبال ہمنام بزرگ من در محل

ڈاکٹر منوچہر اقبال جانیملہ سہیلان نوٹوہوسی نوم اقبال کے جیسے میں تقریر کر رہے ہیں۔



ارادہ کے تابع ہوتی ہے لیکن ان بڑے بڑے اشخاص کی راہنمائی اور راہبری (جو انہی اوضاع اور زمان و مکان سے وجود میں آتے ہیں اور عام لوگوں کے افکار اور خواہشات کا مظہر ہوتے ہیں) کا مقاصد کے جلد حاصل کرنے اور قوموں کی سرع کامیابی پر گہرا اثر پڑتا ہے ۔

اسلامی اور ایرانی ہزار سالہ تمدن کے زیر اثر ہندوستان میں لٹی تحریکیں وجود میں آئیں جن کے نتیجہ کے طور پر بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے بنی نوع انسان کی آزادی اور حریت کے لئے کوشش کی اقبال پاکستانی آزادی پسند اشخاص میں سے تیار اور علمی اور اخلاق صفات کا حامل اور آسمانی الہام کا ملہم ہوئے ہوئے انسان کے اس عالی مقصد کے حصول کے لئے کوشاں رہا۔

عین حال کہ تحول میل تابع ارادہ ملتہاست لیکن راہبری و راہنمائی رجال بزرگ کہ خود مولود مناسبات زمان و مکان و مظہر تمايلات و رشد اجتماعہ در تسرع مقاصد و موفقیت اقوام تاثیر انکارنا پذیر دارد۔

نفوذ تمدن اسلام و فرهنگ ایرانی از ہزار سال قبل در سبہ قارہ و تبدلات تاریخ دو قرن اخیر در آن سرزمین ہمہ موجب پیدایش نہضت ہا و سبب ظہور رجال و نوابی شد کہ پرچمداری حریت و استخلاص اپنا نوع خود را بعہدہ گرفتند۔

اقبال پاکستانی از زمرہ احراری بود کہ علاوہ از سیر مدارج علمی از ملکات اخلاق خود و بالہامات آسمانی ملہم بود و برای وصول بہدف عالی انسانی خود میکوشید۔

میں یہ جلسہ یونیورسٹی میں منایا جا رہا ہے۔ اس حسن اتفاق کے متعلق عرض کرونگا کہ یہ ”اقبال“، نہیں جو آپ سے مخاطب ہے بلکہ میرے اقبال نے میری طرف توجہ کی ہے تاکہ میں پاکستان کے قومی شاعر اقبال ایسی عظیم شخصیت کے متعلق چند کلمے آپ کی خدمت میں عرض کروں۔

ظاہری طور پر علامہ اقبال کو پاکستان کے ایک فلسفی شاعر اور ہنرمند سخن سرا کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن اگر اس کے حالات اور اس کے کلام کی طرف صحیح طور پر توجہ دی جائے تو معلوم ہوگا کہ اقبال محض ایک مخصوص قوم یا ملک کا شاعر نہیں بلکہ ایک عالمی شخصیت کا مالک اور عالم انسانی کا راہنما ہے۔ اور اس کو یہ عظیم شہرت اور غیر معمولی کامیابی بلا وجہ نصیب نہیں ہوئی۔ جو لوگ زمانے کے انقلاب کے اسباب و ذرائع سے واقف ہیں خوب جانتے ہیں کہ اگرچہ اوضاع میں تغیر اور تبدیلی قوموں کے

دانشگاہ برگذارمیشود باین حسن تصادف میتوانم بگویم کہ این اقبال نیست کہ روی سخن باحضر محترم میدارد بلکہ این اقبال است کہ روی بمن آورده تا چند کلمہ دربارهٔ شخصیت بزرگی مانند علامہ محمد اقبال شاعر ملی پاکستان ایراد نمایم۔

علامہ دکتر محمد اقبال بصورت ظاہر یک شاعر دانشمند و گویندہ ہنرمند پاکستانی معرفی شدہ است، لکن اگر باحوال و آثار او درست توجہ شود ظاہر میگردد کہ او تنها یک شاعر متعلق بیک ملت و یک مملکت نیست، بلکہ اقبال یک شخصیت جہانی و یک رہبر عالم انسانی است و این شہرت عظیم و موفقیت بزرگ برگراف نصیب او نشدہ است۔

اشخاصیکہ بعلم و عوامل تحولات جہانی آشنائی دارند خوب میدانند در

سب سے نغمے کی بدولت پہنکے ہوئے کاروان کو عزت اور سعادت کی منزل پر
پہنچاتا۔ اقبال کا تلام اس حقیقت کا شاہد ہے کہ انہی سرور کو اقبال کی
ایک دویں ہی پر خم لگن ہوں۔ فرمایا ہے :

عجم از نغمہ های من جوان شد
ز سودایم متاع او گران --
عجوبی بودہ رہ گم کردہ در دلت
ز آواز درانسم کاروان شد



گم کردہ ای راہ بسر منزل عزت و سعادت رسانند۔ سخنان اقبال ہمہ شاہد
این احوال است من سخن خود را بیک دویں شیوای آن استاد روانشاد پایان
میدهم کہ میفرماید :

عجم از نغمہ های من جوان شد

اقبال نے اپنے آسمانی اشعار کی زبان سے جو موثر ترین تبلیغ کی زبان ہے۔ اپنے پیغمبرانہ کام کو انجام دیا اور اپنے محرک اور مہیج اشعار کے ذریعے اس نے اپنے ہم وطنوں کو ”اسرار خودی“، بتائے اور ہندوستانیوں کے خیالات کو غلامی اور اسیری کے خلاف جنگ کرنیکے لئے تیار کیا۔ خوش قسمتی سے بیچ جو اقبال نے خاک ہندوستان میں بونا بار آور ہوا۔ اور دونوں فرموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی حکومت، فوسے افتخار اور سیاسی آزادی نصیب ہوئی۔ اگرچہ پاکستان کی آزادی اقبال کی وفات کے بعد عصر جدید کے عظیم الشان راہنما قائد اعظم محمد علی جناح کی کوشش کا نتیجہ ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو کچھ قائد اعظم نے حاصل کیا اس بیچ کا ثمر ہے جو اقبال نے قوم کے دلوں میں بویا تھا۔ اقبال نے ہندوستان کی اسلامی ملت کی روح کو نئی قوت بخشی اور اپنے

اقبال با زبان آسمانی شعر کہ نافذ ترین زبان تبلیغ است رسالتی را کہ بعہدہ داشت بمرحلہ اجرا گذاشت و با سخنان بر شور و هیجان خود اسرار خودی را بہموطنان خود آمیخت و افکار اہالی ہندوستان را برای مبارزہ بر علیہ بردگی و اسارت مہیا ساخت۔ خوتہختانہ بذریکہ اقبال در مزرع تنبہ قارہ ہندوستان پاشید ثمر داد و ہر یک از دومت برادر ہندوستانی ما اعم از مسلمان و ہندو را بحق حاکمیت و غرور ملی و استقلال ساسی رساند۔ اگرچہ استقلال پاکستان بعد از در گذشت علامہ اقبال بہت زہیر بزرگ عصر جدید یعنی قائد اعظم محمد علی جناح انجام پذیرفت لکن بدون تردید آنچہ قائد اعظم دروید محصول تخمی بود کہ اقبال در مبدئ دایا افشانہ بود۔ اقبال بود کہ نیروی ملت مسلمان ہند را جوان ساخت و با نغمات شیرین خود کاروان راہ

۲۲۵

”ہمارے سینے میں ایک دنیا نہاں ہے
عماری خاک میں دل اور دل میں غم ہے
وہ شراب جس سے ہماری روح روشن ہوئی
ابھی تک ہمارے سپو میں باقی ہے“

آج کی مبارک رات جب کہ دنیا بھارت لباس پہنے ہوئے ہے ہندوستان کی
نواکر بیل کی آواز جو سرو بر بینہکر فارسی نثر موسیقی میں معنوی مقامات
کے سہی دوہرا رہی ہے اس نغمے کی مانند ہے جو محبت کے سار سے بلند
غورزا ہو۔ اور اس ایک مسرت نغمہ سے دو ہمسایہ ملک اصف اندوز
غورھی ہوں۔ نہ وہ نغمہ ہے جو ان دو سنوں کو ایک دوسرے کے ہمرنگ
اور ایک دوسرے سے آشنا اور مانوس کرتا ہے اور ہندوستان کے شکر افشان
طوطی کی ادب کے ہمسار ایرانی تذرو سے ملاقات کر دیتا ہے نا کہ
”نہاں در بند ما عالمی هست

بخاک ما دلی، در دل نمی هست
از آن صہبا کہ جان ما پر افروخت
هنوز اندر بجوی ما نمی هست

و از این جهت در این شب فرخنده کہ جهان خدمت اردبیلی نوشیدہ و مثال
دوست بقول دفینی پر صحرا نداشتہ شدہ است ذکر از بلبل نوا گر ہندوستان کہ
بر سر سرو باہنگ پہلوی درس مقامات معنوی میخواند مانند شنیدن نغمہ
ارغنون محبت است کہ دلہای دو ملت ہمسایہ را با یک نغمہ مینوازد و
آنها را با یکدیگر ہمہ رنگ و آشنا و مانوس میکند و طوطی شکر افشان ہندی را
با تذرو ایرانی بر سر یک چشمہ سار ادب میآورد تا از آب زلال آن کام جان

اقتباس از سخنرانی ڈاکٹر لطف علی صورتگر

ڈاکٹر صورتگر پروفیسر تہران یونیورسٹی (جو آج کل شیراز یونیورسٹی کے وائس چانسلر منتخب ہوئے ہیں) ایک خوش قریحہ شاعر، ادیب، انشاء پرداز اور تنقید نگار کی حیثیت سے ایران میں غیر معمولی شہرت کے مالک ہیں۔ ڈاکٹر صورتگر علاوہ فارسی کے، ادبیات انگریزی پر بڑا تسلط رکھتے ہیں اور آج سے کوئی بیس سال پہلے انہوں نے لندن یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر صورتگر آزاد منش اور درویش طبع واقع ہوئے ہیں اور علمی اور ادبی محافل میں نہایت احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ فارسی نثر میں مختلف مضامین پر ڈاکٹر صورتگر کی کتابیں چھپ چکی ہیں اور شعرا، معاصر میں ان کا پایہ بہت بلند ہے اور وہ جدید اور کلاسیک قسم کی شاعری میں پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ان کی شائع شدہ کتابوں میں تاریخ ادبیات انگلیسی سخن سنجی اور اصول علم اقتصاد مشہور ہیں۔ ذیل میں ڈاکٹر صورتگر کی تقریر سے جو انہوں نے یوم اقبال ۱۹۵۱ ع کے موقع پر کی اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

اقبال ان روشن ستاروں میں سے ہے جن کی روح درخشاں اور آتشین ہے۔ جن کا ذوق لطیف اور جمال پرست اور جن کا دل اثر پذیر ہے۔ اقبال نے بابا طاہر کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے :-

اقبال یکی از آن ستارگان فروزان است کہ روحی افروخته و ملتہب و ذوق لطیف و جمال پرست و دلی تاثر پذیر دارد و این اوست کہ باقتضای از بابا طاہر میفرماید :

کو ادائے مطلب کا بہترین ذریعہ سمجھکر اپنے خیالات کے گوہرہایں شاہوار کو اس مضبوط رشتہ میں منسلک کیا ہے۔ ایران کے عرفا اور شعرا کی اصطلاحات اور الفاظ جو مدت سے ہمسایہ ملک میں پہنچ چکی تھیں اس کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہو جاتی ہیں اور جس شکل میں چاہتا ہے ان کو ڈھال دیتا ہے۔ یہ کہات اور الفاظ انک پرے حائران کا حصہ ہیں ورنہ اب جب کہ اقبال کے ذریعہ سے سال بے سال کی جلا وطنی کے بعد اپنے اصلی وطن میں واپس آئے ہیں اور ایران معاصر کے جیسے شعرات اور مصطلحات سے آشنا ہوئے ہیں تو نئی قسم کی بدلتی اور غربت کا احساس نہیں کرتے۔ ان کی مثال اسی ہے جسے نئی حائران کے پورے افراد ایک طویل مدت کے بعد اپنے جوان رشتہ داروں سے آمیزش اور اپنے نوجوان بچوں کو گڈرے ہوئے زمانے کی داستانیں سناتے ہیں۔

مفتور بہترین وسیلہ میراثہ گوہرہایں شاہوار فکر را حسن رشتہ مستحکم میکند۔ کہات و تعبیرات عرفانی و شعری این دیار کہ از دیر باز بکشور دوست ہمسایہ رفتہ و در آنجا بہترینمانی برداختہ اند در دست او مثل موم نرم و بہر قالب تازہ انکہ ارادہ میکند در مباد۔ این کہات اصل و صاحب خانوادہ کہ سالہا جلاوی وطن دردہ و غربت اختیار نمودہ اند و مئی بوسیہ اقبال از سفر دور و دراز خود بوطن اصلی خویش باز مگردند و با ہمت تازہ و مصطلحات شعری امروز ایران آشنا میشوند احساس غربت نمیکند بلکہ مانند پیر خانوادہ ای کہ سی از سالیان دراز در محفل خویشاوندان جوان وارد میشوند از خاطرات ایام سلف برای فرزندان نو رسیہ حکایت ہا میکنند و این خود یکی از بزرگترین مزایای اشعار مرحوم اقبال است کہ این سفر کردگان کہن را بخانہ بدران خویش باز گردانیدہ بمحفل یاران آشنا وارد کردہ است۔

دونوں اس صاف پانی سے اپنی روح کو سیراب کر لیں اور اس آسمانی پانی کے قطرے ٹپکا کر مہجوری اور مشتاق کے رموز سن سنا کر بشر کی پیاس کو بجھائیں۔

اقبال کے اشعار ایک آتشین اور حساس دماغ کا مظہر ہونے کے علاوہ ایک خاص اذیت کے حامل ہیں جو آدمی کو بے اختیار مجذوب اور مست کر دیتی ہے۔ وہ خاص لطافت یہ ہے کہ اقبال نے اگرچہ ہندوستان کے نورانی آفتاب کے نیچے پرورش پائی اس کے افکار نے مشرق کے فلسفہ اور عرفان سے اور مولانا جلال الدین محمد (روسی) و حکیم غزنوی (سنائی) عارف نیشا پوری (عطار) سے فیض حاصل کیا ہے۔ اس کے بعد اقبال نے یورپ کا سفر کیا یورپ کے فلسفہ افکار کا مطالعہ کر کے انکی ایشیائی افکار سے آمیزش کی ہے۔ اقبال نے نئی نئی باتیں اور جدید خیالات کو شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اور فارسی جیسی شیریں اور ثروتمند زبان را سیراب سازند و با قطرہ ای از آن رحیق آسمانی تشنگی بستر را بشنیدن رموز مہجوری و مشتاقی بر طرف کند۔

شعر اقبال گذشتہ از آن کہ نمایندہ یک مغز افروختہ و حساس است لطفی مخصوص دارد کہ بی اختیار آدمی را مجذوب میکند و مستی میآورد و آن لطف این است کہ اقبال در زیر آسمان گرم و آفتاب نورانی ہندوستان نشو و نما یافته و افکارش از فلسفہ و عرفان شرق و آثار مولانا جلال الدین محمد و حکیم غزنوی و عارف نیشا پوری ماہ و توشہ گرفته است۔ آنگاہ در نتیجہ مسافرت باروہا و مطالعہ و اندیشہ در فلسفہ غرب افکار اروپائی را با اندیشہ های آسیائی مطابقت میدہد و مطالبی تازہ و نوین را کہ از نعمت ابداع بر خودار است بقالب شعر در میآورد و چون زبان شیریں و ثروتمند فارسی را برای ادای این

اقتباس از مقالہ آقائی صادق نشأت

آقای صادق نشأت میر داماد کی اولاد سے ہیں۔ عربی اور فارسی ادبیات میں متبحر ہیں اور دونوں زبانوں میں ان کی تالیفات موجود ہیں۔ ۱۹۵۱ ع میں پہلی مرتبہ اقبال کے کلام سے آشنا ہوئے اور کئی مرتبہ مولف سے ملاقات کی۔ اقبال کی دینی اور اخلاقی بصیرت کا ان پر بہت گہرا اثر ہوا اور وہ اقبال کو دنیای اسلام کا مشترک اور گرانہا سرمایہ سمجھتے ہیں اور ان کی دلی خواہش ہے کہ عالم اسلام کو اقبال کے کلام اور اس کے نظریات سے آشنا کرایا جائے۔ آقای نشأت کے مقالے سے چند سطریں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

،، ہم نے اکثر دیکھا ہے کہ بعض قوموں اور ملکوں میں نامور اشخاص وجود میں آئے ہیں لیکن اس کے مقابل میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ ایک واحد شخص ایک ملک اور ملت کو عدم سے وجود میں لایا ہو۔

مناسب ہوگا کہ پاکستان کے مشہور حکیم اور شاعر کا ان شخصیتوں میں شمار کریں۔ کیونکہ اس عظیم المرتبت شخص نے اپنے تفکر و تخیل مردان نامی عالم را تا دیدہ و شنیدہ ایم ملل و ممالک آنها بوجود آورده اند۔ اما عکس این قاعدہ هیچگہ روی نداده و اتفاق نبفتاده است کہ یک مردی کشور یا ملتی را بوجود بیاورد۔

سزاوار است کہ علامہ محمد اقبال حکیم و شاعر بلند آواز پاکستان را در خور آن القاب بمشاریم۔ زیرا این مرد بزرگوار در قلب آسیا مملکت و

اقبال کے اشعار میں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے وہ قدیم زمانے کے ”مہاجرین“ کو اپنے اجداد کے گہر میں اور یاران آشنا کی محفل میں واپس لے آتا ہے۔ اب ان واپس آنے والے ”دوستوں“ کا جو اپنے قدیم گہر میں آئے ہیں اس عظیم الشان مرد (اس کی روح پر خدا نور برسائے) کے کلام سے انتخاب کر کے تقریر رقم کرتا ہوں : انک دو بیتی پیش کرتا ہوں :-

,, تیری زندگی کی قبا کب تک چاک رہیگی
چیونٹیوں کی طرح کب تک تیرا آشیانہ خاک میں رہیگا
پرواز میں بلند ہو جا اور شاہین بننا سیکھ
تو کب تک خاک میں دانہ تلاش کرتا رہیگا ,,

ایک یکی دو از این یاران سفر کردہ را کہ با صد قافہ دل بسلامت باز
گشتہ و بخانہ دہرن خویش فرود آمدہ اند از کلام این مرد بزرگ کہ
روحش مہبط انوار فیض یزدانی باد ختام این گفتار قرار میدہم . یکی این
دو بیتی است کہ میفرماید :

قبای زندگی چاک تازی
چو موران آشیان در خاک تازی
به پرواز آی و شاہینی بیاموز
تلاش دانہ در خاشاک تازی



میں مسلمانوں کی حکومت ہو، کٹو ہرگز قبول کرنے کو تیار نہ تھی۔ لہذا ان کو اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کا خیال آیا جو ساٹھا سال پہلے افہال نے مسلمانانِ غنہ کی سعادت کے لئے تیار کی تھی۔ اور ان کی انہی ان ٹیک **قرینانوں کی ہرولٹ ۸ کروڑ مسلمانوں کا ملک وجود میں آگیا۔**

افہال قبا و قبا انک ایرانی ہے اور اس کا مرجع قرآن ہے۔ وہ جو لچہ سوچتا ہے یا بہانہ دیتا ہے یا لکھتا ہے ایرانی اسلوب اور طرز کے مطابق شاعر ہوتا ہے یا نون کہتا دھنٹے نہ ایرانی علم اور طرز فکر و استدلال کو جو خواجہ عبداللہ انصاری، امام غزالی، مولوی، سعدی، حافظ خواجہ نصیر طوسی، میر داماد، اخوند ملا صدرا و علامہ سبزواری وغیرہ کے ہاں پایا جاتا ہے اپنے شعر اور نثر میں مجسم کرتا ہے۔

افہال سنی مسلمان نوا لیکن اپنے آپ کو تشیع سے دور نہیں سمجھتا۔ چونکہ اکثریت آج مسلمان است حکومت یا مسلمان بادشاہ، بول نمایندہ و بفکر عس نمودن آن نقشہ ای کہ وہ سال قبل برای سعادت مسلمانان هند پیشینی نموده بود افتادند و با فسادری خسکی تا بذریعہ خود نک ملت و مملکت ۸۰ مسون نقری را بوجود آوردند۔

افہال قبا و قبا ایک ایرانی آدہ رہبر او اسلام و مرجع وی قرآن اس بوده بسد و آنچه میاندیشد و میگوید و مینویسد با اسلوب و سعار ایرانی جبوه گر شود یا بعبارت اخری دانش ایران و چگونگی تفکر و تعقل بیزرکن ایران امثال خواجہ عبداللہ انصاری و امام غزالی و مولوی و سعدی و حافظ و خواجہ نصیر طوسی و میر داماد و آخوند ملا صدر او علامہ سبزواری را در شعر و نثر خود مجسم نماید۔ او مسلمان سنی بود ولی بی اینکه خود را

اور ذوق سے ایشیا کے دل میں ایک مملکت اور ملت کا نقشہ مرتب کیا جس نے اس کے مرنے کے ٹھیک دس سال بعد محمد علی قائد اعظم کے ہاتھوں جامہٴ عمل پہنا۔

بعض اشخاص (جن کو ہندوستان کے وسیع ملک اور وہاں کے لوگوں کے متعلق پوری اطلاعات میسر نہیں) خیال کرتے ہوں گے کہ پاکستان کی تشکیل کے سوال نے ہندوستان کے لوگوں میں دو فوجوں کا تصور پیدا کر دیا ورنہ وہ سب اکٹھے زندگی بسر کر سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں کی آواز کو سن سکیں تو اس امر کی تائید کریں گے کہ تشکیل پاکستان کے لئے کوشش کرنا نہ صرف لازم تھا بلکہ ہر مسلمان کا فرض تھا کیونکہ انڈین کانگریس جب ہندوستان کی آزادی کے ابتدائی پروگرام اور اسکیمیں تیار کر رہی تھی تو مسلمانوں کے نمائندوں کی (جن کے لیڈر مسٹر جناح تھے) تجویز کہ مسلمان اکثریت کے علاقوں ملتی را روی نقشہ فکر و قریحہ خود ترسیم نمود کہ درست دہ سال بعد ہا دست محمد علی جناح قائد اعظم پاکستان عملی گردید۔

شاید برخی اشخاص کہ اطلاع کلی بر اوضاع مردم ہندوستان و اقلیم بہنور آن ندارند گمان کنند کہ مسئلہ ایجاد پاکستان روح دو ملیت را در افراد جامہ ای کہ باید با ہم زندگانی نمایند تولید کردہ باشد ولی اگر بداد دل مسلمانان ہندوستان برسند بلا شک و تصدیق خواهند کرد کہ مبادرت باین امر نہ فقط لازم بلکہ فریضہ ہر مسلمانی بودہ است زیرا کنگرہ ہندوستان کہ مقدمات استقلال ہند را طرح ریزی مینمود بہیچ وجہ حاضر نہ گردید پیشنہاد نمایندگان اسلامی را کہ جناح در راس آنها بود دایر

کی مانند اسے شاہ ولایت (حضرت علی) سے خاص ارادت اور محبت تھی اس کے متعلق کہتا ہے :-

مرسل حق کردہ نامش بو تراب

حق ید اللہ خواند در ام الکتاب

(یعنی خدا کے رسول نے اس کو بو تراب کا نام دیا اور خدا نے اس کو قرآن میں ید اللہ کا نام دیا) شیعوں کی مانند حسین ابن علی کے مصائب سے بہت متاثر تھا۔ اور آنحضرت کے فلسفہ شہادت کے متعلق وہ کہتا ہے :-

مدعایش سلطنت بودی اگر

می نکردی با جنین سامان سفر

دشمنان چون ریگ سحرالاتعد

ہمرہان او بہ یزدان ہم عدد

(یعنی اگر اس کا مقصد سلطنت ہوتا تو وہ اس حال میں سفر نہ کرتا نہ دشمن تو صحرا کی ریت کے مانند بے شمار تھے اور اس کے ہمراہی یزدان کے اعداد کے برابر) اس حکیمانہ بات کے مطابق کہہ دو، مالا یدرک کہہ لا یتربک کہہ ،،۔

اس خیال سے کہ اس حکیم کے گلستان سے ایک گلدستہ علم و ادب کے دوستوں کے سونگھنے کے لئے تیار ہو سکے یہ چند دلپذیر اشعار جن کا ارادات و علقہ خاصی بشاہ ولایت داشت و در معرفی او میگفت :

مرسل حق کرد نامش بو تراب الخ

مانند شیعیان از مصیبت حسین ابن علی متاثر بود و در فلسفہ شہادت آنحضرت میگفت :

مدعایش سلطنت بودی اگر الخ

بمصادق جملہ حکیمانہ معروف، مالا یدرک کہہ لا یتربک کہہ، دستہ گلی از گلزار آن حکیم بمشام دوستان علم و ادب رسیدہ باشد این چند بیت دلپذیر

تھا۔ اور مختلف فرقوں کی ایک دوسرے پر ترجیح کا قائل نہیں تھا۔ وہ سید جمال الدین اسد آبادی معروف بافغانی کی طرح خیال کرتا تھا کہ تمام اسلامی فرقے ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں ان کا پھل مشترک ہے۔ اقبال کو امید تھی کہ اسلام کا مستقبل روشن ہوگا اور اس کو عظمت اور وسعت حاصل ہوگی۔ وہ کہتا تھا کہ میرے ضمیر کے ذریعہ مجھکو الہام ہوا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جلد آزاد ہوجائیں گے اور ان کو حکومت اور بلندی نصیب ہوگی۔ کہتا ہے۔

میر سد روزی کہ زنجیر غلامان بشکند

دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما

یعنی وہ مرد غلاموں کی زنجیروں کو توڑ دے گا پہنچنے والا ہے میں نے تمہارے زندان کی دیوار کے روزن سے دیکھ لیا ہے۔

نہ فقط اسلام سے رابطہ کے اقتضا سے بلکہ تمام ایرانی عرفا اور شعرا

از تشیع دور بداند یا مزیتی برای یکی از فرق اسلام بر فرقہ دیگر قائل شود۔ مانند سید جمال الدین اسد آبادی معروف بافغانی معتقد بود کہ تمام فرق اسلام شاخہ های یک درختند و ہر چہ باشند باشجرہ یک میوہ و یک ثمر را بار میدہند۔ دکتر اقبال نسبت بآئندہ اسلام و توسعہ و عظمت آن خوش بین بود و نجات ہند را از مسائل مسلم حتمی می شمرد و میگفت بمن از راہ وجدان الہام شدہ است کہ مسلمین ہند نبرودی آزاد میشوند و بمرتبہ آفاقی و سروری میسرند۔

نہ فقط بمقتضای رابطہ خود با اسلام بلکہ مانند تمام شعرا عرفا ایرانی

اتنی دل بستگی نہ تھی جننی فارسی سے ہے لیکن وہ ایران نہیں آیا اور ایرانیوں
کی مصاحبت اور ہمد می اس کو میسر نہ ہوئی۔

لازم ہے کہ ایران اور پاکستان کی دو ملتوں کے خیر خواہ اصحاب
دوستی اور یک جہتی کے روابط کو زیادہ سے زیادہ تقویت دیں اور آئندہ
آئینوں نسلوں کو اس کے اچھے ثمر سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں تاکہ
اس طرح اقبال کا مقصد پورا ہو جائے۔

یا رب دعای خستہ دلان مستعجب کن



زبان فارسی وابستگی نداشت و در صور تیکہ بایران نیامده و با ایرانیان
محشور و دمساز نشده بود. امید است کہ خیر خواہان ملتین دوست و برادر
ایران و پاکستان منظور او را در تقویت روابط دوستی و یکجہتی بیش از پیش
عملی و نسل های آئندہ را از ثمرات مطلوب آن برخوردار سازند.
یارب دعای خستہ دلان مستعجب کن

مضمون نیا اور کم نظیر ہے کتاب زبور عجم سے اقتباس کر کے پیش کرتا

ہوں,, غالباً اس کا خطاب ملت ایران سے ہے :-

میشود پردہ چشم پر کاهی کاهی

دیده ام هر دو جهان را بنکاهی کاهی

وادی عشق بسی دور و دراز است ولی

طی سید جادہ ص - سالہ باہی کاهی

در حسب کیوں و مہ دامن اسم زد دست

دولتی هست لہ دابی سر راہی کاهی

ترجمہ - ۱-,, کبھی تو ایک کآہ کا ننکھ ہی میری آنکھوں کا حجاب

بن جاتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہی ہوا ہے کہ ایک نڈہ میں نے دونوں

جہانوں کو دیکھ لیا ہے۔

۲- وادی عشق بہت دور و دراز ہے لیکن کبھی سوساں کا راستہ

ایک آہ میں طے ہو جاتا ہے۔

۳- ہمیشہ طلب میں کوشش کرتے رہو اور امید کا دامن ہاتھ

سے مت چھوڑو۔ ایک ایسی دولت بھی ہے جو ممکن ہے سر راہ ہی تمہارے

ہاتھ لگ جائے۔

ڈاکٹر اقبال اپنی قومی زبان اردو کے علاوہ کئی زبانیں مثلاً عربی

جرمن اور انگریزی اچھی طرح جانتا تھا لیکن اس کو کسی اور زبان سے

را کہ در مضمون خود بکر وکم نظیر است از کتاب زبور عجم او استخراج و

تقدیم میشود گویا مخاطب او ہم ملت ایران باشد:

میشود پردہ چشم پر کاهی گاهی

ڈاکٹر اقبال با اینکه علاوہ بر زبان ملی خود اردو چندین زبان دیگر از

قبیل عربی آلمانی انگیسی را خوب میدانست معہذا بھیچ یک باندازہ

۲۳۷

اقبال کے ہم وطنوں نے اس کے اصلاحی اور سیاسی اور انقلابی خیالات سے استفادہ حاصل کیا اور پاکستان آزاد کا وجود میں آنا یہی اقبال ہی کے افکار کا نتیجہ ہے۔ اسلامی ممالک اور دیگر مشرق کے لوگ اقبال کو ایک بہت بڑا خاص فکر اور طرز کا شاعر مانتے ہیں لیکن ہم ایرانیوں کے لئے اقبال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔

اقبال ہے جس نے ہندوستان میں فارسی زبان کو زندہ کیا اور اسے نئی رونق بخشی اور اپنے فارسی اشعار کے ذریعے سے اپنے ہم وطنوں کے دل میں ان کے ایران سے روحانی تعارف کو تازگی عطا کی۔ فارسی کے اردو کے ساتھ ارتباط کو جو آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا تھا دوبارہ مضبوط کیا۔ اس نے ایران کے استاد شعرا اور ان کے مخصوص طرز شعر کوئی کو ہند میں زندہ کیا۔ اس نے فارسی کے ادبی مضامین اور افکار کو دوبارہ ایک نادر اور نئی شکل میں بیان کیا۔

اہل وطن اقبال از افکار اصلاحی و انقلابی او بہرہ مندند و استقلال پاکستان یکی از نتایج فکری اوست۔ کشور های اسلامی بلکہ عموم مردمان مشرق او را شاعر بزرگ و صاحب فکر و سبک میدانند ولی اقبال برای ما ایرانیان اہمیت مخصوصی دارد۔

اومی و مجدد زبان فارسی در ہند است و با اشعار فارسی خود رشتہ ارتباط معنوی و در دل ہموطنان خود تجدید نمود۔ رابطہ فارسی را با اردو کہ رفتہ رفتہ گسستہ میشود دوبار محکم کرد روش و سبک سخن اساتید ایران را در ہند زندہ ساخت و افکار و مضامین ادبی فارسی را بصورتی بدیع باز گفت و شرح و تفسیر کرد۔

اقتباس از سخنرانی آقای محمد حسین مشائخ فریدنی

آقای فریدنی ۱۹۴۹-۱۹۵۴ تک سفارت کبری ایران کراچی میں مشاور فرهنگی (کلچرل کونسلر) کے عہدے پر کام کرتے رہے اور ایران اور پاکستان کے درمیان ادبی اور کلچرل تعلقات کو بہتر بنانے میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

آقای فریدنی کو عربی اور فارسی ادبیات پر عبور ہے اور فارسی زبان میں شعر بھی کہتے ہیں۔ انہوں نے اقبال کے متعلق کئی مقالے لکھے ہیں اور جلسوں میں تقریریں کی ہیں۔ ذیل کا اقتباس ان کی آخری تقریر سے کیا گیا ہے جو انہوں نے ۱۹۵۵ میں یوم اقبال کے موقع پر تہران میں کی۔

اقبال نے فارسی زبان کو اس زمانے میں جب کہ یہ زبان صرف قبروں یا مزاروں کے کتبے اور لوحیں لکھنے یا یونانی حکیموں کے نسخوں تک محدود ہو گئی تھی ایک ادبی زبان کی حیثیت سے دوبارہ زندہ کیا۔ اقبال فارسی زبان کی تاریخ کے اس تاریک دور میں پنجاب میں پیدا ہوا اور فارسی زبان میں شاعری اور شیریں زبان میں اپنے گرانہا خیالات بیان کر کے اس نے فارسی زبان کے نیم مردہ چراغ کو دوبارہ فروغ عطا کیا۔

.... دو اقبال زبان فارسی را کہ در ان عصر فقط برای نوشتن لوح قبر یا کتبہ مزار یا نسخہ حکیمان یونانی بکار میرفت دوبارہ بشکل یک زبان ادبی زندہ کرد۔ در چنین دوران تاریکی بود کہ مرحوم شیخ محمد اقبال در پنجاب پیدا شد و با سرودن اشعار فارسی و نشر افکار گرانہای خود باین زبان شیریں چراغ نیم مردہ زبان فارسی را دوبارہ پر فروغ کرد۔

۲۳۹

اشعار میں آرزو کی ہے کہ تمام مشرقی اقوام متحد ہو جائیں اور اپنے اختلافات وغیرہ کے حل و فصل کے لئے تہران میں ایک مرتزی اتحادیہ قائم کریں۔
مختصر یہ کہ اقبال اگرچہ سیالکوٹ میں پیدا ہوا اور اس نے لاہور میں وفات پائی اور مرکز ایران نہیں کیا اور نہ ہی ایرانیوں سے ملنے ملانے کا اسے موقع ملا وہ فارسی کے عظیم انسان اور صاحب طرز و مخصوص شعرا میں سے ہے۔ اور وہ فلسفی سیاسی اور ادبی لحاظ سے ہمیشہ ایران سے مربوط رہا۔۔۔



میکند کہ ملل شرق ہمہ گرد ہم جمع شوند و نہران را مرکز این اتحادیہ و محل فصل خصومات و حل اختلافات قرار دهند۔

خلاصہ آنکہ اقبال با اینکه در سیالکوٹ متولد شدہ و در لاہور بدرود زندگی گفتہ و مرکز بایران نیامدہ و کمتر با ایرانیان معاشرت داشتہ است۔ از شعرای بزرگ و صاحب فکر و صاحب سبک فارسی است۔ و ہم از لحاظ فلسفی و ہم از نظر سیاسی و ادبی ہموارہ خود را پیوستہ بایران میدانستہ است۔

اس کے جاویدان کلام میں خواہ وہ اردو میں ہو یا فارسی میں ایران کے بڑے بڑے شعرا کا اثر ظاہر ہے مگر اقبال نے خاص طور پر مولانا جلال الدین بلخی رومی سے فیض حاصل کیا ہے اور اسے اپنا پیر اور مرشد مانتا ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی لحاظ سے بھی اقبال کی توجہ ایران کی طرف رہی۔ وہ خوش تھا کہ ملت ایران کو اتحاد نصیب ہوا ہے اور قوم کو ایک طاقتور اور خیر اندیش راہنما میسر ہو گیا جس نے اس قدیم مملکت کی آبادی اور رفاه کے لئے اقدام کئے ہیں اور ہرج مرج (داخلی گڑبڑ) کو ختم کر دیا ہے اقبال کہتا ہے۔

آنچه بر تقدیر مشرق قادر است

عزم و خرم پہلوی و نادر است

پہلوی آن وارث تخت قباد

ناخن او عقدہ ایران کشاد

بیہن سعدآباد کو امید افزا خیال کرتے ہوئے اقبال نے اپنے اردو

در آثار جاویدانش چہ آنها کہ بفارسی و چہ آنها کہ اردو است ہمہ جا از اساتید و بزرگان ایران الہام گرفتہ و بخصوص از مولانا جلال الدین بلخی رومی کسب فیض میکند و او را پیر و استاد میدانند۔

بعلاوہ اقبال از لحاظ سیاسی نیز متوجہ ایران بود۔ انہماق خوشنودی میکرد امور ایران جمع آمدہ و قائدی توانا و رہبری خیر اندیش پیدا شدہ کہ این کشور کہن را آباد میسازد و ہرج و مرج را بر میاندازد۔

آنچه بر تقدیر مشرق قادر است الخ

پس از انعقاد پیمان سعد آباد با خوشبینی ہر چہ تمام تر در شعر اردو آرزو

اقبال کی رائے میں انسان کو نہیں چاہئے کہ وہ بالکل مادیات کے زیر اثر آجائے اور نہ ہی اسے اپنے آپ کو فنا، سمجھنا چاہئے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ اپنی شخصیت کو ترقی اور عظمت سے ہمکنار کرے اور خدائی انوار کو اپنی ذات میں جذب کر لے تاکہ آخر کار حق اور حقیقت اور ایک عالی شخصیت کے مقام پر پہنچ کر سچ مچ خدائی کا مظہر بن جائے۔

اقبال مشرق کے لوگوں خصوصاً مسلمانوں کو خواب سے اور غفلت سے بیداری اور جہاد و مشکلات اور خطروں سے مقابلہ کرنے کے لئے ابھارنا اور اُلسانا ہے۔ اقبال کے نزدیک سخیوں کا برداشت کرنا انسان کی ترقی اور آدمیابی کے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔

از بلاھا بخمہ تر گردد خودی

خدا را ترزدہ در گردد خودی

رومی ان لوگوں کا جو جبری عقیدہ رکھتے ہیں اور کوشش و اختیار اور انسانی ارادہ کی قوت کے قائل نہیں، مخالف ہے۔ اقبال نے رومی کے

اقبال عقیدہ مند است کہ انسان نباید دملا تحت تاثیر زندگی مادی قرار بگیرد و نہ خود را فنا بداند۔ بلکہ باند شخصیت خود را رشد بدهد و بزرگ کند و انوار الہی را در خود جذب بکند و بالآخر نمونہ حق و حقیقت و شخصیت عالی و مظہر خدائی گردد۔ اینست کہ اقبال ترقیایان و بالاحسن مسلمانان را بہ بیداری از خواب گران غفلت و اقدام بہ مجاہدہ و کوشش و استقلال و عدم ترس از خطرات تشویق و تحریک میکند۔ او تحمل شدائد را وسیلہ تکمیل و می داند و میفرماید۔ از بلاھا پختہ تر گردد خودی الخ مولوی با آن دستہ از مردمی کہ جبری بودہ و بتاثیر کوشش و اختیار و ارادہ انسانی درکارہایش معتقد نیستند مخالف است۔ اقبال این عقیدہ را

از مقالہ آقای محمد تقی مقتدری

آقای مقتدری کئی سال کابل میں ایران کے کلچرل کونسلر رہے ہیں۔ آپ کو صوفیا کی شاعری سے خاص لگاؤ ہے اور اقبال کے کلام کا مطالعہ بھی انہوں نے زیادہ تر تصوف کے نکتہ نظر سے کیا ہے۔

» اقبال نے اپنی تصنیفات میں مختلف موضوعات پر بحث کی ہے۔ فرد اور ملت، ملیت اور وطن اور مذہب اور سوسائٹی، تعلیم و تربیت، فلسفہ اور معرفت و تصوف اور مابعد الطبیعات، سیاست، اقتصادیات وغیرہ کے مسائل پر بھی اس نے توجہ دی ہے۔

اقبال کی عرفانی روش کی بنیاد خودی کی تربیت اور ترقی پر قائم ہے۔ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ »وجود« ہمیشہ جنبش و حرکت اور جستجو میں رہتا ہے۔ اور خودی سے مراد زندگی کی متحرک قوتوں سے ہے جو ہمیشہ سرگرم عمل ہیں، سکون اور آرام خودی کے لئے موت ہے اس لئے انسانی زندگی جدوجہد و مبارزہ اور سخت کوشی کے مترادف ہے۔

در آثار علامہ اقبال از مباحث مختلف سخن رائدہ شدہ از فرد و ملت و وطن و مذہب گرفته تا اجتماعات از آموزش و پرورش و فلسفہ و عرفان گرفته تا تصوف و بحث در مابعد الطبیعہ و سیاسیات و اقتصادیات و غیرہم، روش عرفانی مبتنی بر پرورش و تربیت خودی است۔ چہ او معترض است کہ وجود هموارہ در حرکت و تلاش است و خودی عبارت از یک سلسلہ جریانہای نیروی حیاتی است کہ دائما در فعالیت و حرکت بودہ و سکون ندارد و آرامش و او مرگ و فناۓ اوست لذا زندگی انسان عبارت است از نبرد و ستیز و سخت کوشی۔

محمد حجازی مطیع الدولہ

کی ڈائری کا ایک ورق

آقای محمد حجازی مطیع الدولہ نثر فارسی میں اننی طرز کے اسناد ہیں اور
ملک کے طول و عرض میں آب کو غیر معمولی حد تک غیری حاصل ہے۔ ملک
الشعرا بہار حجازی کی نثر تو اسکی جاذبیت، سحر و روائی کے نیس نظر
بہترین قسم کی شاعری کا نمونہ گردانے سے

در دین غنویان میں حکیم ۵ مہمان تھا اور سر و سیاحت میں
معمول.... ایک خوبصورت مدائی علاقہ سے گذر ہوا۔ ایک سج و خم
سحر ہوئی سڑک سے ہوتے ہوئے ایک حجازی ر ایک چھوٹے سے مکان میں
بہنچے۔ مکان کے باہر ایک خدمت نصب تھا۔ اس میں مزر کے اور مختلف قسم
کے تھیں اور رنگ رنگ مٹھائیاں جنی ہوئی تھیں..... میری نگاہیں اور
میرے حوڑات اس س کے جنگلوں میں سبزہ زاروں اور جھیلوں میں آنکھ
چھوئی تھیں رٹ تھیں..... اس میں معبود عرب تھا نہ میں آسمانوں پر
سیر رہا ہوں..... ایک زندہ انسان کے لئے اس سے بہتر بہت میر نہیں

در غنویان در سور دکن مہمان دولت بودہ و سیر و سیاحت میگردم۔
از دشت خرمی گستیم و از پیچ و خم ای بالا رفتیم ۵ بعمارت کوچکی
رسیدیم۔ در جلو عمارت چادر بزرگی برپا بود۔ رنگ و بوی آنہم میوہ و
شیرینی و خوردنی نہ روی میزہا انباشتہ بود با نقس و نگار منظری بہت آما
در ہم میشد.....

خیالات کو نئی آب و تاب بخشی ہے اور ایک قدم رومی سے بھی آگے بڑھایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر جد و جہد نہ ہوتو زندگی بے معنی ہے اور یہ کہ زندگی جس قدر دشوار اور جد و جہد سے پر ہو اتنی ہی بلند تر اور لذت بخش تر ہوگی۔ ایک جگہ فرمایا ہے۔

پرسیدم از بلند نگاہی حیات چیست

گفتا، مئی کہ تلخ ترا و نکو تراست

اقبال کا تخیل نہایت پر جوش اور اس کے افکار سیل تند رو کی مانند ہیں۔ اقبال جبری اور اختیاری عقائد کے طرفداروں کے مباحث میں شمولیت نہیں کرتا اور ان کی قیل و قال کو ”حرف بافی“، گردانتا ہے۔ اس کے نزدیک ذات انسانی کی ترقی لگاتار تگاپو اور مسلسل انقلاب میں مضمر ہے۔

سراپا معنی سر بستہ ام من

نگاہ حرف بافان بر نتابم

نہ مختارم توان گفتن و نہ مجبور

کہ خاک زندہ ام در انقلابم

آب و رنگ تازہ ای بخشیدہ و قدیمی بر تر نہادہ و معتقد است کہ اگر کوشش نباشد زندگی نیست۔ و عقیدہ دارد کہ زندگی ہر چند دشوار تر باشد و مجاہدہ آن بیشتر باشد بہتر و لذت بخش تراست۔ چنانکہ میفرماید۔

پرسیدم از بلند نگاہی حیات چیست الخ

اقبال حقاً مغزی پر جوش و اندیشہٴ بمانند سیل خروشان داشتہ است او از قیل و قال جبریوں و اختیاریوں خود را بر کشیدہ و گفتار آنان را ”حرف بافی“، دانستہ وجود خود را منقلب و در تگاپوی مدام معرفی کردہ۔

کیا کہ کیا حال ہے؟ میں نے اصل بات بنا دی۔۔۔ ایک محزون تبسم کے ساتھ جواب دیا اے کاش نہ ہر شخص اور ہر ملک کو اپنا دوست اور وطن خیال کر سکو۔۔۔

میں شرمندگی اور ندامت سے آرزوہ خاطر ہو گیا۔ ٹونکہ میں نے محسوس کیا کہ میرے اور اس مقام کے درمیان (جسکا ذکر غلام محمد نے کیا ہے) ثنی سالوں اور مہینوں کا فاصلہ ہے۔ اسی جانب اور گفتگو میں مسغول تھے کہ ربدنو کی آواز گونج اٹھی۔۔۔ گویا کہ میرے بیمار دل کی تھکا ہوا پیغام تھا۔ ربدنو بر فارسی پروگرام نشر ہو رہا تھا اور افسان کے بر معنی اشعار سننے جا رہے تھے۔۔۔ یہ ایک آسمانی نغمہ تھا جس نے اس بہشت آسما منظر کو میرا دوست اور عموا بنا دیا۔۔۔۔۔ صحیح ہے کہ جہاں ہماری زبان میں شعر کہنے جائیں وہ جگہ ہمارا وطن ہے ہمارا گھر ہے۔ جو ہماری زبان میں شعر کہے ہمارا دوست ہے محبوب ہے اور ہم وطن ہے۔

--

فغان مرا از دھان بستہ ام شنید و از عالم برسید۔ حقیقت را گفتم تبسم محزونی کرد و گفت ای کاش ہمہ جا و ہمہ کس را یار و دیار خود بدانید۔

شرمندہ و از خود آرزوہ شدہ زیرا دیدم من و این مقام از ہم سالہا و فرسنگہا فاصلہ داریم در این احوال گفتگو بودیم کہ صدای رادو بلند شد گوئی شفای دل بیمار من باشد۔ بر نامہ فارسی بود و اشعار پر مغز دکتر اقبال شاد روان خوانندہ میشد۔ یعنی ندای آسمانی بود کہ آن منظر بہشت آسارا با من دوست و همزبان میکرد۔ آری آنجا کہ بزبان شما شعر بسریند خانہ و وطن شماست۔ کسیکہ بزبان ما شعر بگوید دوست و محبوب و ہم وطن ما است۔

ہو سکتا... ناگہاں ایک پرندے کی شیریں آواز بلند ہوئی..... ہر چند
کوشش کی مگر اس آواز کو نہ پہچان سکا.... نہ سمجھ سکا.... یکایک
ایک غم آلود پردے نے اس تمام بہشت کو چھپا لیا..... میں نے محسوس
کیا کہ اس بہشت کی آواز مجھ سے آشنا نہیں..... ایک دلربا دوشیزہ کی
آواز تھی جو دوسروں سے اپنے راز بیان کر رہی تھی.... لیکن وہ میری آہ
اور نگاہ کے معنی نہیں جانتی تھی....

وطن کے دشت و سبزہ اور پرندوں کی یاد میرے دل میں تازہ
ہو گئی.... میرے دل کی گھرائیوں سے نالہ و فغان بلند ہونے لگا۔ میرا
عزیز میزبان آقای غلام محمد تھا جو اس زمانے میں دکن میں وزیر مالیات
تھا۔ یہ عالی مقام شخص (جسکی روح میں کشور داری اور صاحب دلی کا
امتزاج پایا جاتا ہے) میری زبان بستہ فغان کو سمجھ گیا... مجھ سے دریافت

چشم بہ پیش و فکر بدنبال مدتی در سبزہ ہا و دریاچہ ہا و جنگلہا
میرفتم و میگشتم و در پرواز بودم برای زندہ و آسودہ بودن بہشتی از آن خوشتر
نمی شد . ناگہاں بہشتم با من بزبان آمد و آواز مرغی برخاست. من ہر چہ
گوش دادم آن آواز را نشناختم و نفہمیدم.....

ساز وجودم بنالہ در آمد و زارید . پردہ ای از غم بر آنہمہ زیبائی پوشید
دیدم کہ زبان و آن بہشت با من آشنا نیست. دختر دلکشی است کہ با دیگران
راز میگوید و معنی آہ و نگاہ مرا نمیفہمد .

بیاد دشت و کوه و سبزہ و مرغان وطن افتادم و فغان از نہادم
برخاست . مہماندار عزیزم آقای غلام محمد کہ در آن زمان وزیر دارائی دکن
بود (این مرد بزرگ کہ ہنر کشور داری را با مقام صاحب دلی توام دارد)

اقتباس از نامہ جناب آقای حبیب اللہ آموزگار

۱) آقای حبیب اللہ آموزگار ایران کے مابعد ناز عطاء اور ادنا میں سے
ہیں۔ آپ کی ادبی خدمات میں سے آپ کی مسطور مالف ۱۰ فرغفک آموزگار،
۲) آپ ایک ایک ایک ایران میں وزیر تعلیم بھی رہے ہیں اور آجکل
ایرانی سنت کے معبر ہیں۔ مگر آپ کی علمی اور ادبی حست ان کے دوسرے
مقامات سے نہیں ہلا کر ہے۔ دل میں انکے ایک خط سے جو موصوف نے
موصوف کو لکھا تھا اس میں لکھا ہے :-

[illegible]

افسانہ جسمی عظیم ادبی تخیلیں دے انسان میں پیدا ہونا کوئی
عجب بات نہیں۔ ایران اور پاکستان بظاہر دو بدن جس مکران کی روح
.. اس فاضل عرفی آگاہ پس از مہتمم انتظار یہ پدہ ببال درد از
اثر روح پاک و درخشان استاد محمد افسانہ میدانم کہ ز خاک پاکستان
بر روان مرید ایران تا بیدہ و گنہہ های عرفی آن استاد را کہ بزبان شیرین
فارسی سرودہ بفارسی زبانان جهان تہنیت میگویم۔

۲۰. آری بیدایش این گونه نواخ ادبی از خا ت باکستان شگف ندارم .
جه ایران و پا کستان هر دو یک روحند اندر دو بدن و یک زبانند اندر دو دهن .

میں لاہور کے فارسی گو شاعر کے کمال و دانش اور اسکی بلند روح کے متعلق کچھ نہیں کہوں گا، میرے دوسرے احباب کہہ چکے ہیں اسکی تعریف و ستائیش کا حق ادا کر چکے ہیں میں اس پاک روح کا شکر گزار ہوں کہ اسکی بدولت میرا وقت ہندوستان میں خوشی اور خرابی میں گذر گیا۔ میں اقبال لاہوری کا ممنون ہوں کہ وہ اپنی نغز فارسی اور اپنے بدیع افکار کے ذریعے ہمارے دوست ملک کو جو فارسی کے زوال کے باعث ہم سے بیگانہ ہو رہا تھا دوبارہ محبت اور مہر کی راہ پر لے آیا۔

* * *

من از کمال و دانش و روح بلند شاعر پارسی گوئی لاہوری سخن نمی گویم دیگران گفته و شرط ستایش را بجا آورده اند . من از آن روان پاک شکر گزارم کہ آنروز و روزهای دیگر مرا در ہندوستان خوش و خرم کرد . از دکتر اقبال لاہوری کہ روانش انوشہ باد سپاسگزارم کہ با فارسی نغز و افکار بدیع خود کشور دوست و برادر را کہ با زوال فارسی براہ بیگانگی میرفت دوبارہ ما بر سر مہر و دوستی آورد .



پروفیسر محمد رفیع



پروفیسر محمد رفیع



پروفیسر محمد رفیع



پروفیسر محمد رفیع

ایک ہے۔ انکے دھن دو ہیں مگر زبان ایک ہے دونوں ایک مشترک منبع فیض سے فیض یاب ہیں اور دونوں کو ہم نژادی کا بھی فخر حاصل ہے۔

ایک قدیم زمانے سے نژادی، زبانی اور مذہبی وحدت کے زیر اثر ان دونوں ملتوں میں اخلاق، روحی اور اجتماعی یگانگت پیدا ہو چکی ہے جسکا بہترین پرتو ہمیں اقبال کے کلام میں ملتا ہے۔ گزشتہ دو سو سال کے عرصہ میں کچھ تاریک بادل ہم پر منڈلاتے رہے ہیں لیکن وہ ان دو برادر اور ہم مذہب ملتوں کے دلوں پر کوئی ایسا اثر نہیں ڈال سکتے جس سے ان کے درمیان جدائی کا بیج بویا جا سکے۔

ہر دو از یک منبع فیض عرفان بہر مند و از تخمہ یک نژاد سر بلندند۔

از دیر زمان وحدت نژاد و زبان و مذہب عامل مہم وحدت اخلاقی و روحی و اجتماعی این دو ملت بودہ کہ بہ بہترین طرزی در آثار علامہ اقبال پرتو افگن است و ابرہای تیرہ در یکی دو قرن آخر ہم ہرگز نتوانست لوح ضمیر و خاطر منیر این دو قوم برادر و ہم کیش را بہ زنگ جدائی و دوری لکہ دار کند۔ در این میان شما چہ سعادت و اقبالی داشتید کہ آثار علامہ اقبال را بزبان اقبال منتشر سازید و باعث غبطہ و تحسین دوستان گردید!۔

اقتباس از سخرانی ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی

(ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی اپنی وطن پرستانہ خدمات کی بدولت جو انہوں نے ایرانی نیل کو قومی ملکیت میں لانے کے سلسلہ میں انجام دی ہے ملک بھر میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ لیکن علمی ادبی محافل میں وہ ایک باذوق شاعر اور زبردست نثر نویس اور فصیح البیان ناصی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ انجمن ادبی ایران و پاکستان کی صدارت کے فرائض بھی دو سال سے ابھی انجام دے رہے ہیں۔ نیل کے قومی ملکیت میں آجانے کے بعد انہوں نے سیاسی کسکتس سے لٹنارا کشی اختیار کر لی اور آجکل دانشکدہ ادبیات (کالج فار لٹریچر سٹڈیز) میں تدریس کے کام پر مامور ہیں۔ ذیل میں ان کی تقریر سے جو انہوں نے ۱۹۵۰ء میں یوم اقبال کے موقع پر تہران یونیورسٹی حال میں کی مختصر اقتباس درج کیا جاتا ہے)۔

”ایک ملک اور قوم کا حقیقی سرمایہ نہ اس کے دریا اور جنگل اور سرسبز زمین یا کانیں اور نہ ہی سونا اور چاندی وغیرہ ہیں۔ اقوام کا بہترین سرمایہ بلند شخصیت والے فداکار فرزند ہیں جو اپنی بلند ہمتی اور قربانی کی بدولت اپنی قابلیت اور اہلیت کی شمع دوسروں کی راہنمائی کے لئے سر راہ رکھ دیتے ہیں۔

”سرمایہ حقیقی یک مملکت و ثروت واقعی یک ملک نہ رودخانہ است و نہ جنگل و نہ معادن و نہ زمین های حاصلخیز و نہ طلا و نقرہ و امثال آن بلکہ بہترین سرمایہ ملت ہا رجال با شخصیت و بزرگواری و از خود گذشتہ ای هستند کہ در سایہ ہمت بلند و روح فداکار فروغ نبوغ را چون چراغ ہدایت قرار راہ دیگران داشتہ اند و سوز و شور و خاطر آنان چون صور رستاخیز در

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

بند مقام اشخاص کے درخشاں افکار تاریکیوں اور سلاطنتوں کی آفتابوں میں جہیں کثرت ہے انکو ہم کسی ایک مخصوص ملک کی ملکیت قرار نہیں دیتے سکتے۔ اسے لوگ تمام دنیا کی ملکیت ہوں۔ لیکن جہاں تک اقبال کا تعلق ہے اس کے علاوہ اس کا کوئی اور لازمہ ہے نہ اہل ایران، مخصوصاً وہ عربی حکمرانوں و طب میں دلچسپی ہے۔ اس سے خاص تعلق اور اخلاص رہتا ہے۔ لیکن اس زمانہ میں اور صاحبِ بیت کا تعلق شعریہ اپنی اعلیٰ منزل اور بندہ خدمت کے لیے اس سے دوری شعریہ کے دلکشی و تعلق کی طرف اسے محدودیتوں کی وجہ سے رکھتی ہے۔ اور اس لیے اس نے اپنے انتخاب کی معنی دہی کی جستجوئی میں اس مسئلے میں تاریخی اور حسین انتخاب کے علاوہ اس لیے شعریہ کا شمار کیا ہے۔

اگرچه مردان بزرگی که آثار درخشان آنان هرگز با مبدل
پرویشی و بیادنگیها را بیامی باستان نمکند دیگر امواته آنها بخت و لشور
خود اختصای دسه شده که همه جهان و جهانهای بعدی خواهم داشت
اب نسبت علامه انبیا گذسته ازین مردم ایران خاصه کسانی که با شعرو
ادب بیشتر سر و دار دارند، اخلاص خاص میورزند زیرا این شاعر زبردست و
توانای باستان با طبع غرا و منطق شیوای خویش باز دیگر دلهای هموطنان
خود را با عنک دلکشی شعر جان بخشی پاری متوجه کرده و از اینراه کمال
هنر و حسن و انتخاب و نهایت ذوق خود را آشکار ساخته است .

اور جنکے قلوب کد سوز و گداز صور اسرافیل کی مانند لوگوں کو بیدار کرتا ہے یہ امر ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ علامہ اقبال کا شمار ایسے ہی مقبول لوگوں میں ہے۔ اقبال کے مسیحائی نفس نے کروڑوں فرزندان بشر کو بیدار کر کے اپنا معجزہ دکھایا ہے۔ اسکی عیسیٰ نفسی کا نمونہ آنکھوں کے سامنے عیاں ہے اور محتاج بیان نہیں۔

محمد اقبال اسلام کے گرانقدر مبلغوں اور مشرق کے مشہور مبشروں میں سے ہیں۔ اقبال مغرب کے علوم و تمدن سے گہری نزدیکی حاصل کرنے کے باوجود ان سے مسحور نہیں ہوا۔ بلکہ مشرق کے فضل و عرفان کے لایزال سرچشمہ سے بہتر اور صحیح تر آشنائی پیدا کرنے میں کامیاب ہوا ہے۔ اس نے امید کے پیامبر فرستے کی طرح اپنے جانفزا نعموں کی بدولت اپنی قوم میں حرکت اور کوشش کی روح بیدار کی۔

بیداری مردم تاثیر بخشیده است۔

باید قبول کرد کہ علامہ محمد اقبال قابلیت آنرا داشت کہ در شمار این قبیل مقلان در آید زیرا دم مسیحائی او در پر انگیزختن ارادہ ملیونہ نفوس بشری معجزہ نشان داد و اثر وجود وی ہمین است کہ عیاں است و حاجت بہ بیان نیست۔

محمد اقبال از مبلغان گرامی اسلام و از مبشران نامی شرق است کہ پس از آشنائی فراوان با فرهنگ و تمدن و علوم مغرب زمین نہ تنها مغلوب و مسحور نشد بلکہ بہتر و روشتر بسر چشمہ لایزال فضیلت و معرفت مشرق پی برد چون سروش امید با نغمہ های جانفزای ملت خویش را بجنبش و کوشش برانگیخت۔

من یام نہایت باتان گفت و مین متہم بستیست
نہ بیاید کہ از زبان آتشین کنان بخاک بست

[illegible]

از مقالہ آقای عبدالحسین نوائی

(آقای نوائی امیر علی شیر نوائی کی اولاد سے ہیں اور ان کا شمار ملک کے بلند پایہ اہل قلم میں ہوتا ہے) ذیل میں انکے ایک مقالہ سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

اقبال کی تصنیفات میں سے جاوید نامہ مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ ممکن ہے میرا یہ خیال صحیح نہ ہو کیونکہ میری معلومات محدود ہیں اور اقبال لاہوری ایسے بلند اور عظیم المرتب انسان کی تصنیفات کا جائزہ لینے کے لئے بہت زیادہ علم و مطالعہ کی ضرورت ہے۔

جاوید نامے کی فصل (فلک عطارد اور فلک زحل) میں اس صدی کا عظیم الشان شاعر مشرق اپنے بلند اور عمیق اجتماعی نظریات کو نہ فقط ہندی مسلمانوں کے لئے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے فائدے کے لئے بیان

در بیان کتب متعدد مرحوم اقبال شاعر بزرگ ملی پاکستان من جاوید نامہ را پیش از ہمہ می پسندم و از آن کتاب نیز بفصل فلک عطارد و فلک زحل علاقہ مندم۔

شاید ہم در این تشخیص بخطا رفته باشیم چہ بضاعت من مزجات است و فہم درک آثار مردان بزرگی چون اقبال لاہوری پایہ و مایہ ای یش از اینہا میخواہد۔

ازین لحاظ کہ در این قسمت اول شاعر بزرگ قرن اخیر مشرق زمین افکار بلند و عمیق اجتماعی را نہ فقط برای ہندیان بلکہ برای کلیہ مردمان مسلمان

کرتا ہے۔ اور ایک عجیب بلند نظری کے ساتھ انکو چھوٹے چھوٹے اختلافات جو وطن اور سیاسی سرحدوں اور مذہبی مناقشات سے متعلق ہیں، کے خطرے آگاہ کرتا ہے اور ساتھ ہی مغرب کے علم و دانش سے (بغیر کور کورانہ تقلید کے) استفادہ حاصل کرنے اور دین بین اسلام کے اصولوں کو حفظ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

اقبال اسی فصل کے دوسرے حصے میں ہندوستان کی حالت کو نہایت موثر طریقے سے مجسم کرتا ہے۔ اقبال کی نگاہ میں دنیا بے معنی مباحث اور اختلافات سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اقبال کی نگاہ ایک بلند فکر عارف کی نگاہ ہے وہ زندگی کے ظواہر سے استغنا اور در عین حال حقیقت زندگی کا وقوف حاصل کرنے کا راستہ اپنے ہموطنوں اور ہم مذہبوں کو دکھاتا ہے۔ اقبال نے ایک بہت بڑے کام کا بیڑا اٹھایا اور الحق اسے خوب انجام دیا۔

جہاں بیان میکند و با یک بلند نظر عجیبی آنان را از اختلافات ناچیز از بگو مگوهای مربوط بوطن و سرزهای سیاسی و مناقشات مذہبی بر حذر داشته ایشاںرا بہ تبعیت از جہاں دانش مغرب زمین ولی بدون تقلید صرف نگہداشتن اصول دین مبین اسلام دعوت میکند۔

در قسمت ثانی وضع ہند را بصورت موثری مجسم مینماید۔ در نظر او دنیا بزرگتر از گفتگوهای بی حاصل و اختلافات جزئی است۔ نظر اقبال نظر عارف منبع الطبعی است کہ در عین استغنا از ظواہر زندگی دانستن حقیقت حیات و سر بہتر استفادہ کردن از آن را برای ہموطنان و ہم مذہبان خویش روشن میکند۔ این وظیفہ بزرگی است کہ اقبال بر عہدہ گرفتہ و خوب از عہدہ بر آمدہ است۔

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش

کی اجتماعی زندگی کے عیوب کا جائزہ لیا اور انکے نقائص کو اسے عموطنوں
اور تمام مذہبوں کی آگاہی کے لئے بیان کر دیا ہے۔

روح نامہ اقبال کی صنف اور اس کے اوزار کا خلاصہ ہے۔ یہاں
اقبال ایک نئے طور پر ایک متفکر اجتماعی اور ملی اعمال کے علمبردار
کی حنفیت سے شاعر ہوا ہے۔

* * *

بلکہ کیہ ہمکیشان خود بیان داشتہ ، جاوید نامہ ، روح ، لب و افکار و
عقاید اقبال است و فلک عطارد و زحل ما حصل و نتیجہ آن کتاب درین
فصل است کہ اقبال کملا بصورت یک متفکر اجتماعی بآمال ملی ظاہری
متجلی میشود .

اس قسم کے شاعر دنیا میں بہت پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ہم جرأت کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی شاعر کو اپنے ملی اور اجتماعی مقاصد کے حصول میں وہ کامیابی میسر نہیں ہوئی جو اقبال کو اور شاید ہم کسی شاعر کی مثال پیش نہیں کر سکتے جسکو روشن دل اور بلند نظر اقبال کے برابر عام مقبولیت حاصل ہوئی ہو اور جس نے اپنے ملک کے اجتماعی اوضاع پر اقبال کے مانند حیرت انگیز اثر ڈالا ہو۔ اور اگر ہم کہیں کہ پاکستان ایسی عظیم اسلامی حکومت کو وجود میں لانے کی اقبال کی کوشش مرحوم جناح سے کسی طرح کم نہیں تو ہم نے کوئی مبالغہ نہیں کیا۔ شاعر ملی پاکستان کا لقب اس بلند پایہ شاعر کے لئے نہایت موزون ہے۔ اقبال اہل یورپ کے متعلق بد بین تھا۔ اس نے اپنے عمیق تفکر کی بدولت اہل مغرب

از این گونه شعرا در جهان بسیار پیدا شده اند ولی میتوانم بجرأت بگویم کہ هیچ شاعری در منظورهای ملی و اجتماعی خویش باندازه مرحوم اقبال پیشرفت نکرده و کمتر گوینده ای میتوانم بیایم کہ از لحاظ مقبولیت عامه و بالتیجه تاثیر شگرف در اوضاع اجتماعی کشور بیای آن شاعر روشن دل و بلند نظر برسد و اگر در اینجا بگویم کہ کوشش مرحوم اقبال در بوجود آوردن دولت عظیم مسلمان پاکستان از لحاظ تاثیر کمتر از اقدامات سیاسی و شدید شاد روان جناح نبوده . سخن باغراق نکنه ام .

این شاعر بلند پایہ کہ بر حق لقب شاعر ملی پاکستان یافته نسبت باورپائیان سخت بدین بوده و با فکر عمیق اوضاع در ہم و برہم حیات اجتماعی غریبان را سنجیده و موبمو معایب آنرا برای هموطنان خویش

ہے اور جب وہ اعلیٰ حضرت مداحانہ اُراں محمد رضا ساہ پہلوی کے ہمراہ
پانچ سال قبل پاکستان آئے تو سالمار باغ لاہور میں ایک قصیدہ پڑھا
جس میں اقبال کی طرف اشارہ اور اسے خراج تحسین پیش کیا :-

ای مسلمانان پنجابی زہی امالتان
نزد امالتان مہول سد آملتان
نغمہ امالتان سوی قطار آورد باز
ای مسلمانان پنجابی زہی امالتان
گر خراج لالہ صحرائی اقبال نمود
سمع اس محفل می سد روشنی هالتان
فکر خود نمود۔۔ و اسرار خودی آہ و خبد
لا جرم بی خود نرسد نزد خدا اعمالتان

۱۔ ترجمہ :-

ای پنجاب کے مسلمانوں تمہارا اقبال کتنا اچھا ہے۔ تمہارے اقبال
کے دم سے تمہاری آرزوئیں مہول قبول ہو گئیں۔
اقبال کا نغمہ تمہیں اپنی قطار میں واس لے آیا۔ ای پنجابی مسلمانوں
تمہارا اقبال کتنا اچھا ہے۔
اگر اقبال کے لالہ صحرائی کا خراج موجود نہ ہوتا۔ تمہاری روشنی
اس محفل کی سمع نہ بن سکتی تھی۔
تم نے اپنا خیال کیا اور اسرار خودی کو سیکھ لیا۔ خدا کے نزدیک۔
یقیناً تمہاری کوتاہی بے سود ثابت نہیں ہوئی۔
لیکن سب سے مشہور سرمد کا وہ قصیدہ ہے جو انہوں نے پانچ سال قبل

سرمد اور اقبال

صادق سرمد شاعر شہیر ملی ایران کا شمار ایران کے چوٹی کے معاصر شعراء میں ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ سرمد کو ایرانی ادبی سوشل اور سیاسی حلقوں میں بھی ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ آپ شاعر دربار بھی ہیں اور اعلیٰ حضرت شاہنشاہ کے قانونی مشیر بھی اور کئی سال ایرانی سینیٹ (Senate) اور مجلس کے ممبر کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے ہیں

سرمد انواع مختلف شعر میں غیر معمولی قدرت رکھتے ہیں اور ان کی غزلیں قطعات اور رباعیات جواکثر ایرانی جرائد میں منتشر ہوتی رہتی ہیں بلاغت اور روانی کی وجہ سے مشہور ہیں مگر سرمد کی پختگی طبع اور قدرت کلام کا بہترین نمونہ ان کے قصائد ہیں۔

بہار کی طرح سرمد بھی اقبال سے دیر میں آشنا ہوئے مگر ہند و پاکستان میں غالباً کسی شاعر نے اقبال کی تجلیل میں اتنے زیادہ اور اس قدر بلیغ اشعار نہیں لکھے جتنے صادق سرمد نے۔ سرمد حقیقتاً اقبال کا عاشق ہے۔ سرمد ایک اہل علم کے اور اہل عرفان خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور اقبال اس کے نزدیک ایک بہت بڑا شاعر ہی نہیں بلکہ اسلام اور دنیای اسلام کا ہیرو ہے۔ وہ بلند آواز سے کہتا ہے:-

اقبال بزرگ است کہ در عالم توحید
از بت شکنی دشمن اصنام بزرگ است

،، یعنی اقبال اس لئے بزرگ ہے کہ توحید کی دنیا کی اس نے خدمت کی اور بڑے بڑے بتوں کا وہ دشمن ہے ،، سرمد کو اقبال سے گہری عقیدت

حباب صورتیں اڑتی سہ است ، طی نننود
حیات سیرتس . ارضی سود هزاران سال
اگر چہ اس کی ظاہری زندگی ختم ہوگئی ، اس کی سیرت کی زندگی
ہزاروں سال گذر جانے پر بھی ختم نہ ہوگی

بیاد روز بزرگس نہ روز اوبال اس
درود باد پر اس بزم و روز فرخ مال
اس بڑے دن کی یاد میں جسے یوم اقبال کہتے ہیں اس مجلس اور
مبارک اس دن پر درود ہو۔

درود ۔ بلاغور و خٹہ نجات
نہ زاد و پرورد اس ساعر خجستہ خصال
سپر لاغور اور خٹہ نجات پر درود ہو جس نے اس مبارک خصلت
وائے ساعر کو پرورش کیا۔

پرغم ہر چہ چمن زاد و ناز پرورد اس
زخاک مرده دمید آیت جہل و حلال (۱)

ہر اس شخص کے مقابلہ میں جو چمن میں پیدا ہوا اور نازوں میں بلا
یہ جمال و جلال کا بہترین نمونہ ایک مرده خاک سے پیدا ہوا ۔
(۱) اشارہ بآیت شعراقبال است کہ در مقابلہ حال خود باگوته آلمانی
گفتہ است :-

او چمن زادی چمن پروردہ ای
من دمیدہ از زمین مرده ای

یوم اقبال کے تاریخی جلسے میں جو ملک الشعراء بہار کی صدارت میں ہوا
پڑھا۔ اس قصیدہ کا مطلع یہ ہے :

اگر چہ مرد بمیرد بگردش مہ و سال
نمرده است و نمیرد محمد اقبال
یہ قصیدہ زور بیان، انسجام و روانی اور خلوص میں کم نظیر ہے۔
۱۹۵۰ کے شروع میں سرمد ہئیت فرهنگی ایران کے عضو کی
حیثیت سے پاکستان تشریف لائے اور لاہور میں علامہ اقبال مرحوم
کے مزار پر انہوں نے یہ قصیدہ پڑھا۔

ای کہ مردی وسخن شد زندہ از اقوال تو
نقد پاکان شد رواج از سکہ اقبال تو

اقبال سے عشق و عقیدت سرمد کی ادبی زندگی کا ایک حصہ ہو چکی ہے اور
وہ ہمیشہ پاکستان کے ساتھ فرهنگی اور ادبی روابط کے لئے کوشاں رہے ہیں۔
وہ اس سال انجمن فرهنگی ایران و پاکستان کے نائب صدر منتخب کئے
گئے ہیں۔ ذیل میں ان کے قصاید نقل کئے جاتے ہیں۔

قصیدہ روز اقبال (اپریل ۱۹۵۰)

اگر چہ مرد بمیرد بگردش مہ و سال
نمرده است و نمیرد محمد اقبال
اگر چہ مہ و سال کی گردش سے آدمی مر جاتا ہے لیکن محمد اقبال
نہیں مرا اور نہ مرے گا۔

درس خواہی آسار زندگی مرگ اس
نہ میکنند میزان صحیفہ اعمال
سچ بوجھو تو زندگی کا اصلی آغاز موت ہے کیونکہ اسی وقت اعمال
نمہ کونرازو میں سولتے ہیں

حسب جسمہ حیوان و دواب حیوانہ
حقیقی اس نہ نہیں تمکد جہال
جسمہ زندگی اور عینہ کی دولت کا بیان اک اسی حقیقت ہے
جس کو جاعل نہیں سمجھتے۔

زلال جسمہ ایمان نویں و نافی باس
نہ آب چشمہ حیوان از آن گرفت زلال
ایمان کے جسمہ سے بانی یو اور عینہ باقی رہو جسمہ آب حیات نے
بھی وہیں سے پانی حاصل لیا ہے۔

سیکھ زندہ یعنی نہ چو حق نمیرد
کہ بر وجود وعدہ حق و باطل است مثال
جو شخص حق کی بدولت زندہ ہوتا ہے اس کو حق کی طرح موت نہیں
آتی وجود اور وعدہ کی حق اور باطل مثال ہیں۔

رجال حق ہمہ آیات ذات نہ یزلد
حیات نہ یزلی نسی شود اسیر زوال
مردان حق خدای لم یزل کی آیات کی مانند ہیں: حیات لم یزال کس
طرح زوال پذیر ہو سکتی ہے؟

زخاک مردہ دید آیت حیات چنانک
حیات دولت پاکن از او گرفت کمال
یہ آیت حیات مردہ خاک سے وجود میں آئی اور پاکستان کی حکومت
نے اس سے کمال حاصل کیا

چو شمع منزل ویران خود نفس میسوخت
کہ طوف سوزش پروانہ ای زند پرو بال (۲)
ویرانہ میں جلتی ہوئی شمع کی طرح وہ جلتا رہا تاکہ کوئی پروانہ
اس کے طواف میں پرواز کرے

چراغ لالہ شد و آنقدر بصحرا سوخت
کہ شمع محفل اقبال گشت و روشن حال (۳)
وہ گل لالہ کا چراغ بن گیا اور صحرا میں جلتا رہا حتیٰ کہ اقبال
کی محفل کی شمع نے اس سے روشنی اخذ کی

زام ناہ اسلام زی قطار کشید (۴)
اگرچہ دست طبیعت بدو نداد مجال
وہ اسلام کے ناہ کو اس کی قطار کی طرف کہینچ لایا اگرچہ تقدیر کے
ہاتھ نے اس کو موقع نہ دیا۔

(۲، ۳) اشارہ بہ قطعہ شمع و پروانہ اقبال است کہ در آن میگوید :-

مدتی مانند توای ہم نفس میسوختم
در طواف شعلہ ام بالی نزد پروانہ ای

(۴) اشارہ باین بیت اقبال است کہ میگوید :-

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوی قطار میکشم ناہ بی زام را

بطل کسیکھ بشر را بحق ہدایت کرد
کہ باطلش نکشاند بہ برتگاہ ضلال
بطل وہ ہے جو بشر کو حق کی طرف ہدایت کرے تاکہ باطل اس کو
تباہی کے کنارے کھینچ کر نہ لیجائے۔

چنبن بطل کہ ادا کرد حق خدمت خلق
خدای خود نکند حق خدمتس ابطال
ایسا بطل جو لوگوں کی خدمت کا حق ادا کرنا ہے خدا اس کی خدمت
کو ضائع نہیں ہونے دے۔

درود باد بر ابطال حق نہ از دستان
مسیح زندہ شود روز رجعت آمال
ابطال حق پر درود ہو کیونکہ انہی کے ہاتھ سے مسیح زندہ ہوگا
امید برآری کے دن۔

قیام مرد خدا کمتر از قیامت نیست
کہ بعث ملت و دولت کند باسئعجال
مرد خدا کا قیام قیامت سے کم نہیں کیونکہ وہ ملت اور دولت کو
نہایت تھوڑے وقت میں زندگی دیتا ہے۔

گواہ دولت پاکان بین بہ پاکستان
کہ خود چگونہ بر افراشت پرچم اقبال
پاکستان کی حکومت کا گواہ پاکستان میں دیکھو کہ کس طرح
انہوں نے پرچم اقبال بلند کیا ہے۔

بین بہ صفحہٴ تاریخ و حق مردان بین
کہ نیست تاریخ الامساعی ابطال
تاریخ کے صفحات پر نگاہ دوڑاؤ اور مردوں کے کارنامے دیکھو:
تاریخ کیا ہے بڑے بڑے لوگوں کے کارناموں کا نام ہے۔
بطل شنیدی و نشاخی بطل، زیراک
بطل شناس نہٴ زان سبب شدی بطل
تو نے عظیم الشان آدمی کے متعلق سنا مگر اس کو نہ پہچانا کیونکہ
توعظمت کو نہیں پہچان سکتا اس لئے تو بے بہرہ ہو گیا
بطل نہ آنکہ با آواز طبل خواند سرود
بطل نہ آنکہ بہ شیپور رزم شد طبال
بڑا شخص وہ نہیں ہوتا جو ڈھول کے ساتھ بلند آواز سے گائے
نہ وہ جو شیپور جنگ کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔
بطل نہ آنکہ سپر کرد سینہ بر باطل
کہ حق مردم بیدست و پاکند پا مال
نہ وہ جس نے باطل کی حمایت میں سینہ سپر کیا تاکہ وہ کم زور
لوگوں کے حق کو پامال کر سکے۔
بطل کسیکہ بروز بلا بلا جوید
کہ دفع شرکند از خیر خلق بد احوال
بطل وہ ہے جو مشکل کے وقت مشکل کی جستجو کرے
اور بد حال لوگوں سے اپنی نیکی کی بدولت شر دور کرے

رسول وار بہ تبلیغ حق کتاب نوشت
کہ قدر حق بشناسد منافق محتال
اقبال نے رسول کی مانند حق کی تبلیغ کے لئے کتاب لکھی تاکہ حیلہ
کرنے والے منافق حق کی قدر پہچانیں

اگر کتاب نبود و اگر رسول نبود
یہ بود غیرت ابطال و ہمت ابدال ؟
اگر کتاب نہ ہوتی اور رسول نہ ہوتے تو مردان بزرگ اور ابدال کی
ہمت اور غیرت کہاں سے آتی ؟

درد باد بر اقبال و سعی مقبولش
کہ عزت ابدی آمدش باستقبال
اقبال اور اس کی مقبول شدہ کوشش پر درد ہوا ابدی عزت خود اس کے
استقبال کو آتی ہے ۔

سخن سر آمد و سرمد مجال شعر نداشت
و گر نہ حق سخن بود و جای بسط مقال
بات ختم ہو گئی اور سرمد کو شعر کہنے کا موقع نہ ملا و گر نہ
یہاں شعر کہنا حق تھا اور وسیع بیان کی گنجائش تھی ۔

قصیدہ ایام بزرگ

ہر کسی کہ بتاریخ وی اقدام بزرگ است
در صفحہ تاریخ از او نام بزرگ است
ہر شخص جس نے تاریخ میں کوئی بڑا کام کیا تاریخ کے صفحہ
پر اس کا نام بڑا ہوگا ۔

اگر چہ قائد اعظم بہ نہضتِ پاکستان
جناحِ لشکرِ اسلام بود و قلبِ رجال
اگر چہ تحریکِ پاکستان میں قائد اعظم لشکرِ اسلام کا بازو اور ملت
کے دل کی مانند تھا۔

بحقِ دولتِ پاکستان عظیمِ خدمتِ کرد
عظیمِ باداِ اجرش ز ایزدِ متعال
اور دولتِ پاکستان کے حق میں اس نے بڑی خدمت کی جس کا
خدایِ متعال اسے اجرِ عظیم عطا کرے۔

ولیکِ نغمہٗ اقبال اگر نبود، نبود
نویِ لشکرِ پاکستان سرودِ استقلال
لیکن اگر اقبال کا نغمہ اگر نہ ہوتا تو پاکستان کی فوجوں کا گیت
آزادی کا گیت نہ بنتا۔

سخنِ سرائیِ اقبال بذریعہٗ دینِ افشاند
برغمِ دشمنِ ییدین و کافرِ قتال
اقبال کے کلام نے دین کا بیج بویا ہے دین اور کافر اور قتال دشمن
کی مخالفت کے باوجود۔

بخوان، زبورِ عجم، وز، رموزِ اسرارش،
”پیامِ مشرق“، بشنو بخوشترین اقوال
اس کی زبورِ عجم اور اس کی اسرار و رموز کا مطالعہ کرو اور پیامِ مشرق
سے بہترین باتیں سنو۔

پنداشت کہ آثار بزرگی است بصورت
و آنرا کہ قد و قامت و اندام بزرگ است
اور جس کا قد و قامت بڑا ہو وہ بڑا ہوتا ہے اس نے جان لیا کہ بڑائی
صرف ظاہری شکل پر منحصر ہے۔

نداشت کہ عیش خویش و مستی بزرگان
در ساغر بر بادہ و در جام بزرگ است
اس نے خیال کیا کہ بڑے لوگوں کی مستی، خویشی اور عیش بھرے
ہوئے بنائے اور بڑے جام میں ہے۔

نداشت کہ زیر فلک بی در و بیکر
اسباب بزرگی بہ در و بام بزرگ است
اس نے خیال کیا ہے در و بے جسہ آسمان کے نیچے اونچے اونچے در و بام
بزرگی کا سبب ہوتے ہیں۔

سرمایہ بدست آورد آوخ کہ ندانست
سرمایہ او مایہ سرمایہ بزرگ است
اسنے مال و متاع حاصل کیا افسوس اسے معلوم نہ تھا کہ زیادہ
مال و متاع بہت بڑا درد سر ہے۔

بکشد درخانہ و گستر سر خوان
پنداشت کہ اطعام وی اکرام بزرگ است
اس نے اپنا دروازہ کھول دیا اور دستر خوان پھیلا دیا اور خیال کر لیا
کہ کھانا کھلانا ایک بڑا کام ہے۔

ارقام بزرگ است به تاریخ فراوان
تاریخ و لیکن نه به ارقام بزرگ است
تاریخ میں بڑی تعداد میں نام پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ ناموں
کی زیادہ یا کم تعداد پر منحصر نہیں۔

تاریخ جز اقدام بزرگان چہ بود؟ هیچ
تاریخ نه آنرا که نه اقدام بزرگ است
تاریخ بزرگ لوگوں کے کارناموں کے سوا بے معنی ہے جس نے بڑا کام
نہیں کیا اس کا تاریخ میں کوئی نام نه ہوگا۔

تاریخ نه از هر چه برد نام بود نیک
بس نام که اندر خور دشنام بزرگ است
یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ جو نام تاریخ میں درج ہے وہ نام
نیک بھی ہو بہت سے ایسے نام ہیں جو گالیوں کے لائق ہیں۔

بسیار کس آمد که زند لاف بزرگی
پنداشت که اقدام به اقدام بزرگ است
بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہوں نے بڑا ہونے کا لاف مارا اور اسی کو
ایک بڑا کام تصور کر لیا

پنداشت که در عالم اشباه و نظائر
ارواح بزرگان پس اجسام بزرگ است
بعض نے یہ خیال کیا کہ عالم اشباه اور عالم ظاہر میں بزرگوں کی
روحیں جو بڑے جسم میں نہاں ہیں بڑی ہوتی ہیں؟

ادراک حقیران نکند فہم بزرگی
کاین مسئلہ اندر خود افہام بزرگ است
چوونے لوگوں کی عقل میں بڑی باتیں نہیں آئیں بہ باری بڑی عقل
والے کے لئے ہوتی ہیں۔

اقوام بزرگند بہ اقدار بزرگان
وبن سنت درنہ اقوام بزرگ است
مومنین نے بزرگوں کے انکار سے بڑی حاصل کرتی ہیں بڑی قوموں
کی یہی برائی سنت چلی آئی ہے۔

اسرار بزرگی است ہدیدارز بیغام
چونانکہ نبی حامل بیغام بزرگ است
بزرگی کا راز بیغام و تعلیم سے عویدا ہوتا ہے مثال یہ ہے کہ نبی ایک
بڑے بیغام کا حامل ہوتا ہے۔

اقبال نہ پیغمبر پیغمبر حق بود
در حضرت حق صاحب انعام بزرگ است
اور اقبال جو خدا کے پیغمبر کا پیغمبر تھا اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے
پامں بہت بڑا انعام ہے۔

فرعون بزرگ است چو اہرام و لیکن
اصنام بزرگ است کہ اہرام بزرگ است
فرعون اہرام مصر کی طرح بڑا ہے لیکن درحقیقت بت یا اہرام بزرگ
نہیں ہیں۔

انعام صفت دل بہ نعم بست و نہ دانست
کاین آب و علف طعمہٴ اغنام بزرگ است
اس نے اپنا دل حیوانات کی طرح کھانے پینے میں لگادیا اور نہ سمجھا
کہ یہ پانی اور گھاس تو بڑے بڑے مویشیوں کی خوراک ہے ۔

اطعام ز اوصاف بزرگست و لیکن
اکرام بزرگان نہ باطعام بزرگ است
کھانا کھلانا بڑائی کی صفت ہے لیکن بزرگوں کی بڑائی زیادہ کپانے
کھلانے سے نہیں ۔

آنراست بزرگی کہ بہ کام دل نا کام
در حلقہٴ ناکامان ناکام بزرگ است
بزرگی اس کا حق ہے جو ناکام لوگوں کی خدمت میں اور ناکاموں
کے حلقہ میں سب سے بڑا ناکام ہو۔

آنراست بزرگی کہ ز عالم برد آلام
ہر چند ز عالم بہ وی آلام بزرگ است
بزرگی اس کا حق ہے جو دنیا میں تکلیفیں اٹھائے جسقدر بڑی تکلیفیں
اٹھائے گا اتنا ہی وہ بڑا ہوگا ۔

چوں صید بزرگ آمد و صیاد قوی گشت
پیدا ست پس دانہ وی دام بزرگ است
جب بڑا شکار ہاتھ آگیا اور صیاد نے قوت حاصل کرلی تو ظاہر ہے
کہ دانے کے نیچے بڑا دام لگا ہوا تھا ۔

امروز بہ پاکستان ز اقبال بلندش
ہنگمہ' سادی است کہ ہنگمہ بزرگ است
آج پاکستان میں اس کے بند اقبال کا جشن شادی ہے اور یہ ایک
بڑا موقع ہے۔

اقبال بزرگ اس و لیکن نہ یک روز
کام بزرگان ہمہ ایام بزرگ اس
اقبال بزرگ ہے لیکن صرف ایک دن کے لئے نہیں بڑے لوگوں کے سب
دن با عظمت ہوئے ہیں۔

قصیدہ دانای راز

خدای عالمیان خون بنای خلقت کرد
نظام عالم خلقت بحکم فطرت کرد
جب خدائے کائنات نے دنیا کو پیدا کیا تو اس نے دنیا کا نظام
قانون فطرت پر قائم کیا۔
من ابن حقیقت فطری بطن دانسم
کہ ہر جہ درد خدا در حور طبع کرد
میں نے اپنی فطری فراست سے اس حقیقت کو پہچانا کہ جو کچھ
خدا نے کیا فطرت کے مطابق کیا۔
چو در سرشت بشر خوی اجتماعی دید
طبیعت بشری تابع جماعت کرد
جب اس نے انسان کی فطرت میں مل جل کر رہنے کی عادت دیکھی
تو فطرت انسانی کو اس نے جماعت کے تابع کر دیا۔

احرام چہ بندی براہرام ؟ چو اقبال
روسوی حرم کن کہ باحرام بزرگ است
اہرام کے طواف کے لئے تم نے کیوں احرام باندھا ہے اقبال کی طرح
حرم کی طرف رخ کرو۔

اقبال بزرگ است کہ در عالم توحید
از بت شکنی دشمن اصنام بزرگ است
اقبال اس لئے بڑا ہے کہ توحید کی دنیا میں اس نے بت توڑے ور
بڑے بڑے بتوں کا دشمن ہے۔

اقبال بزرگ است کہ بر گردن اسلام
از خدمت بی منت وی وام بزرگ است
اقبال بزرگ ہے کیونکہ اسلام کی گردن پر اس کی بے لوث خدمت
کی دین ہے۔

ہر چند بزرگی است پدیدار ز آغاز
آغاز بزرگی بہ سر انجام بزرگ است
اگرچہ بزرگی اور عظمت ابتدا ہی سے ظاہر ہو جاتی ہے باعظمت ابتدا
وہی ہے جس کا انجام اور نتیجہ بڑا ہو۔

اقبال بہ پاکستان بخشید سر انجام
بخشید بر او حق کہ بہ فرجام بزرگ است
اقبال نے پاکستان کو نتیجہ تک پہنچا دیا اور حق نے اقبال کو
اس کا عظیم الشان بدلہ دیا۔

ہزار منعم مفلس فدائے بکتن باد
اندہ بعث ملت و دولت بیمن ہمت کرد
ہزاروں ثروت مند اور منس اس انک شخص کے قربان ہوں جس نے
اپنی ہمت سے ملت اور حکومت پیدا کی۔

من این فضیلت در سان اثبا دیدم
کہ جز نبی نہ کسی درد، این فضا کرد
ہیں نے یہ فضیلت نبیوں کی سان میں دیکھی ہے۔ نفس ہی کے ثوی
اور اس بررگی کو نہیں پہنچ سکا۔

فضیلت نوی در ثبات اس الا
کہ سب معروف از مکب نبوت کرد
نبیوں جیسی نصیب کسی نے حاصل نہیں کیا۔ سوائے اس کے جس
نے اپنا عرفان نبوت کے مکب سے حاصل کیا۔

اگر حجتہ تاریخ بنکری جی
بسا بسا کہ بصورت بنای دولت کرد
اگر تو تاریخ کا مضامہ کرتے تو دیکھیے کہ کتنی اشخاص نے ظاہر
طور پر حکومت کی بنیاد رکھی ہے۔

ہزار صاحب ثروت بقدرت زر و زور
بساط عیش و بخت و بنای عشرت کرد
ہزار ثروتمند اشخاص نے زر اور زور کے ذریعے عیش و عشرت کی
بساط ڈالی۔

طبائع آدمیان چون باختلاف افتاد
ہر آدمی بطریق بخلق خدمت کرد
جب انسانوں کی طبیعتوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تو ہر شخص نے
مختلف طریقوں سے خلق کی خدمت کی۔

یکی طریق تجارت سپرد و مال اندوخت
کہ بذل مال تو ان کرد و کسب شہرت کرد
کسی نے تجارت کا راستہ انتخاب کیا اور دولت جمع کر لی کیونکہ
مال و دولت کے بدلے شہرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

یکی طریق زراعت سپرد و بذر افشاند
کہ میتوان بزراعت وفور نعمت کرد
کسی نے زراعت شروع کی اور بیج بوئے کیونکہ زراعت کے ذریعے
نعمت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

یکی بعلم گرائید و بر ہنر افزود
و زین طریق ہنر ہا بعلم وصنعت کرد
کسی نے علم حاصل کیا اور ہنر سیکھا اور اس طرح اس نے علم اور
صنعت میں ہنر کا اضافہ کیا۔

ولیک زین ہمہ یکن ہمرد حق نرسید
کہ از گروہ پراگندہ جمع است کرد
لیکن ان میں سے کوئی بھی مرد حق کے پایہ کو نہیں پہنچتا جس
نے پراگندہ لوگوں کو اکٹھا کر کے ملت پیدا کی۔

ولیک۔ مرد خدا را خدای مرگ نہاد
مگر کہ قالب صورت بدل بہ مرتب کرد
لیکن مرد خدا نو خدا موت نہیں دیا مگر اس کا مٹا ہری ذات مرد
میں بدل کر دیا ہے۔

حیات مرد خدا در حیات سنہا س
کہ مرد حق سیر و جان در حیات مہ کرد
مرد خدا کی زندگی ملت کی زندگی میں مدغم ہوئی ہے۔ لہٰذا کہ
مرد حق اپنی جان اور سر دو ملت کی زندگی کے لئے دیا گیا ہے۔

اگر سندھ ای ابن داسان کہ در تاریخ
نسی خواند تا دینی کہ رجعت کرد
دیا ہوئے تاریخ میں یہ بات دیکھی ہے کہ نبی کئی عہد حکومت
کے واسطے آئے؟

و مگر بگوئیں نو خواندند انبیا و رس
کہ حق بخلق خدا وعدہ مامت کرد
پھرے دن میں نبیوں اور رسولوں نے فرمایا ہے کہ خدا نے لوگوں
سے قیامت (رساخیز) کا وعدہ کیا ہے۔

محمد ر رجعت حق وز مہم می
حقیقی اسب کہ ہر دس از آن روایت کرد
حق کی رجعت اور ملت کی رساخیز ایسی حتمی ہے جس کا ہر ایک
نے ذکر کیا ہے۔

ہزار طالب شہرت بفکر شیطانی
فریفت جامعہ و فتنہ در سیاست کرد
ہزاروں طالبان شہرت نے شیطانی فکر کے ذریعے سے لوگوں کو فریب
دیا اور سیاست میں فتنہ برپا کیا۔

ہزار حاکم مطلق بدبن گمان نہ توان
بخلق روی زمین تا ابد حکومت کرد
ہزاروں مطلق حاکموں نے یہ خیال کیا کہ زمین کے باشندوں پر
ہمیشہ کے لئے حکومت کرسکتے ہیں۔

نشست در پس دیوار آہنین بغرور
بدبن گمان کہ مسخر جہان ز قدرت کرد
اور وہ آہنین دیوار کے پیچھے غرور سے متمکن ہو گئے اس خیال میں کہ
حکومت سے جہان کو مسخر کرسکتے ہیں۔

عجب کہ چون بسر آمد حیات صورتنان
کسی نبود تو گوئی کہ با تو صحبت کرد
لیکن عجب بات یہ ہے کہ جب ان کی ظاہری زندگی ختم ہوئی
ایسا معلوم ہوا ان کا سرے سے وجود ہی نہیں تھا جس سے کسی نے
مصاحبت کی ہو۔

حیاتشان ہمہ نقش بر آب شد چو حباب
کہ چون حباب شکست آنکہ نقش صورت کرد ؟
ان کی ساری زندگی حباب کی طرح نقش بر آب ہو گئی اور جو ان کی
صورت کا نقش تھا حباب کی طرح پھٹ گیا۔

نبود شاعر بل سوجد حکومت بود
سرود شعر ولی شاعری وسنت نرد
وہ محض شاعر ہی نہ تھا بلکہ ایک حکومت کا سوجد تھا اس نے شعر
نہیں مگر شاعری فقط ایک ذریعہ تھا۔

مستیت ازلی بر مراد ملتہا سب
تہ در ارادہ ملت حق این مست نرد
ازلی مست ہمیشہ قوموں کی مراد کے مضامین ہی ہے۔ لیونکہ خدا
نے مشیت ابزدی ملوں کے ارادوں میں رکھی ہے۔

درود باد بدانای راز با لسان
تہ خلق را ز خود آگہ بسر وحدت نرد
پاکستان کے دانای راز پر درود ہو کہ اس نے لوگوں کو اپنے آ
سے وحدانیت کی بات آگاہ کیا۔

درود باد باسروز و صاحب امروز
تہ روزدر بنامس صحفہ زنت نرد
امروز اور صاحب امروز پر درود بھیجئے۔ زمانے نے اس کے نام سے
اپنے صحفہ کو زنت دی ہے۔

درود باد بر اقبال و جان حق ملتہا سب
تہ عرجہ کرد بحق نرد و با حفظ نرد
اقبال اور اس کی حق جذب روح پر درود ہو جو دجھ اس نے کیا ہے
اور حقیقت کی نظر سے کیا۔

نشان رجعت حق بین بخاک پاکستان
کہ حق بدولت خود بازگشت و عودت کرد
خدا کی نشانی ملک پاکستان میں دیکھو کہ کس طرح
حق ان کی حکومت کو دوبارہ ملا اور اس کے پاس لوٹ آیا۔

لوی دعوت اسلام بر سر پاکان
فراشت رایت اقبال و بعث دولت کرد
پاکستان کے لوگوں کے سر پر اسلام کی دعوت کے پرچم نے اقبال
کا پرچم بلند کیا اور نئی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

درود باد بر اقبال و معجز سخنش
کہ معجز سخنش عالمی بحیرت کرد
اقبال اور اس کے اعجاز سخن پر درود ہو اس کے اعجاز کلام نے دنیا
کو حیرت میں ڈال دیا۔

زخاک مردہ بر آورد چشمہ سار حیات
وزان حیات ابد جست و خرق عادت کرد
اس نے مردہ خاک سے زندگی کا چشمہ پیدا کیا اور اس سے حیات
ابدی حاصل کی اور غیر معمولی کام انجام دیا

دم از خودی زد و بیگانه راند از سرخویش
بلی بخود رسد آنکو ز حق اطاعت کرد
اس نے خودی کا بیان کیا اور خارجی کو اپنے ہاں سے نکال دیا
سچ ہے جو حق کی اطاعت کرے وہ اپنے آپ کو پالیتا ہے۔

گر نماندی تا نصیب از کسندہ خود بدروی

شد نصیب ملت تو حاصل اعمال تو

اگر جہ تو زندہ نہیں کہ اتنے ہوئے ہوئے تو زب سکے

لیکن تیرے اعمال کا حاصل میری سب تو نصیب ہوا۔

گرچہ ذوق نغمہ کم دندی نوا سرین زدی

لا جرم سرین نوا ۔۔ نغمہ فوال ۔

اگر جہ تو نے لوگوں میں ذوق نغمہ کم نہ کیا، ہر جی سری

نوا شیرین جی بلاسک تیرے فوال کا نغمہ ایک سرین نوا ہوا۔

نفس فطرت خواندہ فکرت از سر دانیب

مرحبا بر فطرت و بر فکرت ہواں ہم

پہرے نکر نے ضمیر کا نشانات سے فطرت کا نفس، مضامین کا سری

فطرت اور فکر حواں بر آفرین ہوا۔

...غرائی را دہ ساحر خواندہ ازاد ولہ می

سو شمعینی و شمعینی حسیب من و مل ہوا

ساعروں تو شمعینی ساحر اور شمعینی من لہا ہے سو شمعینی ہوا

اور وہ بچی ہے۔ یہ جہ نالام لہا ہے!

...دہ ہے غری کے شعری طرف لہا ہے۔

نوا را سخ بر مہرین حوا ذوق نغمہ لہا ہے

حدی را سز بر محو حوا محو را لہا ہے

قصیدہ ذیل سرمد نے ۱۹۵۵ء میں اقبال کے سزار پر پڑھا

سکہہ اقبال

ایکہ مردی وسخن تند زندہ از اقوال تو
نقد پاکان شد رواج از سکہہ اقبال تو
تو نے وفات پائی لیکن شاعری تیرے کلام سے زندہ ہو گئی - تیرے
سکے کی بدولت پاکستان کی دولت نے رواج پایا -

تو اگر مردی بصورت خود بسیرت زندہ ای
کز فنا ایمن بود جان تو و امثال تو
تیری موت صرف ظاہر کی موت ہے کیونکہ تیری سیرت زندہ ہے
تیری اور تجھ جیسے لوگوں کی جان فنا سے مصون ہوتی ہے -

تو بسیرت زندہ ای کاندہ حیات اجتماع
ملتی را زندہ کرد اندیشہ و آمال تو
تیری سیرت زندہ ہے کیونکہ اجتماعی زندگی میں تیرے تفکر اور
تیری آرزو نے ایک ملت کو زندہ کر دیا -

گر نمادی تا بہ بینی کاروان در منزل است
شد درای کاروان آوای سوز و حال تو
اگرچہ تو اس وقت تک زندہ نہ رہا کہ کاروان کو منزل رسیدہ دیکھ
سکے لیکن تیرے سوز اور حال کی آواز ہی درائے کاروان تھی -

تو بمیزان حقیقت شعر خود منحصر ای
حق توان سنجید بر میزان و بر مکمل نو
نو نے حریف کی میزان بر اسے شعر تو جانچ ہے عاں! ری
میزان اور سمانہ بر حق تو جانچ جاسکتا ہے۔

ساعتوں جات سالانہ را سرت دربار شعر
ساعری ورژنہ بر معیار و بر مہاں
سالہاں کے ساعتوں کو جاننے نہ ہو لہجی میں عرب و عجم
اور مدرسے نو اختیار کریں۔

مربع فکر جون سحاب سر را سرت
آفرین بر اوج فکر و موج بر وں وں
سحاب سر کی طرح میں نہیں رہتا، سدا ہمہ گیری سدا ہی نہیں
اور نہ وں نہ بر آرس ہو۔

دولت اسلامیان را سرت آفرینی
رجعت لازم نہ سی سدا ہی نہیں ہو
نو اسلامی حکومت کو دوبارہ عہد میں وں سے نہ مجھے سدا
اس واسی بر فخر ہے تجھے قرب دینے والوں کی دربار حتم ہو گئی۔

زندگی پیشوایان زندگی
آفرینہا بر نو و بر اس فعل ہو
پیشواؤں کی زندگی ملت کی زندگی میں مدغم ہوتی ہے۔ تبہ بر
اور تیری فعال ملت بر آفریں ہو۔

شاعران را گہ منکر گہ ملمہ خواندہ اند
تو چینی و چنانی ایخوشا بر حال تو
ساعروں کو کبھی منکر اور کبھی ملمہ کہا گیا ہے تو یہ بھی
ہے اور وہ بھی ہے تو کتنا خوش قسمت ہے -

ساعر است آنکس کہ امیالش بر آید از سخن
تو ہمائی از سخن پیدا بود امیال نو
ساعر وہ ہے جس کی آرزو اس کے شعر سے پیدا ہو - تو وہی ہے جس
کے شعر سے آرزو ظاہر ہوئی ہے -

خاک پاکستان بسعرت پاک بند از لوت سرک
آفرین بر شعر نغز و معجز اقوال تو
تیرے شعر سے پاکستان کی خاک سرک کی گندگی سے پاک
ہو گئی تیرے عالی شعر اور تیرے کلام کے معجزہ پر آفریں -

تو سخن را تازہ کردی بر مذاق روزگار
تا نگرود صید ماضی حال و استقبال تو
تو نے زمانے کے مذاق کے لئے شعر کو تازگی بخشی تاکہ تیرا
حال اور استقبال زمانہ ماضی میں گرفتار نہ رہے -

چون بہ تبلیغ حقائق رہبر است شدی
تو بہ پیش امت و است شد از دنبال تو
حقائق کی تبلیغ کے لئے تو ملت کا رہبر بن گیا ، تو امت کا پیشوا ہے
اور ملت تیرے پیچھے ہے -

اقباس از تقریظ منظوم بر ”روسی عصر“

روسی عصر کیست؟ اقبال است
کہ جو روسی گزیدہ اقوال است
روسی عصر کون ہے، روسی عصر اقبال ہے کیونکہ اسکا کلام روسی کی
ماتر سخنان گزیدہ پر مشتمل ہے۔

گر چہ ملا روم نکمہ بود
نک تنہ صد ہزار ملا بسود
اگرچہ ملا روم نکمہ نہا اور ایک واحد شخص ہوئے ہوئے لاکھوں
عمہ دین کے برابر تھا۔

لیکن اقبال سند از پیرویش
یکی از پیروان معنویں
اقبال نے یکی پیروی کی اور روسی کے روحانی شاگردوں میں
شمار ہو گیا۔

رفت دنبال پیر و ملا شد
آگہ از راز پیر و برتا ...
اقبال نے مرشد کی پیروی کی اور مرشد کے مقام پر پہنچ گیا اور
پیرو برتا کے راز سے آشنا ہو گیا۔
تا بداند بشر چہ باید کرد
سخن نغز جاسودان آورد
یہ بتانے کے لئے کہ بشر کو کیا کرنا چاہئے اسنے عالی اور
جاویدان اشعار کہے۔

عمرانہا بشرّ در سال و ماہ آید ولیک
سال و ماہ دیگران نبود چو ماہ و سال تو
اگر چہ انسان کی عمر ماہ اور سال میں حساب کی جاتی ہے دوسروں
کے ماہ اور سال تیرے ماہ اور سال سے مختلف ہیں ۔

گر ہمہ عمر تو از این سال و مہ یک روز بود
خود ہمیں بس بود با کیفیت احوال تو
ان سالوں اور مہینوں سے اگر تیری عمر فقط ایک دن ہی ہوتی
تو تمہاری دنیاات حال کے پیش نظر وہ بھی کافی تھی ۔

ای حُجستہ خاکِ پاکستان درود از خاکِ سند
تا بہ بيشاور و بر پنجاب و بر بنگال تو
پاکستان کی مبارک خاک پر ۔ سند سے بيشاور تک اور پنجاب و
بنگال پر درود پہنچے ۔

نام تو اقبالِ بندِ زانِ بخت و اقبالِ بند
شد نصیبِ کشورت از نامِ فرخِ فال تو
تیرا نام اقبال ہے اس لئے بخت اور بندی اقبال تیرے مبارک
نام سے تیرے ملک کو نصیب ہوئی ۔

این بود چارمِ قصیدہ گر بیتِ سرمدِ سرود
ہمچنان باقی است تفصیل تو و اجمالِ نو
بہ جوتہا قصیدہ ہے جو تیرے لئے سرمد نے کہا ہے لیکن
تیرے متعلق مفصل و مختصر کئی باتیں ابھی باقی ہیں ۔

۲۸۵

راہ در مکتب نبوت یافت

دولت از بعث ملک و ملت یافت

اس نے نبی اکرم کا راستہ اختیار کیا اور اسکو حکومت اور ملت
کی بیداری نصیب ہوئی۔

محرم اندر حریم یزدان شد

راست خواہی گزیدہ انسان شد

وہ خدا کے حریم کا محرم ہو گیا اور سچ تو یہ ہے کہ ایک برگزیدہ
انسان کے مقام پر پہنچ گیا۔

* * *

* *

*

زاد ہندی ولی ز شور عجم
سخن آسخت از زبور عجم
اگرچہ وہ ہند میں پیدا ہوا لیکن اس میں عجم کا جوش تھا اور
اس نے ”زبور عجم“ کو تلقین کا ذریعہ بنایا

در سخن سکھ ہدایت زد
نر قیسان را صلائی دعوت زد
تسعر کے ذریعے اس نے راہنمائی کا کام کیا اور مشرق کے لوگوں
کو دعوت دینے دی۔

نافت چون شمس سہر افکارش
شد ہویدا رموز و اسرارش
اسکے افکار کا سورج آفتاب کی طرح چمکا اور اسکے ”رموز و اسرار“
ظاہر ہو گئے۔

آنچه اندر پیام مشرق خواست
کار عالم بکار مشرق خواست
”پیام مشرق“ میں اسکی یہ آرزو تھی کہ دنیا مشرق کی آرزوئیں
انجام دے۔

نافہ شرع را زمام گرفت
قصدت از دولت کلام گرفت
اس نے شریعت کی نافہ کی زمام ہاتھ میں لی۔ اور اس نے کلام کی
دولت سے قوت حاصل کی۔

جان باکن را ز دام جور ناکبان رھاند
جامہ ہستی پیوشانید بر آماں او
اس نے ہاسک لوگوں کو ناکبان لوگوں کے ہاتھ سے نجات دلائی
اور اپنی قوم کی آرزوں کو ہستی کا جامہ پہنایا۔

از گروہی ناتوان قومی توانا آنرید
چون بجولان اوفتاد اندیشہ احوال او
جونہی کہ اس کا تخیل جولانی میں آیا اسنے ایک نانوان گروہ سے
ایک تہانا قوم پیدا کی۔

آھوی در ینجہ شیر نری میداد جان
نیروی اقبال کرد آزادش از جنگل او
ایک نر شیر کے پنجے میں آھو جان دے رھا تھا اقبال کی قوت نے
اس کو شیر کے پنجے سے آزاد کرایا۔

کاروانی راہ استیصال می بیمود و وی
بست با بانگ درایش راہ استیصال او
ایک کاروان تباہی کے راستے پر جا رھا تھا اس نے اپنی دوبانگ درا،،
اس کی تباہی کا راستہ روک دیا۔

بر گروہ خود شناسانید ز اسرار خودی
آنچه پنهان است اندر جوہر فعال او
اس نے قوم کو دواسرار خودی،، سے واقف کیا اور بتایا کہ خودی
کے عملی جوہر میں کیا کیا پنہاں ہے۔

اثر طبع آقائی کاظم رجوی

کاظم رجوی وزارت تعلیم ایران کے اعلیٰ افسروں میں سے ہیں بحیثیت شاعر انکا شمار بہترین معاصر شعرا میں ہے۔ ادب میں غیر معمولی دسترس کے علاوہ انکو فلسفہ اسلامی اور ریاضیات میں بھی تبحر حاصل ہے۔

آفرین بر ملک پاکستان و بر (اقبال) او
آئین بنیان گزار کاخ استقلال او
ملک پاکستان اور اس کے اقبال بر آفرین! اقبال جس نے پاکستان
کے کخ آزادی کی مضبوط بنیاد رکھی۔

شاعری نازگتہ اش بر ملت خود جان د مید
برد بر اوج ثریا پایہ اقبال او
وہ ایسا شاعر تھا جس کے کلام نے اس کی قوم میں جان پیدا کی او،
اس کے اقبال کو ثریا کی بلندی تک لے گیا۔

حال مہین را چو دید از گردش گردون نژند
در تب و تاب او فتاد از سخی احوال او
جب اس نے گردش فلک کے ہانھوں وطن کی بری حالت دیکھی
اس کی بری حالت کو دیکھ کر اس کا دل جلنے لگا۔

غوطہ ور شد در دل در بای ماضی سالما
تا ز طوفان برد بیرون رخت استقبال او
کئی سال وہ ماضی کے سمندر میں غوطہ زن رہا اور آخر کار قوم
کے مستقبل کو طوفان سے بچالیا۔

قاتل ہر اتفاق و اتحاد مردم است
مار خود کامی و زہر مہلک و قتال او
خود غرضی کا سانپ اور اس کا مہلک زہر ہر اتفاق اور اتحاد کا
قاتل ہے ۔

گفت اقبال آنچہ میبایست با اقوام شرق
از خرابیہای شرق و علت اغفال او
اقبال نے جو کچھ ضروری تھا مشرق ۔ اور اس کے غافل گیر
ہونے کے متعلق مشرق کی قوموں کو بتایا ۔

کرد روشن با بیان روشن و گیرای خویش
راز این بیچارگی شرق و اضمحلال او
اقبال نے اپنے واضح اور دلچسپ بیان سے واضح کر دیا کہ مشرق کی
بے چارگی اور اس کے مضمحل ہونیکا راز کیا ہے ۔

از پیام شرق او دنیای مشرق جانگرفت
تافت خورشید رشاد از مشرق اقوال او
اس کے پیام مشرق سے دنیای مشرق میں جان آگئی اس کے کلام
کے مشرق سے ہدایت کا خورشید طلوع ہوا ۔

وزندای دپس چہ باید کرد ای اقوام شرق ،
شرق را بنمود راہ عزت و اجلال او
اور دپس چہ باید کرد ای اقوام شرق ،، کی آواز سے اس نے
مشرق کی عزت اور جلال کی طرف راہنمائی کی ۔

تا نپندارد کہ جام جم بدست دیگری است
بادہء نابی است ہم در جام مالا مال او
یہ خیال نہ کریں کہ جام جم کسی اور کے ہاتھ میں ہے ۔
اس کے بھرے ہوئے جام میں صاف شراب موجود ہے ۔

وز (رموز بیخودی) آموخت بر بیگانگان
راہ و رسم آشنائی با زبان حال او
”رموز بیخودی“ کے ذریعے اس نے ناآشناؤں کو زبان حال سے
راہ و رسم آشنائی سکھائی ۔

آری اسرار خودی خود راہنمای بیخودی است
تا ترا برہاند از خود خواہی و جنجال او
سیچ ہے اسرار خودی بیخودی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں تاکہ
تجھکے خود غرضی اور اس کی پیچیدگیوں سے بچائیں ۔

بیخودی یعنی، رہائی از خود و خود کامگی
محو گشتن در خدا و ذات بی تمثال او
بیخودی خودی اور خود غرضی سے رہائی ہے یہ خدا اور اس کی برے مثل
ذات میں محو ہونا ہے ۔

دیو خود خواہی است مایہء تیرہ بختیہای ما
آدمی بدبخت شد زین غول و قیل و قال او
خود غرضی کا دیو ہماری بد بختیوں کا سبب ہے انسان اسی شیطان
کی باتوں سے بدبخت ہوا ۔

از فرنگ و از فرنگستان بود بیزار از آنک
قرنہا بد شرق زیر دست و شد پامال او
وہ فرنگ اور فرنگستان سے اس لئے بیزار تھا کیونکہ صدیوں سے
مشرق فرنگ کے تسلط میں اور اسکے ہاتھوں پامال رہا۔
از اروپا دور شد اقبال زیرا آسیا
روز گاری ماند زیر پنجهٔ اشغال او
وہ یورپ سے متنفر ہے کیونکہ ایشیا، ہر ایک زمانے سے وہ قابض
رہا ہے۔

کرد از (جاوید نامہ) نام خود را جاودان
جاودان مانند آری جاودان امثال او
،، جاوید نامہ،، لکھکر وہ جاودان ہو گیا۔ ہاں یہ درست ہے اس
جیسے لوگ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

گفت اقبال ،،وی بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد،،
این سخن حق است در حق وی و ابدال او
اقبال نے کہا ہے کہ کئی شاعر موت کے بعد دوبارہ زندہ
ہوتے ہیں،، یہ بات اس کے اور اس جیسے لوگوں پر صادق آتی ہے۔

با (زبور) وی کہ از نام (عجم) زیور گرفت
تازہ شد جان جہان از نام فرخ فال او
اس کی ،، زبور عجم،، کے نام سے عجم نے اپنے آپ کو آراستہ کیا،
اس کے مبارک نام سے دنیا کی روح تازہ ہو گئی۔

خواند مشرق را بسوی دانش و کوشش ، چو دید
خواری مشرق زمین از جہل و از اہمال او
اس نے مشرق کو علم اور کوشش کی طرف بلایا جب اس نے
دیکھا کہ مشرق کی خواری اس کی جہالت اور بے پروائی کا نتیجہ ہے ۔

شد دلیل راہ شرق گفتہ های نغز او
حجت آزادی شرق آمد استدلال او
اس کی اچھی باتیں مشرقیوں کے لئے راہنما بن گئیں اس کے دلائل
مشرق کی آزادی کے لئے حجت تھے۔

آفتاب شرق را چون دید در گودال غرب
سیر شد از غرب و از دریای پر گودال او
جب اس نے آفتاب شرق کو مغرب کے گڑھے میں گم دیکھا اس
کا دل مغرب اور اس کے تاریک سمندر سے سیر ہو گیا ۔

ز آنہم گندم نمائی جو فروشی دید و بس
چون جوال غریبان بگذشت از غربال او
اس نے ان کے ہاں فقط گندم نمائی جو فروشی دیکھی جب
اس نے مغرب کے لوگوں کی درست چھان بین کی ۔

عاشق شرق و هوای گرم سودا خیز اوست
دشمن غرب و فضای سرد چون بخیزال او
وہ مشرق اور اس کی جنون خیز گرم ہوا کا عاشق ہے وہ مغرب
اور اس کی برف جیسی سرد فضا کا دشمن ہے ۔

والہ و شیدائی حسن زبان پارسی است
فتند این شاهد شعر است و خط و خال او
وہ فارسی زبان کی زیبائی کا عاشق ہے اس کے شاهد شعر کے لئے اسکے
خُص و خال فتنہ ہیں

مولوی و سعدی و حافظ تجلی کردہ اند
در همه افکار و در آمال و در امیال او
مولوی (روسی) سعدی اور حافظ آشکار ہوئے ہیں
اسکے افکار و آرزو میں اور مقاصد میں -

حکمت یزدانی ایرانی زمین چوں مطلعی است
کز همانجا شد فروزان اختر اقبال او
ایران کا الہامی فلسفہ ایک مطلع کی طرح ہے
جہاں سے اسکے اقبال کا ستارہ طلوع ہوا

رنج ہا برد این سخنگوی ہنرور سالہا
ہم دو تاشد پشت او وہم تبہ شد حال او
اس ہنر مند شاعر نے کئی سالہا محنت کی
اسکی کمر دوہری ہوگئی اور اسکا حال افسردہ ہو گیا

لیک با این رنجہا و درد ہا یکدم نشد
فارغ از اندیشہ احیا کشور بال او
لیکن ان تمام رنج و درد کے باوجود ایک دم کے لئے بھی
وہ اپنے ملک کے احیا کے فکر سے فارغ نہیں تھا

چون (مسافر) سیر در آفاق و انفس میکند
(بال جبریل) است گوئی فکر زرین بال او
اقبال، و مسافر، کی طرح کائنات میں سفر کرتا ہے اور وبال
جبریل، اس کے سنہری پروں کی بجائے ہے۔

گاہ از (نجد و حجاز) آرد برایت (ارمغان)
گاہ با (ضرب کلیم) از مصر و از ابطال او
کبھی وہ نجد اور حجاز سے تمہارے لئے ارمغان لاتا ہے اور کبھی
مصر اور وعاں کے بزرگوں سے ”ضرب کلیم“ بھی۔

گاہ با (تجدید افکار مسلمانی) کند
چشم گیتی خیرہ از اسلام و از اعمال او
کبھی تجدید افکار مسلمانی کر کے دنیا کی آنکھ اسلام اور اسلامی
عمل دکھا کر خیرہ کر دیتا ہے۔ (اقبال کی کتاب تجدید فلسفہ اسلامی
کی طرف اشارہ ہے)

میستاید از دل و جان دین حق مصطفیٰ
میسپارد راہ نیک مرتضیٰ و آل او
وہ دل و جان سے دین مصطفیٰ کی تعریف کرتا ہے اور مرتضیٰ اور
اسکی اولاد کے راستے پر گام زن ہے

روح او ایرانی است و گفته هایش پارسی
فیضہا دریافته از چشمہ سیال او
اسکی روح ایرانی ہے اور اسکا کلام فارسی ہے
اس نے ایران کے جاری چشموں سے فیض حاصل کیا ہے

بر بیان نغزو فکر بکر اقبال است و بس
کاخ استقلال پاکستان و استکمال او
پاکستان کی آزادی اور ترقی کی بنیاد
اقبال کے اچھے اور نئے نئے افکار پر ہے

نام پاکستان ازین فرزند رادش زندہ شد
زندہ میدانند آری سام را اطفال او
پاکستان کا نام اس عالی مرتبت فرزند کے ذریعہ زندہ ہو گیا
یہ سچ ہے کہ بچے اپنی ماں کا نام زندہ رکھتے ہیں

بس درود از من بر این اقبال پاکستان کہ شد
نام پاکان زندہ از آلام و از آمال او
میری طرف سے اقبال پر درود پہنچے کیونکہ
اسکے مقاصد اور اسکی محنت سے پاک لوگوں کا نام زندہ ہوا

روز اقبال است روز اول اردیہشت
وہ چہ روز خرم و خوبی است روز سال او
وہ یوم اقبال،، اردی بہشت کی پہلی تاریخ کو ہوتا ہے
واہ واہ اسکی برسی کا دن کتنا خرم و اچھا ہے

وین چکامہ در چنین روزی بیادوی بود
ارمغان من بپاکستان و بر اقبال او
اس دن کی مناسبت سے یہ قصیدہ میری طرف سے پاکستان اور اسکے
اقبال کی خدمت میں ارمغان ہے

تا بپاکستان شناسانید حق خویشتن
مہر خاموشی برافگند از زبان لال او
اس نے پاکستان کو اسکے حق سے آگاہ کیا
اور اسکی خاموش زبان سے مہر خاموشی توڑ دی
تا برون کرد از زمین پاک پاکستان عدو
کرد ثابت کاین دیار پاک نبود مال او
اس نے پاکستان کی زمین سے دشمن کو نکال کر ثابت کر دیا کہ
پاکستان اسکی ملکیت نہیں تھا

شاعران را باید از اندیشه او پیروی
تا بہار آید ز اقوالش ہمہ افعال او
شاعروں کو چاہئے کہ اقبال کے خیالات کی پیروی کریں
تاکہ انکی باتوں سے انکے اعمال ظاہر ہوں
شرقیان را باید از شاعر چو پاکستان سپاس
تا ہمہ راہی بہ پیما یند بر منوال او
مشرقی لوگوں کو چاہئے کہ شاعر پاکستان کا شکریہ ادا کریں
اور سب کو چاہئے اقبال کی منشاء کے مطابق راستے پر چلیں
ملک پاکستان ہمہ چیز خود (اقبال) یافت
چوں سرود او شنید و رفت از دنبال او
پاکستان نے اپنی ہر چیز اقبال سے حاصل کی -
جس نے اسکا نغمہ سنا اور اسکے پیچھے روانہ ہو گیا

قصیدہ آقای ادیب برومند شاعر ملی ایران

آقای ادیب برومند ایران معاصر کے مشہور شعرا میں سے ہیں اور قصیدہ
سرائی میں انکا مرتبہ بہت بلند ہے۔

اقبال

امروز باقبال تو ای یار فسونکار
اقبال بمی بایدم و زمزمہ تار
اے میرے افسونکار محبوب تیرے اقبال کے وسیلہ سے مجھے ستار کے
زمزمہ کے ساتھ می میسر ہوئی چاہئے

امروز باقبال تو خوش بادہ خرم تلخ
ای دلبر شیرین سخن نادرہ گفتار
آج میں تیرے اقبال کی بدولت تلخ شراب کو خوشی سے نوش کروں
اے میرے شیرین سخن اور نادر باتیں کہنے والے محبوب!

می نوشم و برزیر و ہم تار کنم گوش
بایار کہ بردل زندم چنگ و باو تار
میں شراب پیوں اور ستار کے زیر و ہم (نغمہ) کو سنوں
محبوب کے ہمراہ جو میرے دل کے ساز پر ہاتھ پھیرتا ہے

ای ساقی گل چہرہ بریز آن می گل رنگ
تا گونہ چو آتش کنم و چہرہ چو گل نار
اے ساقی گل چہرہ وہ گل رنگ (سرخ) شراب ڈال دے
تاکہ اپنے رخسارے آگ کی طرح اور چہرہ گلنا کی طرح کر لوں

۲۹۶

بحث اقبال ارچہ بس شایستہٗ تفصیل بود
ایک من بس کردم از آن برہمین اجمال او
اگرچہ اقبال کے متعلق بحث زیادہ مفصل ہونی چاہئے
میں اس مختصر پر ختم کرتا ہوں

* * *
* *
*

آنجا کہ درو نیز اقبال فروزان
آنجا کہ درو پرتو اسلام پدیدار
وہ جگہ جہاں اقبال کا ستار روشن ہوا
وہ جگہ جہاں اسلام کی روشنی کا عکس نمودار ہوا
آنجا کہ از و خاست یکی مرد گرانسنگ
آنجا کہ درو رست یکی نخل گرانبار
وہ جگہ جہاں سے ایک بڑی قابلیت کا شخص پیدا ہوا
وہ جگہ جہاں سے ایک بہت زیادہ پھل والا درخت پیدا ہوا
زان مرد نکو نام ، زمانراست ہمی فخر
زان نخل برومند ، زمیں راست ہمیں بار
اس نیک نام مرد سے زمانے کو فخر حاصل ہے
اس پھل دار درخت سے زمین کو پھل نصیب ہوا
آن عالم یکتا بوطن منشاء تعلیم
آن مشعل تابان بجہاں مطلع انوار
وہ یکتا عالم وطن کے لئے تعلیم کا منبع تھا
وہ روشن مشعل جہاں کے لئے روشنی کا منبع تھا
ہنام ، دو محمد ،، ہنر آموز حکیمی
دلدادہ سرخیل رسل احمد مختار
وہ ہنر سکھانیوالا فلسفی ، دو محمد ،، کا ہنام ہے
وہ احمد مختار کا جو نبیوں کے سردار ہیں عاشق ہے

بنشین و بر افروز رخ ای لعبت شیرین

بر خیز و بر افراز قد ای شاهد عیار

اے محبوب شیریں بیٹھ جا اور اپنے چہرے کو روشن کر پھر
اے میرے عیار معشوق اٹھ کر کھڑا ہو جا اور اپنے بلند قد کی نمائش کر

ز آن یک بر آب از رخ نسرین و شقائق

زین یک بزن آتش بدل سرو و سپیدار

پہلی حرکت سے نسرین گل لالہ کو ماند کر دے

دوسری حرکت سے سرو اور سفیدے کے درخت کو (آتش حسد میں)

جلا دے

در دوسہ جامی کہ بنوشم من و زانیس

یک لحظہ ز پنجاب سرایم سخن اے یار

دو تین جام مجھے دے تا کہ پینے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے

پنجاب کے متعلق شعر پڑھوں

آنجا کہ بفرہنگ و کمال است مزین

آنجا کہ بتعظیم و درود است سزاوار

وہ جگہ جو تمدن اور کمالات کے زیور سے آراستہ ہے

وہ جگہ جو درود اور تعظیم کے لائق ہے

آنخطہ کزو مہرو وفا خیزد و رادی

آنخطہ کزو جاہ و ظفر زائد و مقدار

وہ خطہ جہاں سے مہرو وفا اور بلند ہمتی پیدا ہوتی ہے

وہ خطہ جہاں سے جاہ اور ظفر و قابلیت پیدا ہوتی ہے

شد شاعری آنگونہ کہ درجنگ اجانب
شعرش بیقیں گشت بہیں حربہ احرار
وہ ایسا شاعر تھا کہ اجنبی کے خلاف جنگ میں اسکا شعر یقیناً
احرار کے لئے اسلحہ تھا

شد شاعری آنگونہ کہ در ہند سراسر
کر دند با عجاز کلامش ہمہ اقرار
وہ ایسا شاعر تھا کہ ہند میں سر تا سر سب نے اس کے اعجاز
کلام اقرار کیا

ہر چند (باردو) سخن آموخت زطفلی
با لفظ (دری) ساز سخن کرد در اشعار
اگرچہ بچپن سے اس نے اردو زبان سیکھی تھی اس نے فارسی زبان میں
شاعری شروع کی

بنگر (بزبور عجم) و (نامہ جاوید)
در یاب ز اسرار خودی جلوۂ افکار
بزبور عجم، اور وہ جاوید نامہ، کا مطالعہ کرو اور اسرار خودی سے
افکار کے جلوے حاصل کرو

چوں دورہ (اکبر شہ) و (اورنگ) و (جہانگیر)
بر لفظ (دری) زیب و فرافزود دگر بار
اکبر اور اورنگ زیب اور جہانگیر کے زمانے کے مانند اس نے
دو بارہ فارسی کی زیب و زینت کو پڑھایا

فرزانہ و دانشور و نام آور و محبوب
آزادہ و بینا دل و نیک اختر و ہشیار

وہ دانا، عقلمند ، مشہور و محبوب ہے
وہ آزاد ہے اسکا دل بصیر ہے وہ نیک اختر اور ہشیار ہے

اندوخت بسی علم و سخندانی و حکمت
آموخت بسی فضل و ہنرمندی و رفتار

اسی نے علم و شعر اور حکمت کو بہت جمع کیا
اس نے بہت حد تک ہنر، اخلاق اور علم سکھایا

آموخت (بلاہور) بسی دانش و فرهنگ

زاں پس (بارویا) حکم و فلسفہ بسیار

اس نے لاہور میں کافی عرصہ علم اور فرهنگ کی تعلیم دی اسکے
بعد یورپ میں علم اور فلسفہ کا مطالعہ کیا

شد شاعری آزادہ و دریا دل و فیاض
از وسعت اندیشہ و از طبع گھر بار

وہ ایک شاعر تھا آزاد منش ، وسیع قلب اور فیاض
اپنے خیال کی وسعت اور اپنی گھر بار طبع کی بدولت

شد شاعری آنگونہ کہ تاثیر کلامش

حسن و حرکت داد بنقش در و دیوار

وہ ایسا شاعر تھا کہ اسکے کلام کی تاثیر نے در و دیوار کے نقش کو

حسن اور حرکت عطا کی

شد در وطن خویش مہین (شاعر ملی)
و آمد بیرش خشم قوی پنجه بزناہار
اپنے وطن میں اسے قومی شاعر کی عظمت ملی اور طاقت ور دشمن
بھی اسکے قابو میں آگیا

چوں دید کہ در ہند دل مسلم و ہندو
پیوند محبت پذیرفت بنا چار
جب اسنے دیکھا کہ ہند میں مسلم اور ہندو کا دل محبت کے
پیوند کو قبول نہیں کرتا تو نا چار

یک بار صلا داد کہ اقوام مسلمان
باید کہ در آیند بیک حلقہ و یکدار
اس نے آواز دی کہ تمام مسلمان قوموں کو
چاہئے کہ ایک حلقے اور دائرے میں آجائیں

این گفت و پس از مرگ وی این کشتہ ثمر داد
با ہمت مردان ظفر مند و فداکار
اس نے یہ کہا اور اسکے مرنے کے بعد اس نے پھل دیا
مردان ظفر مند اور فدا کار کی ہمت کی بدولت

و ندر صف میدان بجناح وطن و دین
گر دید جناح از پی این نقشہ علمدار
میدان کی صف میں وطن اور دین کے پہلوں پر جناح نے اس اسکیم کو
عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا

خوش نغمہ گر گلشن (رومی) شد و دریافت
از ساحت اندیشه او نزہت گلزار
وہ رومی کے باغ کا نغمہ سرا بن گیا اور رومی کے افکار سے اسکو
گلزار کی نفاست مل گئی

بر تارک دوران خود از گفته فراہشت
بس در گرانمایہ و بس گوہر شہوار
زمانے کے سر پر اپنے شعر سے نچھاور کر دیے
بے شمار گرا نمایہ موقی اور بے شمار گوہر شہوار
یکبارہ بخدمت گری خلق کمر بست
تا باز رھاند وطن از سلطہ اغیار
اس نے ایک دفعہ خلق کی خدمت کے لئے کمر باندھ لی تاکہ وطن کو
غیروں کی حکومت سے رھائی دلوائے

خوش کرد بسیج از رہ گفتار کسانرا
بر ضد (بریطانی) یغماگر مکار
اس نے اپنے کلام سے لوگوں کو خوب صف آرا کیا
برطانیہ مکار اور یغما گر کے خلاف

و آرام نخسپید در اینمرحله تا کرد
آو ای نجاتش ہمہ را یکسرہ بیدار
اس دوران میں وہ آرام سے نہ سویا جیتک کہ اسکی آزادی کی آواز
نے سبکو بیدار نہ کر دیا

گوید کہ ترا عشق بود رہبر ہستی
وز علم و شود راہ و گذر گاہ تو ہموار
وہ کہتا ہے کہ زندگی میں تیرا رہبر عشق ہونا چاہئے ورنہ
محض علم سے تیرا راستہ مشکل ہو جائیگا ۔

آسائش گیتی ہمہ در عشق و صفا جوی
فوسائش انسان ہمہ از کینہ و پیکار
زندگی کی آسائشی حرف عشق اور صفائی قلب میں تلاش کر
کینہ اور پیکار انسان کو خراب کرتی ہے ۔

از مغربیان زیرکی و علم و حیل زاد
وز مشرقیان عشق و دل و معنی و کردار
مغربی لوگوں سے چالاک، علم اور حیلہ گری وجود میں آئی اور
مشرقیوں سے عشق و دل و روحانیت اور عمل نیک ۔

(افرنگی) جابر نبود قابل تقلید
کو خیرہ و بی شرم و وقار است و سبکسار
ظلم کرنیوالا فرنگی اس قابل نہیں کہ اسکی تقلید کی جائے کیونکہ
وہ خیرہ سر و بے حیا و بیوقار ہے ۔

از جانب افرنگی الودہ سروپائی
ناید بجز افسو نگری و فتنہ و آزار
افرنگی سراپا آلودہ ہے اسکی طرف سے بغیر افسونگری و فتنہ
اور تکلیف کے کچھ حاصل نہیں ۔

زبں نقشہ پدیدار شد انکشور نو خیز
کا نقطہ با (پاکستان) شد شہرہ اقطار
اس اسکیم سے وہ نیا ملک وجود میں آیا جو پاکستان کے نام سے
دنیا میں مشہور ہے

از فلسفہ او چہ دہم شرح کہ او راست
ایں فلسفہ خوش منعکس اندر ہمہ آثار
اس کے فلسفہ کے متعلق میں کیا بیان کروں۔ کیونکہ اسکا فلسفہ
اسکی تمام تصنیفات میں منعکس ہے

او بیروی مکتب اسلام کند نیک
وز محبت این کیش بود کاشف اسرار
وہ مکتب اسلام کی ٹھیک پیروی کرتا ہے اور اس مذہب کا بیان
کرتے ہوئے اس نے اسرار کھولے ہیں

خواہد کہ مسلمانان سازند ز وحدت
سادی بہ رہ عیسویان محکم و ستوار
وہ چاہتا ہے کہ مسلمان متحد ہو کر مسیحیوں کے مقابل ایک
مضبوط اور مستحکم دیوار کھڑی کر دیں

وز پرورش قوہ خلاقہ قدرت
گردند ز سستی و زبونی ہمہ بیزار
اور قوت تخلیق کی تربیت کریں اور سستی و بے چارگی سے
بیزاری کا اظہار کریں

در عرصہ پر کشمکش عالم ہستی
چون شیر عربی باش نہ چون میش عنقزار
زندگی کے پر کشمکش میدان میں شیر عربی کے مانند بن نہ
گھاس کھانے والی بھیڑ

جز در بر آسیب و خطر شوکت و فریست
این راز حیا تست و جزاین مرگ دگر عار
سوائے خطر اور مشکلات کے شوکت و شکرہ نہیں، یہی راز حیات ہے
اس کے بغیر محض موت یا عار ہے

مبنای (خودی) منشاء ایجاد جہانست
وین نزد (خود آگہ) نبود درخور انکار
خودی کے بنیاد دنیا کی ترقی کا منبع ہے اور خود آگہ، شخص اس
سے انکار نہیں کر سکتا

ز اسرار خودی بایدت آگہ شدن ایدوست
تا بشنوی از گوش درون زبده اخبار
اے دوست تجھے اسرار خودی سے آگہ ہونا چاہئے تاکہ تو باطن کے
کان سے مہم خبریں سن سکے

در خود بنگر ژرف و عیان ساز خودی دار
تا بنگری از چشم نہان عالم دیدار
اپنے اندر گہری نظر دوڑا اور اپنی خودی کو آشکار کر تاکہ تو
چشم باطن کے ذریعہ عالم ظاہر کو دیکھ سکے

ای آہ از این قوم ستمکار بد اندیش
ای وای از این مردم نا بخرد خونخوار
افسوس اس ظالم اور بد فکر قوم سے
افسوس ان بے عقل اور خونخوار 'زگوں سے
باید تو ز اندیشه و عزم و خرد خویش
آسان گذری از رہ نا ایمن و دشوار
چاہئے کہ تو اپنے فکر، ارادہ اور عقل کی بدولت اس مشکل اور غیر
محفوظ راہ سے آسانی سے گذر جائے

بیخود شدن از خویش بود توسعه روح
در ملت خود محو شدن شیوہ ابرار
اپنے آپ سے بے خود ہونا روح کی وسعت کو ظاہر کرتا ہے۔ اپنی
ملت میں محو ہو جانا ابرار کا طریقہ ہے

سعی و عمل و جنبش و امید و توکل
این جملہ بود نقد بقا راہمہ معیار
سعی و عمل و حرکت و امید و توکل یہ ہیں جو زندگی کے معیار
ہیں -

یکبارہ مشو دستخوش بازی تقدیر
دستی ببر از وی تو بدین قدرت سرشار
تقدیر کے کھیل میں اپنے آپ کو بے بس مت خیال کراس عظیم قوت کے
ذریعہ اس سے سبقت لیجی

۳۰۹

نالان مشو از کجروی مرکب تقدیر
یا عزم گران توسن تقدیر براہ آر
اگر مرکب تقدیر ٹیڑھے راستہ پر جائے تو غم مت کرو اپنے سخت
ادامے سے توسن تقدیر کو راستہ پر لے آؤ
تحقیر خودی منشأ آثار زوال است
تخفیف روان منبع بدبختی و ادبار
خودی کو حقارت کی نظر سے دیکھنا زوال کا بیش خیمہ ہے روح
کو کمزور کرنا بد بختی اور ادبار کا منبع ہے
ایںجملہ ز اقبال بود ذکر فضائل
کوہست گلستان ادب را گل بیخار
یہ چند ابک اقبال کے فضائل ہیں وہ اقبال جو گلستان ادب کا
گل بے خار ہے

* * *
* *
*

گوئی کہ خودی چیستؔ خودی فر خدائست
این شخص تو وین قوه کہ در تست ترا یار
تو کہتا ہے کہ خودی کیا ہے خودی خدا کی شان ہے یہی تری
شخصیت ہے اور یہی وہ قوت ہے جو تیری دوست ہے۔

در راہ خودی پای ارادت بطریق آر
تا آنکہ بری رہ بسوی حکمت دادار
خودی کی راہ میں عقیدت کے قدموں سے چل تاکہ تو خدا کی حکمت
کی طرف راستہ طے کر سکے۔

بغروز بدل آتش آمال نوین را
وز پر تو او راہ طلب چو بشتب تار
نئی آرزوؤں کی آگ دل میں روشن کر اور اسکی روشنی سے تاریک
ات میں راستہ تلاش کر۔

گر لوح دل از نقش تمنا ست نگارین
ہرگز نہ پذیرد ز بد حادثہ زنگار
اگر تیری لوح دل پر تمنا کے نقش و نگار ہوں تو بڑے حادثات سے
بھی اس پر زنگار نہیں آئے گا۔

نو کن بتن از نوطلی جامہ ہستی
ز آن پیش کہ پوشد ز فنا پودتو باتار
نئی چیزوں کی تلاش سے اپنے جامہ ہستی کو نیا رکھو اس سے
پہلے کہ اس کے تارو پود موت سے پوشیدہ ہو جائیں۔

بجہان شور افکند آن کو
دلش از عشق گشت مالا مال
جہان میں وہی شخص ہیجان پیدا کر سکتا ہے جسکا دل عشق سے
مالا مال ہو

مستمع را فزود حسن اثر
متکلم چو داشت حسن مقال
سننے والے پر اچھا اثر پڑتا ہے جب بات کرنے والا شیریں کلام ہو
گفت دانا کہ چون نبی ملہم
ہست شاعر زایزدہ متعال
دانا کا قول ہے کہ شاعر بھی نبی کی طرح خدا کی طرف سے ملہم
ہوتا ہے

شاعرانند چون پیا مبران
در بیان و فضایل و اقوال
شاعر بھی بیان اور فضائل اور اقوال میں پیغمبروں کی مانند ہوتے ہیں

از کلام محمدی است اثر
در کلام محمد اقبال
اور محمد اقبال کے کلام میں محمد کے کلام کا اثر ہے
پارسی گو حکیم پاکستان
پاک جان ، پاک شیوہ ، پاک خصال
اقبال پاکستان کا فارسی گو حکیم ہے وہ پاک جان ، پاک شیوہ اور
پاک خصال کا مالک ہے

اقتباس و انتخاب از قصیدہ آقای حبیب یغمائی

(حبیب یغمائی ایران معاصر کے استاد شعرا میں سے ہیں اور ملک کے نوجوان ادبا و شعرا میں احترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں کئی سال سے یغمائی ایران کے مشہور ادبی اور علمی مجلہ یغما کے مدیر ہیں) —

زندہ ماند سخنوری کہ ورا
دقت فکر هست و لطف خیال
وہ شاعر ہمیشہ زندہ رہتا ہے جسکے کلام میں تفکر کی باریکی اور
لطافت خیال ہو

اوج شاعر بود بہ نیروی فکر
اوج طائر بود بقوت بال
شاعر کی اہمیت اسکے تخیل کی قوت سے ہے جس طرح پرندے کی
بلندی پرواز اسکے پروں کی قوت سے ہے

سخنی کان ز حکمت است تہی
میوہ ای هست نا رسیدہ و کال
وہ شعر جو حکمت سے خالی ہے وہ نا پختہ اور کچے پھل کی طرح ہے
حکمت آموزی آن کند کہ وراست
طبع مواج و فکرت جوال
اور حکمت وہی سکھا سکتا ہے جسکو متحرک طبع اور روشن " تخیل

میسر ہو

از قصیدہ آقای ڈاکٹر قاسم رسا ، مشہد

سر زد از لاهور رخشان اختری
آن کہ پاکستان ہمی نازد بدو
لاہور سے ایک درخشان ستارہ طلوع ہوا جس پر پاکستان ناز کرتا ہے۔
خود نہ پاکستان کہ خاک عنبرا
خامہ اقبال بخشید آبرو
نہ صرف پاکستان بلکہ ہند کو بھی اقبال کے قلم نے آبرو بخشی -
شاعری شیرین کلام و نکتہ سنج
تا بگوید راز پنہان مو بسمو
شیرین کلام اور نکتہ سنج شاعر نے پنہان راز جو تھے انکو تفصیل سے
بیان کر دیا -

طالب حق بود و در آفاق گشت
تا کند مطلوب خور را جستجو
وہ حق کا طالب تھا اور تمام آفاق میں پھرا تاکہ اپنے مطلوب کی
جستجو کرے -

آفرین بر آن سخن دان کز سخن
در جہان بگذاشت آثاری نکو
اس سخن دان پر آفرین جس نے اپنے شعر کی اچھی یادگار دنیا میں چھوڑی -

فکر بکرش بکنہ بحر عظیم
شعر نغزش بلطف آب زلال
اس کا طبع زاد تخیل گہرائی میں بڑے سمندر کے مانند ہے اس کا
اعلیٰ شعر لطافت میں صاف بانی کی مانند ہے
دین اسلام را نموده ترف
مردم شرق را فزوده جمال
اس نے دین اسلام کے ترف میں اضافہ کیا ہے اور مشرق کے لوگوں کے
جمال میں اضافہ کیا ہے

چارہ جوئی کند بخیر و صلاح
کہ گراید بشر براہ کمال
وہ نیکی اور رفاہ بشر کے لئے کوشاں ہے اور چاہتا ہے کہ انسان
اپنے کمال تک پہنچ جائے گا

و اتحاد ممالک اسلام
ہست او را ز جملہ آمال
اسکی آرزو اور مقصد اتحاد ممالک اسلام ہے
”روز اقبال“ یعنی امروز است
کہ رسیدش ز حق نوید وصال
آج یوم اقبال ہے یعنی آج کے دن اسکو خدا سے وصال کی خوشخبری ملی
وین چنیں روز را علی التحقیق
بنسزا ید شکوہ در ہر سال
اور ایسے دن کا یقیناً سال بسال شکوہ و جلال بڑھتا رہے گا

سالک راہ حقیقت بود گشت
از پی عطار و روسی کو بہ کو
وہ حقیقت کے راستے پر چلنے والا تھا اور وہ عطار اور روسی کے پیچھے
گلی گلی گھوما

در پیام شرق،، آن دانا چو کرد
با دو گوته،، دانائی مغرب گفتگو
پیام مشرق میں اس دانائے مغرب کے دانا گوٹے سے گفتگو کی ہے

درسغن از شاعر مغرب زمین
شاعر مشرق زمین بر بود کو
اور شعر میں شاعر مغرب زمین کے شاعر سے مشرق زمین کا شاعر سبقت لے
گیا

هرکه او چون زندہ گرداند سخن
در جہاں هرگز نمیرد نام او
جو شخص شعر کو زندہ کرتا ہے اسکا نام جہاں سے هرگز نہیں
مٹتا

ای رسا چون راست مردان در جہاں
جز طریق راستی راہی مپو
ای رسا نیک آدمیوں کی مانند دنیا میں
سوائے سچائی کے راستہ کے کوئی راستہ اختیار نہ کر

آبیاری کرد خاک ہند را
تا کہ آب رفتہ باز آرد بجو
اس نے خاک ہند کی آبیاری کی تاکہ گزرے ہوئے اچھے دن واپس
آجائیں

آنکہ استقلال پاکستان و ہند
در جہانش بود تنها آرزو
وہ جسکی زندگی میں تنها آرزو پاکستان اور ہند کی آزادی تھی
ریخت در ساغر شراب اتحاد
گفت یاران را کہ قومو و اسرعو
اس نے پیالے میں اتحاد کی شراب ڈالی اور دوستوں سے کہا آؤ کھاؤ
اور پیو

بیدلان را میکشد سوی چمن
وہ ارمان ،، آن گل خوش رنگبو
اس اچھی بو اور رنگ والے پھول کا تحفہ بیدلوں کو باغ کی طرف
کہینچتا ہے

در دل عشاق سوز خامہ اش
آتش عشق است نشیدند فرو
اسکی قلم کا سوز عاشقوں دل میں عشق کی آگ روشن کرتا ہے جو
کبھی نہیں بجھتی

نو بہاری برنگ و بوی بہشت
ایمن از آفت خزان دیدم
ایک نو بہار تھی بہشت جیسی رنگ و بو کی حامل اور خزان کی
مصیبت سے مصون جو میں نے دیکھی -

گلشن رشک بوستان ارم
خوشر از ساحت جنان دیدم
میں نے دیکھا، ایک باغ جس پر باغ ارم کو رشک آئے اور جو
جنت سے بھی زیادہ خوشگوار تھا -

واندران رنگ رنگ لالہ و گل
گونہ گون سرو ارغوان دیدم
اسمیں رنگ رنگ کے لالہ و گل اور قسم قسم کے سرو اور ارغوان میں
نے دیکھے -

مرغکان بہشتی از ہر سوی
بر سر شاخ نغمہ خوان دیدم
بہشت کے پرندے ہر طرف سے ہر شاخ پر نغمہ خوان میں نے
دیکھے -

گلبنارا نیاز بر لب جوی
بر سر از سرو سائبان دیدم
نہر کے کنارے گلبن جھکے ہوئے تھے اور میں نے سر پر سرو کا
سائبان دیکھا -

قصیدہٴ آقای علی صدارت نسیم

آقای علی صدارت وزارت عدلیہ کے اعلیٰ افسروں میں سے ہیں۔ قدیم
اور جدید طرز کے شعر کہتے ہیں مگر انکے قصاید کو غیر معمولی
شہرت حاصل ہے۔

دوش ، جانرا بچشم جان دیدم
عالمی بر تر از گمان دیدم
کل میں نے اپنی جان کو روح کی آنکھ میں دیکھا مجھے ایک دنیا
نظر آئی جو خیال کی حدود سے بالا تر تھی ۔

عالمی روشن از فروغ امید
دور از این تیرہ خاک دان دیدم
وہ دنیا امید کی روشنی سے منور تھی اور اس تاریک دنیا سے بہت
دور تھی ۔

آنچه سر خوش نمی توان خواندم
وانچه وصفش نمی توان دیدم
اس دنیا میں کوئی تفصیل بیان نہیں کر سکتا جو دنیا میں نے
دیکھی اسکی تعریف نہیں کی جا سکتی ۔

یعنی از فیلسوف عصر اقبال
نغز آثار جاودان دیدم
یعنی زمانے کے فلسفی اقبال کی اعلیٰ اور جاویدان تصنیفات میں نے
دیکھیں ۔

از ازل تا ابد سپر دم راہ
ہیچ جز او نہ درمیان دیدم
میں نے ازل سے ابد تک کا راستہ طے کر لیا مگر سوائے ”اسکے“
مجھے کچھ نظر نہ آیا

ز آسمانی موائد رنگیں
بر یکی گستریدہ خوان دیدم
آسمان سے رنگا رنگ کھانے ایک خوان پر چنے ہوئے میں نے دیکھے
ہعوقی عام بود و بر آن خوان
دشمن و دوست میہمان دیدم
وہ ایک عام دعوت تھی اور اس خوان پر میں نے دوست و دشمن سب
کو میہمان دیکھا

از رموز جمال و راز کمال
ای بسا گنج شایگان دیدم
جمال اور کمال کے راز و رموز کے میں نے کئی گنج شایگان دیکھے
فیلسوفی بزرگ و روشن رای
شاعری فعل و نکتہ داں دیدم
میں نے ایک عظیم الشان اور روشن فکر فلسفی اور شاعر و نکتہ داں دیکھا
شاہبازی کہ زیر شہپر او
باختر تا بخاوراں دیدم
وہ ایک شہباز تھا جسکے شہپر کے نیچے میں نے مغرب سے مشرق
تک کی فضا دیکھی

کوهها دره ها همه سر سبز
جوبها چشمه ها روان دیدم
بهاڑ وادیاں سب سر سبز تھیں اور نہریں اور چشمے میں نے رواں
دیکھے

صحنہ ای همچو پہنہ گردون
واندر آن صحنہ لعبتآن دیدم
ایک منظر میں نے دیکھا جو آسمان کی طرح وسیع تھا اور اس
منظرہ میں مجھے حورین نظر آئیں

شاد و سرمست و شوخ و شور انگیز
پای کوبان و کف زنان دیدم
میں نے دیکھا کہ حوریں شاد و سر مست ، شوخ اور ذوق کی
حالت میں رقص کر رہی ہیں

بر شد اندیشه ام بشہر شرق
بمکانی کہ لامکان دیدم
میرا خیال مشرق کے سیر کی بدولت بلندی پر پرواز کر رہا تھا
ایسے مکان میں جہاں میں نے لامکانی دیکھی

نہ نشاں از جہان خاک پدید
نہ زمین و نہ آسمان دیدم
نہ وہاں کہیں خاک کی دنیا کا نشان تھا نہ زمین اور نہ آسمان
مجھے نظر آئے

طبع پاکش کہ ملہم است از غیب
راست چون بخت او جوان دیدم
اسکی پاک طبع کو جسکو غیب سے الہام ہوتا ہے بالکل اسکے بخت
کی طرح جوان دیکھا

دلربا زادگان طبعش را
ہمہ و شاداب شادمان دیدم
اسکی طبع کی دلربا اولاد کو میں نے ہر طرح شاداب اور شادمان
دیکھا

بی شمر اختران فکرش را
بس فرا تر ز کہکشان دیدم
اسکے افکار کے پیشتر ستاروں کو میں نے کہکشاں سے بھی بلند تر
دیکھا

در حریم تصوف و عرفان
رومیش یار و ہم زبان دیدم
تصوف اور عرفان کی منزل میں میں نے رومی کو اسکا یار اور ہم زبان
دیکھا

در سلوک ممالک حکمت
با سنائیش ہمعنان دیدم
حکمت کی مملکت اور سلوک کی منزل میں اسکو میں نے سنائی کا
ہم عنان دیکھا

آن ہمایوں ہمای را کہ بود
بر سر سدرہ آشیاں دیدم
وہ مبارک ہما کہ جسکا آشیاں سدرہ کی چونی پرھے میں نے دیکھا -

نخل بار آوری سپہر آسای
سایہ گسترده بر جہاں دیدم
میں نے دیکھا ایک پہل دار درخت آسمان کی طرح تمام جہاں پر
سایہ ڈال رہا ہے -

راز نا گفتہ محبت را
نغز گفتار ترجاں دیدم
میں نے اسکو محبت کے ناگفتہ راز کا نہایت خوش بیان ترجمان دیکھا -

در نا سفتہ حقیقت را
شکرین لعل در فشان دیدم
میں نے اسے حقیقت کے ناسفتہ موتی اور شکرین لعل بکھیرتے ہوئے
دیکھا -

زیر ہر بیتی از سفینہ او
ژرف دریائی بیکران دیدم
اسکے بیت کے نیچے میں نے گہرا اور بیکران سمندر دیکھا -

پس ہر سطری از صحیفہ او
یکجہاں راز دل نہاں دیدم
اس کتاب کی ہر سطر کے اندر میں نے راز ہائے دل کی ایک دنیا
نہاں دیکھی -

آسمانی وو پیام مشرق ،، او
در تن شرق چوں روان دیدم
اسکا آسمانی وو پیام مشرق ،، مشرق کے بدن میں روح کی طرح مجھے نظر آیا
تا از او دیدم وو ارمنان حجاز ،،
روح را نغز ارمنان دیدم
ارمنان حجاز کو میں نے روح کے لئے ایک اچھا تحفہ پایا ہے
طبع او را ز بس گھر پرورد
غیرت بحرو رشک کان دیدم
اسکی طبع سے بیشمار گھر پدیدار ہوئے ہیں میں نے اسکو غیرت بحر
اور رشک کان دیکھا ہے

کاخی افکند پس کہ بر در آن
چرخ - را سر بر آستان دیدم
اسنے ایک ایسا محل تعمیر کیا جسکے آستانہ پر میں نے آسمان کا سر
جھکا ہوا دیکھا

نام او عرصہ زمین بگرفت
فکر او چیرہ بر زمان دیدم
میں نے دیکھا کہ اسکا نام دنیا کی وسعت پر چھا گیا ہے اسکے افکار
نے زمانے کو فتح کر لیا ہے

فرخا کاروان وو نہضت شرق ،،
کہ ورا میر کاروان دیدم
مشرق کی تحریک کے کاروان کو مبارک ہو کہ میں نے اقبال کو اسکا
میر کاروان دیکھا ہے

در تعلیم آسمانی او

سعی و پرهیز توامان دیدم
اسکی آسمانی تعلیم میں میں نے کوشش اور پرهیز گاری کا امتزاج دیکھا
عقل را پیشوای عزم و عمل
عشق را رہنمای جان دیدم
میں نے وہاں عقل کو عزم اور عمل کے پیشوا کی حیثیت سے اور
عشق کو روح کا راہنما دیکھا

بر بشر چوں پدر بفرزندش
نیک اندیش و مہربان دیدم
اقبال بشر کے لئے ایسا مہربان اور بھلائی کا خواہاں ہے جیسے کہ
باپ اپنے بیٹے کا

از دہا و نبوغ بی مانند
در سخنہائے او نشان دیدم
میں نے بے نظیر دانش اور نبوغ (Genius) کا اس کے اشعار میں
نشان دیکھا ہے

جلوہ قدس و آیت اعجاز
در ”زبور عجم“، عیان دیدم
میں نے اسکی ”زبور عجم“، میں جلوہ قدس اور آیت اعجاز دیکھے ہیں
دست موسیٰش در طلیعہ فکر
دم عیسیٰش در بیان دیدم
اس کے افکار کا طلوع موسی کے ہاتھ کی طرح اور اسکا بیان مجھے عیسی
کا دم نظر آیا

این مبارز دمی ز پا نشست
تاش پیروز و کامران دیدم
اس جنگجو نے ایک لمحے کے لئے بھی دم نہیں لیا جیتک کہ میں نے
اسکو فاتح اور کامیاب دیکھ نہ لیا

کشورش را یمن همت او
از بد دهر در امان دیدم
اسکی ہمت کی برکت سے اسکے ملک کو میں نے زمانے کی برائیوں سے
امان میں دیکھا ہے

خاک لاهور را به اقبالش
برمه و هور سر گران دیدم
میں نے لاہور کی خاک کو جسمیں اقبال مدفون ہے چاند اور سورج سے
زیادہ گران مایہ دیکھا ہے



دودمانی است خاور و او را
سر و سالار دودمان دیدم
مشرق ایک خاندان کے مانند ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ
اس خاندان کا سر پرست ہے

بوستانی است خاور و اورا
سرو آزاد بوستان دیدم
مشرق ایک بوستان ہے جسمیں میں نے اسے اس بوستان کا سرو آزاد
دیکھا

مجد اسلام و رستگاری شرق
در جہان اینش آرمان دیدم
میں نے دیکھا کہ دنیا میں اسکا ارمان و آرزو اسلام کی عظمت اور
مشرق کی آزادی ہے

شرق را زد صلائی استقلال
رستخیزی پیا از آن دیدم
اسنے مشرق کو آزادی کی تلقین کی اور میلاد بیدنے اسمیں انقاری برپا
دیکھا ہے

در تکا پو براہ آزادی
خنک عزمش بزیں ران دیدم
آزادی کی راہ میں دوڑ دھوپ کے لئے میں نے ہمیشہ اسکو عزم کے
گھوڑے پر سوار دیکھا ہے

تا یا بر معرفت بر نفس خوش
وہ نہاید نفس تو گوی بہ بناس
اگر تو اپنے نفس سے آشنا نہیں ہو گا تیری زندگی ایک ذمہ ہی آگے
بہ بردہ سکے گی

ہر گد نفس خوبشمن تسخیر کرد
بیتواند چارہ تقدیر کرد
وہ جس نے اپنے نفس کو تسخیر کر لیا تقدیر بر قابو نہ آکتا ہے

لن ترانی چند در طور خودی
رو خدا بین باش با نور خودی
”خودی“ کے طور پر کہتے ہیں ترانی، سنید
جاؤ نور خدا سے خدا کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا کرو

کز خودی باشد جہان را رنگ و بو
وز خودی باشند تجلی های هو
جہان کا رنگ و بو خودی کی بدولت ہے اور عالم ہو کی تجلیاں بھی
خودی ہی کا جلوہ ہیں

زندگی یعنی دما دم خواستن
نز قناعت بپسنگی خواستن
زندگی کیا ہے؟ مسکنہ آرزو مند رہنا نہ کہ فزاع بیتہ ہرنا اور
آرزو کو کم کرنا

اقتباس اشعار آقای احمد گلچیں معانی

(گلچیں معانی ایران کے ادبی حلقوں میں غیر معمولی شہرت رکھنے والے ہیں۔ اور ان کا کلام ملک کے تمام بلند معیار مجلات میں چھپتا ہے۔)

رباعی

تا چند ز خویشتن جدائی کردن
در کار وجود سست رائی کردن
ز اقبال شنو کہ گفت خود را بشناس
کز راه خودی توان خدائی کردن
تو کب تک اپنے آپ سے جدا رہے گا اور زندگانی کے کاموں میں سستی
کریگا
سنو اقبال کہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہچانو کیونکہ و خودی،
کی راہ سے ہم خدائی پر تسلط پیدا کر سکتے ہیں

مثنوی

بشنو از آن فیلسوف پاکزاد
مونوی ثانی آن اقبال راد
اس پاک زاد فلسفی و رومی ثانی، اقبال عظیم المرتبت کی بات سنو
کز خودی دارد جہان نام و نشان
جز خودی چیزی نباید در جہان
کہ دنیا کا نام و نشان و خودی، کی بدولت ہے خودی کے بغیر کوئی
چیز جہاں میں باقی نہیں رہ سکتی

مقصد از خود جوی و راہ از خویشتن
و آنچه می خواہی بخواہ از خویشتن
اپنا مقصد اور اپنا راستہ خود تلاش کر جس چیز کی تجھے ضرورت ہے
اپنے آپ سے طلب کر

در بلا بگیریز و خود را رنجه کن
با حوادث پنجه اندر پنجه کن
مصیبت اور بلا میں کود پڑ اور تکلیف اٹھا حوادث کے ساتھ جنگ
شروع کر دے

از بلا ہا پختہ تر گردد خودی
تا خدا را پرده در گردد خودی (۱)
و خودی ، بلا و مصیبت سے زیادہ مضبوط ہو جاتی ہے اور خودی اسی
طرح خدا کے اسرار کو آشکار کر دیتی ہے

سر ہستی عشق دان و آرزو
کادسی خود نیز صورت بست ازو
زندگی کا راز عشق اور آرزو ہے اور انسان کی شکل بھی اسی سے وجود
میں آئی ہے

از محبت کن خودی را زندہ تر
زندہ تر ، تابندہ تر ، سوزندہ تر
عشق کے ذریعے خودی کو زندہ کر دے تاکہ وہ زندہ تر ، تابندہ تر
اور سوزندہ تر ہو جائے

آرزو کن کارزو مقصود جوست
درجہان عقل و خرد مخلوق اوست
آرزو کرو کیونکہ آرزو سے مقصد حاصل ہوتا ہے دنیا میں عقل اور
خرد آرزو ہی سے وجود میں آتی ہے

آرزو مندی ترا بخشد حیات
ترک عشق و آرزو یعنی ممات
تیری آرزو مندی تجھے زندگی بخشتی ہے عشق اور آرزو کا ترک کرنا
موت کے مترادف ہے

تنگ بگرفتن جہاں را چون قفس
شیوہ اقوام مغلوبست و بسی
جہاں کو ایک قفس کی طرح سے خیال کرنا صرف مغلوب قوموں کا
شیوہ ہے

بال و پر بگشای و در پرواز باش
چون ہزار آوا بلند آواز باش
اپنے بال و پر کھول اور پرواز کر تیری آواز ہزار صداوں کے برابر ہونی
چاہئے

گر نخواہی تا خودی گردد حقیر
خود مشوز احسان کس منت پذیر
اگر تو اپنی خودی کو حقیر بنانا نہیں چاہتا تو کسی کا احسان اور
منت مت اٹھا

از قصیدہ آقای علی خدائی

(آقای علی خدائی محکمہ تعلیم کے رکن ہیں اور زاہدان میں مقیم
ہیں آپ کو اقبال سے بہت گہری عقیدت ہے)

زہی بزرگ ہنر ور محمد اقبال
سپہر زہد ورع سہر برج فضل و کمال
عالی مقام صاحب ہنر محمد اقبال پر آفریں وہ زہد و ورع اور فضل و کمال
میں آسمان کا مرتبہ رکھتا ہے

چکامہ ساز دری فیلسوف پاکستان
کہ پس حقائق تفصیل راندہ در اجمال
وہ فلسفی پاکستان جس نے فارسی اشعار لکھے اور اختصار کے باوجود
حقائق کو منصل بیان کیا

حکیم با خرد و نکته سنج معنی باب
کہ بہر مہن خود ریخت شرح استقلال
وہ حکیم دانا اور معانی نو پائینے والا نکته سنج ہے جس نے اپنے وطن
کے لئے آزادی کی بنیاد رینی

یکی مروج اسلام در ادای کلام
یکی مبین احکام از بیان مثال
ایک تو اسنے اپنے کلام کے ذریعے اسلام کی تبلیغ کی اور دوسرا اسنے
مثالوں کے ذریعہ احکام اسلام کی تائید کی۔

اس حدیث نغزو جاویدانی است
فلسفہ اقبال پاکستانی است
یہ نہایت عالی اور جاویدان بات ہے اور نہ ہی اقبال پاکستانی کا فلسفہ ہے

* * *
* *
*

نوٹ

این بیت از علامہ اقبال طاب ثراہ است۔

علو باز پذیرفت و جلوہ طاؤس
بیوم خویش هما وار سایہ داد از بال
اسنے باز کی بلندی اور طاؤس کی زیبائی قبول کی اور اسنے اپنے وطن پر
اپنا سایہ هما کی طرح ڈالا

ہزار سالہ سیر کواکبش پرورد
ولی نظیر نیاردش در ہزاراں سال
ستاروں کی ہزار سالہ گردش نے اسے پرورش کیا لیکن اسکی نظیر
ہزاروں سالوں میں بھی نہیں ملے گی

زبان امیش از ہند و پہلویش سخن
بسی جمیل تعالٰہ از کمال و جمال
اسکی مادری زبان تو ہند سے تھی مگر اسنے فارسی میں شعر لکھے۔
سبحان اللہ کمال اور جمال کے لحاظ سے اسمیں کتنی زیبائی ہے

معانیش بہ بیان بدیع زیور بخش
مطالبش بطراز عجیب ژرف سگال
اسکی معافی نادر طرز بیان سے آراستہ ہیں اسکے موضوعات نہایت خوبی
اور گہرائی اپنے اندر رکھتے ہیں

ہمہ مقالش دلکش ہمہ کلامش خوش
زہی خجستہ کلام و زہی گزیدہ مقال
اسکی تمام باتیں دلکش اور اسکا کلام پسندیدہ ہے آفریں ایسے مبارک
کلام اور ایسے منتخب اشعار پر



ہر آنچہ رفت طریق نبی علیہ سلام
ہر آنچہ گفت پی کردگار جل جلال
جس راستے پر وہ چلا نبی علیہ السلام کا راستہ ہے اور جو کچھ اسنے
کہا وہ خداوند تعالیٰ کے لئے ہے

محمد است بنام ستودہ با کردار
ستودہ کار سپارد رہ محمد آل
اسکا نام محمد ہے اور اسکے اعمال اچھے ہیں اچھے اعمال والا ہی آل محمد
کے نقش قدم پر چلتا ہے

چو بنگری کتبش سر بسر ہدایت قوم
جمل عبارت از حرف حرف در دلال
اگر اسکی کتابوں کو دیکھو تو وہ سراسر قوم کی ہدایت کے لئے ہیں
اسکا ایک ایک حرف اور جملے اسپر دلالت کرتے ہیں

کتابت است و یا انسجام ما معین
کنایت است و یا اقتناء آب زلال
اسکی تحریر چشمہ صافی کی طرح رواں ہے اسکے کنائے صاف پانی کی
طرح وجود میں آتے ہیں

سپرد شرح حقیقت گسست راہ مجاز
دریں زمینہ بیا کرد روشن استدلال
اسنے حقیقی شرح اختیار کی اور مجاز کا راستہ چھوڑ دیا اور اس موضوع پر
اس نے واضح دلائل پیش کئے

۳۳۵

شگفت چامہ سرائی پیارسی دری
کہ شد تصور آن عقل را خیال محال
اسنے فارسی میں ایسے عجیب شعر کہے کہ اسکا تصور بھی عقل اور
خیال کے لئے مشکل ہے

اگر بجانب بنگال قند پارس گذشت
زوی پیارس همان قند آمد از بنگال
اگر قند پارس بنگال کی طرف گئی تو وہاں سے وہی قند بنگال سے پارس
کو پہنچی

یگنہ طوطی از بوم ہند شکر ریخت
کہ باز بلبل گلزار فارس یافت نوال
ہندوستان کے بے مثل طوطی نے شکر ریزی کی اور دوبارہ گلزار فارس کے
بلبل کو اسکا تحفہ میسر ہوا

چنیں بجاست بجا گر ہمی نہند آثار
چنیں سزاست قیام ار ہمی کنند رجال
اگر سب لوگ ایسی ہی کتابیں لکھیں تو بجا ہے اور اگر لوگ ایسا
ہی قیام کریں تو جائز ہے

دہان بند خدائی ز بحث و فحص کہ ہست
پی مدیحہ اقبال نفس ناطقہ لال
اے خدائی اس بحث سے اپنے منہ کو بند کر لے اقبال کی تعریف میں
قوت گوہائی گنگ ہو گئی ہے

عمل نماید جز شبوہ نوابغ نیست
سخن سراید نبود بغير سحر حلال
اسکا عمل سراسر نابغه شخصیتوں کے مانند ہے وہ شعر کہتا ہے جو
سراسر سحر حلال ہے

بنات فکرت وی دل برند بی زینت
عروس خاطر وی بی نیاز غنچ و دلال
اسکے تخیل کی تولید دوشیزائیں بغیر کسی آرایش کے دل کو کھینچ
لیتی ہیں اسکی عروس خیال کو ناز و نخرے کی حاجت نہیں
بضد سلطہ بیگنہ قائم آمد و کرد
جناح از پی وی نیک حسن استقبال
خارجی حکمرانوں کے تسلط کے خلاف اسنے قیام کیا جناح نے اسکا خوب
حسن استقبال کیا

شدند یک ششم گیتی از دشم زندہ
خوشا محمد موسی کف و مسیح مثال
دنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ (یعنی مسلمان) اسکے دم سے زندہ ہوا
آفریں اس مثل مسیح اور موسی جیسے ہاتھ والے محمد پر
بجای یوغ اسارت بگردن ملت
نهاد منت آزادی احسن الابدال
غلامی کی کمند کے بجائے اسنے ملت کی گردن پر آزادی کا احسان رکھا

برد اگر رنجی در آخر کرد گنجی در کنار
رنج بہر گنج بردن شیوہ مردان بود
اگر چہ اسنے رنج اٹھایا آخر کار اسنے گنج حاصل کر لیا گنج کے لئے
رنج اٹھانا مردوں کا شیوہ ہے

کشوری شد مستقل وان پرچی کافرشت او
از کراچی تا بکشمیر اینزماں جنبان بود
ملک آزاد ہو گیا اور جو پرچم اسنے بلند کیا وہ کراچی سے کشمیر تک
لہرا رہا ہے

اولین کشور کہ استقلال پاکستان شناخت
مہد دانش یار دیرین کشور ایران بود
وہ ملک جسنے سب سے پہلے پاکستان کی آزاد حکومت کو تسلیم
کیا علم و دانش قدیم کا گہوارہ یعنی کشور ایران تھا
مرز مصنوعی دو ملت را کجا سازد جدا
چوں نژاد و دین و فرهنگ و ادب یکساں بود
مصنوعی حدین ان دو ملتوں کو جدا نہیں کر سکتیں کیونکہ انکی
نژاد ، ان کا دین و تمدن و ادب ایک ہے

حاجب و دربان برای مردم پیگنہ است
کی برای آشنایان حاجب و دربان بود
دربان اور چوکی دار بیگنہ لوگوں کے لئے ہوتے ہیں دوستوں کے لئے
۔ حاجب اور دربان نہیں رکھے جاتے

از قصیدہ آقای رجائی

آقای رجائی وزارت تعلیم کے انتظامی امور کے افسر تھے اور وزیر تعلیم
وقت کے ایما سے انہوں نے ایک قصیدہ لکھا اور ۱۹۵۳ میں یوم اقبال
کے موقع پر وزارت تعلیم کی نمائندگی کرتے ہوئے پڑھا
تا زبانی و حقیقت در جہاں عنوان بود
جاوداں اندر جہاں عنوان پاکستان بود
جب تک پاکی اور حقیقت کا جہان میں نام ہے پاکستان کا نام دنیا میں
جاوداں رہے گا

گفت دانا اسمہا از آسماں آید فرود
مرد دانا را سخن با حجت و برہان بود
داناؤں نے کہا ہے کہ نام آسمان سے نازل ہوتے ہیں اور داناؤں کی بات
حجت اور دلیل پر مبنی ہوتی ہے

کشوری پاکیزہ، خلقی پاک دین و پاکدل
نام پاکستان بدو از جانب یزدان بود
ملک پاک ہے اور لوگوں کا اخلاق اور انکے دل پاک ہیں اسلئے
پاکستان کا نام خدا کی طرف سے ملا ہے

نیک بنگر مرد صاحب ہمتی ہمچوں جناح
آن کہ روحش جاوداں در روضہ رضوان بود
جناح ایسے صاحب ہمت انسان کو دیکھو وہ جناح جسکی روح جنت
میں ہمیشہ کے لئے موجود رہے گی

گر شماری شاعران را افتخار شاعران
ور ز استادان سخن گوئی ز استادان بود
اگر اسکو شاعر خیال کرو تو وہ شاعروں کے لئے باعث افتخار ہے اگر
استادوں کا ذکر کرو تو وہ استادان فن میں سے ہے

کیست اقبال آن کہ رہ زی مشرب مقصود بود
وز عطایش جرعه ای در ساغر رندان بود
اقبال کون ہے؟ وہ جس نے اس مشرب کا مقصود پالیا اسکی عطا کی ہوئی
شراب سے رندوں کے ساغر میں جرعه سے موجود ہے

ساحل افتادہ را کی نام ہستی درخور است
نام ہستی موج را زیبد کہ در جولان بود
گرے ہوئے ساحل کو ہستی کا نام دینا مناسب نہیں ہستی کا نام
موج کو زیب دیتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ جولانی میں ہے

آرزو و جستجو و ہمت و شوق و ثبات
مبداء خوشبختی و سرمایہ انسان بود
آرزو، جستجو، ہمت و شوق اور ثبات عزم انسان کی خوش بختی اور انسان
کا سرمایہ ہیں

بہر دونان منت دونان مبر گوید حکیم
جان سپردن سہل تر از منت دو نان بود
دانا نے کہا ہے کہ دو ٹکڑے روٹی کے لئے کمینوں کا احسان مت
اٹھا کمینے لوگوں کا احسان اٹھانے سے تو جان دے دینا بہتر ہے

از نژاد آریا ہستیم و باشد قرن ہا
کز وفا و مہر بین قلب ما پیمان بود
ہم آریائی نژاد سے ہیں اور صدیوں سے ہمارے دلوں کے درمیان وفا
اور محبت کا پیمان قائم ہے

دین اسلام آمد و پیوند ما شد سخت تر
چوں مسلمان با مسلمان باید از اخوان بود
اسکے بعد دین اسلام آیا اور ہمارا پیوند مضبوط تر ہو گیا کیونکہ
مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے

یکسر مو نیست در فرهنگ ما ہم اختلاف
فارسی در فارس رایج ہم چو پاکستان بود
ہمارے تمدن و فرهنگ میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں، فارسی فارس میں
ایسے ہی رائج ہے جیسے پاکستان میں

پارسی گویان لاہوری ندیدی روح بخش
تا نگوئی کاین کرامت خاص بر ترکان بود
کیا تو نے لاہور کے فارسی گو نہیں دیکھے؟ کہیں یہ خیال نہ کرنا کہ
فارسی گوئی صرف ترکوں پر ہی منحصر ہے

اندرین دعوی مرا و خلق را اقبال بس
ہر کرا اقبال باشد کوکبش تابان بود
اس دعوے کا ثبوت میرے اور دوسرے لوگوں کے لئے اقبال کافی ہے
جسکا اقبال یاور ہو اسکا ستارہ تابان ہوتا ہے

۳۴۱

خرم آن مردی کہ وقت زیستن آنسان زید
وز پس مرگش بگیتی نام او اینسان بود
مبارک ہے وہ مرد جو زندگی ،، اسطرح،، گذارے اور مرنے کے بعد
اسکا نام دنیا میں ،، اسطرح،، باقی رہے

مردم دانا و نادان را رجائی فرق چیست
مرد دانا باقی و فانی همی نادان بود
ای رجائی داناؤں اور نادانوں میں کیا فرق ہے یہی کہ مرد دانا باقی
رہتا ہے اور نادان فانی ہوتا ہے

* * *
* *
*

من غلام همت آن تشنه ام کاندر تموز
آب نستاند ز خضر ار منتی در آن بود
میں اس پیاسے کی حکمت کا غلام ہوں جو تپش میں بھی احسان کے
طور پر خضر سے بھی پانی قبول نہ کرے

گوید اقبال از ز اسرار خودی آگہ شدی
از رموز بیخودی جان و دلت رخشان بود
اقبال کہتا ہے کہ اگر تو اسرار خودی سے آشنا ہو گیا تو تیرے
دل و جان رموز بیخودی سے روشن ہو جائینگے

یعنی اول خویش را بشناس وانگہ محوشو
اندر آن ملت کہ تار و پودش از ایمان بود
یعنی پہلے اپنے آپ کو پہچانو پھر محو ہو جاؤ اس ملت میں جسکی
تار و پود ایمان سے ہے

کیست ملت هر که جزو فرقه اسلامی است
وان کسی کابشخورش از چشمهٔ قران بود
ملت کیا ہے وہ جو اسلام میں شامل ہے وہ لوگ جو قرآن کے چشمے سے
سیراب ہوتے ہیں

بود سر مشق عمل اقبال و روحش شاد باد
آنکہ آثارش جهان تا هست جاویدان بود
اقبال عمل پر زرو دیتا ہے اسکی روح شاد رہے جب تک دنیا ہے اسکے
آثار ہمیشہ زندہ رہیں گے

بی شک بدرو فتنہٗ عصر روان ازو
آگاہ تری بہ مسلک قرآن ندیدہ ام
عصر روان کے فتنے کے متعلق میں نے مسلک قرآن سے کوئی شخص اس
سے زیادہ آگاہ تر نہیں دیکھا

شعری کہ شاعرش نبود پارسی زبان
ایسان روان چو چشمہٗ حیوان ندیدہ ام
میں نے کوئی ایسا شعر جو چشمہ حیوان کی طرح روان ہو نہیں دیکھا
جو کسی غیر فارسی زبان نے کہا ہو

چون شعرا و کہ کان امیداست و عشق و وجد
ہم بہر نفس چون غل و زندان ندیدہ ام
اسکے اشعار امید، عشق اور وجد کی کان ہیں اور انسانی نفس کے لئے زنجیر و
زندان کا کام دیتے ہیں

اندرز اوست توام با عقل و نقل و علم
گفتار بکرو نغز بدینسان ندیدہ ام
اسکی نصیحت عقل و نقل اور علم کیساتھ آمیختہ ہے اور ایسی طبع زاد اور
خوبصورت گفتار میں نے نہیں دیکھی

گوید برو بکوش تو بر طبق شرع و عقل
مومن اسیر ظلم و تن آسان ندیدہ ام
کہتا ہے کہ جاو اور شرع و عقل کے مطابق جدوجہد کرو کیوں کہ میں نے
کبھی کسی مومن کو ظلم کے پنجے میں گرفتار اور تن آسان نہیں دیکھا

از قصیدہ آقای منوچہر طالقانی

آقای منوچہر طالقانی تہران کے نوجوان اور خوش قریحہ شعرا میں معروف ہیں اور فرانسیسی کے علاوہ عربی زبان اور ادبیات سے بخوبی آشنا ہیں۔ طالقانی نے اقبال کی بعض نظموں کے جواب میں اشعار کہے ہیں ذیل کے قصیدہ میں شاعر نے اقبال سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

یک عمر من بہار بدینسان ندیدہ ام
این خرمی بیاغ و گلستان ندیدہ ام
ایک عمر سے میں نے ایسی شاندار بہار نہیں دیکھی
نہ ہی ایسی خرمی اور مسرت اس سے پہلے کبھی مجھے باغ و گلستان میں
نظر آئی

چون طبع با طراوت اقبال در جہان
فصل بہار پر گل و ریحان ندیدہ ام
اقبال کی با طراوت طبع سے مشابہت اور برابری رکھنے والی
گل و ریحان سے پر فصل بہار میں نے کبھی نہیں دیکھی
من بلبل چنوں کہ جہانی کند چنیں
سر مست جاودانہ بالحاں ندیدہ ام
میں نے جاودانہ مستی میں نغمہ سرا کوئی ایسا بلبل نہیں دیکھا جو ایک دنیا
کو بدل دے

من عارفی و عالمی و سائسی بزرگ
چون حضرتش بعرصہ دوران ندیدہ ام
میں نے زمانے میں اس جیسا عظیم عارف، عالم اور سیاستمدار نہیں دیکھا

آگاہ شو ز خویش و بہ تجرید نفس کوش
حرمان و یاس بہر مسلمان ندیدہ ام
تم خود سے آگاہ ہو جاؤ اور اپنے نفس کے تزکیہ کے لئے سعی کرو مسلمان مرد
کیلئے میں نے حرمان اور نا امیدی نہیں دیکھی
گفتار حذر ز تفرقہ مسلمین کز آن
حاصل بجز فلاکت و خسران ندیدہ ام
اس نے کہا کہ فرقہ پرستی سے دور رہو اے مسلمانو کہ میں نے اسکا
نتیجہ سوائے فلاکت اور نقصان کچھ نہیں دیکھا
درد نفاق مہلک ہر اجتماع دان
جز اتحاد چارۂ و درمان ندیدہ ام
نفاق کو ہر اجتماع کے لئے ایک مہلک بیماری سمجھو سوائے اتحاد کے میں نے
اور کوئی علاج نہیں دیکھا
از بہر عز قدرت و آسایش شما
بہتر ازین وسیلہ آسان ندیدہ ام
آپ کی عزت طاقت اور آسایش کے لئے میں نے اس سے آسان تر اور بہتر
وسیلہ نہیں دیکھا
ای استاد حکمت و ای کوکب دری
شمسی چو شمع پاک تو رخسان ندیدہ ام
اے استاد حکمت اور اے فارسی زبان کے ستارے! میں نے ایسا کوئی شمس
نہیں دیکھا جو تمہاری شمع سے زیادہ روشن ہو

نسبت دھند ذلت و بیچارگی بدین
این حرف جز کہ تہمت و بہتان ندیدہ ام
دین کو ذلت اور بیچارگی سے نسبت دی جاتی ہے اور یہ بات سوائے تہمت
اور بہتان کے کچھ نہیں

از بہر رستگاری انسان بروزگار
بہتر ز دین و قدرت ایمان ندیدہ ام
میں نے اس روزگار میں انسان کی رستگاری کے لئے دین اور قوت ایمان سے
بہتر کوئی وسیلہ نہیں دیکھا

فقر آن بود کہ قدرت و قوت دھد بمرد
مومن ذلیل و در خم چو گان ندیدہ ام
فقر وہ ہے جو مرد کو طاقت اور قوت بخشے میں نے مومن کو ذلیل اور
چوگان کی گیند کی طرح بے بس نہیں دیکھا

گوید کہ سعی و عشق و هدف سیر ارتقا ست
بی این سہ غیر پیکری بے جان ندیدہ ام
اقبال کہتا ہے کہ سعی و عشق اور هدف انسانی ارتقا کے راز ہیں میں نے
ان تینوں کی غیر موجودگی میں سوائے ایک بے جان جسم کے اور کچھ نہیں
دیکھا

گوید توئی تو عالم اکبر بخود نگر
جام جہانمائی بہ از آن ندیدہ ام
اقبال کہتا ہے تمہیں ہو جو کچھ بھی ہو خود کو عالم اکبر دیکھ اور
میں نے اپنے وجود سے بہتر کوئی جام جہاں نما نہیں دیکھا

بی شک ز مردمان جہان هیچ کس از او
مشتاق تر بملت ایران ندیدہ ام
بے شک میں نے دنیا کے لوگوں میں سے کسی کو بھی ملت ایران سے
اتنی محبت رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا

مہرشی بما بین کہ جنیوای اہل شرق
گوید بہ از مدینہ تہران ندیدہ ام
اسکی محبت کی حد دیکھ کہ وہ مشرق کے جنیوا کے لئے تہران سے مناسب تر
اور کوئی شہر نہیں پاتا

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
فقدان برای عاشق یزدان ندیدہ ام
جسکا دل عشق سے زندہ ہو وہ کبھی نہیں مرتا میں نے یزدان کے عاشق کے لئے
موت کبھی نہیں دیکھی

ہاں طالقانی نتوانی تو مدحتش
کز زره درک مہر درخشان ندیدہ ام
ہاں اے طالقانی تم اس کی مدح نہیں کر سکتے کیونکہ زره کو مہر کی قدر
دانی کرتے ہیں نے نہیں دیکھا



بر خیز و اشک خویش بیش بر ثمر رسید
لعلی کہ مثل آن با بدخشان ندیدہ ام
اٹھ اور اپنے آنسوؤں کو دیکھ جنہوں نے اب پھل دیا ہے میں نے ایسا
لعل بدخشان میں بھی نہیں دیکھا

آن لعل و پاک کشور پاکی کہ بہ از آن
قدرت برای خلق مسلمان ندیدہ ام
وہ پاک لعل اور پاک مملکت کہ اس سے بہتر میں نے مسلمانوں کے لئے
اور کوئی طاقت نہیں دیکھی

پایندہ باد کشور پاکان کہ کشوری
اینسان محب کشور ایران ندیدہ ام
کشور پاکان پایندہ باد کیونکہ میں نے کوئی ایسا ملک نہیں دیکھا جس سے
ایران کو اتنی محبت ہو

جاوید آن دیار کہ از مردمش بجز
مہر و صفا و پاکی و ایمان ندیدہ ام
وہ دیار جاوید رہے کیونکہ وہاں کے لوگوں سے سوائے مہر و صفا و پاکی
و ایمان کے میں نے کچھ نہیں دیکھا

اقبال کشوریست کہ اقبال آورد
وان جز برای کشور پاکان ندیدہ ام
وہ ملک اقبال مند ہے جہاں اقبال پیدا ہوا اور یہ اقبال میں نے کشور
پاکان میں ہی دیکھا ہے



جناب آقای حسین عملا



جناب آقای سید سہیل زاہدی



جناب آقای ڈاکٹر محمد مصطفیٰ

ایران کے وزراء اعظم کے پیغام

پیام جناب آقای حسین علا وزیر اعظم ایران

سب سے پہلے ایران کے جس وزیر اعظم نے یوم اقبال کے موقع پر اپنی طرف سے خاص پیغام بھیجا آقای حسین علا ہیں یہ پیغام انہوں نے ۱۹۵۰ء کے یوم اقبال کے موقع پر دیا فرماتے ہیں۔ ”میرے لئے نہایت خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ مجھے اس جلسے میں جو شاعر مشرق علامہ اقبال کی یاد میں برپا ہے۔ شرکت کرنے کا موقع ملا ہے اسکی گرانبھا خدمت اور قیمتی اور جاویدان تصنیفات پاکستان اور ہندوستان میں زبان زد خلق ہیں اور انکو ایران کے ادب دوست اشخاص میں شہرت حاصل ہے۔ اقبال کی یہ خدمات ہرگز فراموش نہ ہونگی۔ مرحوم اقبال نور محمد کے فرزند تھے اور اپنے عالی تفکر اور عظیم الشان اور تابناک روح کی بدولت اسنے اپنے باپ کے نام کی نسبت سے نور محمد کی مشعل حال ہاتھ میں لی اور اپنے ہمہ گیر مقاصد اور معانی کو اپنے اشعار کے ذریعہ عالم اسلام اور مسلمانان ہند و پاکستان تک

برای اینجانب موجب نہایت خوشوقتی و مسرت است کہ در جشن یاد بود علامہ شہیر و شاعر توانای شرق مرحوم دکتر محمد اقبال شرکت میکنم۔ خدمات ’گرانبھا و اثرات ذقیمت و جاویدانیکہ این دانشمند بزرگ از خود بر جای گذارده در میان میلیونہا نفوس پاکستان و ہند نیز مردم ادب دوست ایران معروف است و ہرگز فراموش شدنی نخواہد بود۔ مرحوم اقبال فرزند نور محمد با فکر و روح بزرگ و تابناکی کہ داشت همچو نام پدرش مشعلی از نور محمدی بدست گرفت و بعالم اسلام و مسلمانان قارہ ہند و پاکستان با اشاعہ آنہمہ مقاصد و معانی بلند کہ در اشعار خود گنجینہ بسیار خدمت کرد و در راہ وحدت مسلمانان زحمات بیشمار کشید۔ اقبال در دانشگاهہای اروپا علوم

بہنچایا اور مسلمانوں میں وحدت پیدا کرنے کے لئے بہت رنج اٹھایا۔
اقبال نے یورپ کی یونیورسٹیوں میں علوم فلسفہ اور حکمت کا دقیق
مطالعہ کیا اور اسمیں مہارت حاصل کی۔ اپنے وطن کو واپسی کے وقت تک
اسنے مشرق علم عرفان اور ادبیات کا مطالعہ کرنیکے بعد اپنے لئے سر زمین
مشرق کے درخشاں ترین ستاروں کے دوش بدوش مقام حاصل کر لیا۔ اقبال
نے مغرب کے علم و حکمت اور مشرق کے علم و عرفان میں یگانگت اور
ارتباط پیدا کیا جیسا کہ انھوں نے خود فرمایا ہے۔

خرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظران
یعنی فرنگ کے فلاسفہ کی تعلیم سے میری سمجھ میں ترقی ہوئی۔ اور صاحب
نظروں کی صحبت سے میرے سینے میں روشنی پیدا ہوئی۔
ایرانیوں کے لئے یہ امر بہت قابل توجہ اور عز و افتخار کا موجب ہے کہ
اقبال نے اپنے افکار و خیالات کے بیان کے لئے فارسی زبان کو انتخاب کیا اور
اسکی چھ کتابیں فارسی زبان میں ہیں۔ ایک جگہ اقبال فرماتے ہیں :-
گرچہ ہندی در عذوبت شکر است
طرز گفتار دری شیرین تراست

فلسفہ و حکمت را بنیکی بیا موخت و از اساتید این فن شد و بہنگام باز گشت
بوطن باموختن و تکمیل ادبیات و عرفان شرق خود را در ردیف درخشاں ترین
ستارگان آسمان مشرق قرار داد و علم و حکمت مغرب را با عشق و عرفان مشرق
بیکجا درہم آمیخت چنانکہ خود میفرماید: فرد افزود مرا درس حکیمان فرنگ
و برای ایرانیان بسیار جالب توجہ قابل تجلیل و نکریم است کہ اقبال برای
نشر آثار و عقاید خود زبان فارسی را برگزیدہ و در حدود شش رسالہ خود را
بفارسی منظوم داشتہ و در یکجا میفرماید: گرچہ ہندی در عذوبت شکر است

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

جب ہم اس بات کو دیکھتے ہیں کہ اقبال کی مادری اور ملکی زبان اردو تھی اور اس نے ایسے استادوں سے تعلیم پائی جنکی مادری زبان فارسی نہیں تھی اور اسکی فارسی زبان سے واقفیت صرف شاعروں اور انشا پردازوں کے مطالعہ کا نتیجہ تھی اور اس کے علاوہ یہ کہ اس نے ایران میں قدم تک نہیں رکھا اور اس کے باوجود اسکو اسقدر عشق و محبت فارسی زبان سے تھی تو تمام ایرانی اقبال کے نہایت ممنون محسوس کرتے ہیں۔ اگرچہ اقبال نے اپنی زندگی میں اس ملک میں (جس سے اسکو اتنی محبت تھی) قدم نہیں رکھا آج اسکی باعظمت روح اس کے تفکر کا نور اور اس کے دل کی روشنی ایران میں جلوہ گر اور درخشاں ہے اور وہ آسمان کی بلندی سے اس جلسہ کو جو ایرانیوں اور پاکستانیوں کے باہمی محبت اور دوستی کا مظہر ہے ذوق و شوق سے دیکھ رہی ہے۔ اور اسکی آرزو یہ ہے کہ یہ برادری اور دوستی کا رشتہ کلچرل اقتصادی مادی اور معنوی امور میں مضبوط تر اور پائدار تر

و یا توجہ با ین مطلب کہ اقبال دانشمندی بودہ است کہ زبان مادری و کشوری او اردو بودہ و نزد استادانی کہ فارسی زبان نہ بودہ اند درس خواندہ و تنہا آشنائی او با زبان فارسی از راہ کتب شعراء و نویسندگان بودہ و ہر گز پا بایران نگذاشتہ است اینہمہ علاقہ و توجہ بزبان فارسی داشتہ برای ایرانیان نہایت موجب تشکر و امتنان می باشد و اکنون جائی خوشوقتی و مسرت است کہ اگر اقبال در زندگی خود بسر زمینی کہ اینہمہ بآن عشق میوزیدہ پا ننہاد اینک روح بزرگ و نور فکر و روشنی دل او درکشور ایران تابندہ و جلوہ گر است و از فراز آسمان بمجاسی کہ روح و داد و برادری ایران و پاکستان تشکیل دہندہ آست با ذوق و شوق مینگرد و آرزو میکند کہ این رشتہ دوستی و برادری در جمیع امور فرہنگی و اقتصادی و مادی و معنوی ہر روز محکمتر و با

”واگرچہ ہندی زبان شکر کے مانند ہے۔ فارسی زبان شیریں تر ہے۔“۔
اس ضمن میں اقبال کی ایرانی ادبیات اور شعرا عرفانی کے ساتھ عشق اور رابطہ
کہیں زیادہ ہے اور اس نے مولانا جلال الدین بلخی کو اپنا مرشد اور
پیشوا انتخاب کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ ای رمز آشنای روم و تبریز است
و مجھے دیکھو کیونکہ میرے بغیر ہندوستان میں اور ایسا کوئی نہیں
ملیگا۔ بھی برہمن زادہ (یعنی خود اقبال) روم و تبریز کے اشاروں سے آشنا
ہے۔۔

اقبال کے نزدیک مولوی (رومی) ہے جو زندگی اور موت کے معنوں سے
واقف ہے۔ فرماتے ہیں:۔

مرشد رومی حکیم پاکزاد
سرمرگ و زندگی برمن کشاد
”اس پاک زاد حکیم مرشد رومی نے موت اور زندگی کا راز مجھ پر
آشکار کیا،“

اقبال در زمینه علاقہ و توجہ ادب و شعرا عرفانی ایرانی از این بیشتر
رفتہ و مولانا جلال الدین بلخی را بمر شدی و پیشوائی معنوی خود کردہ و
میفرماید:۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
اقبال مولوی را راز گشای معمای مرگ و زندگی میدانند و میفرماید:

مرشد رومی حکیم پاکزاد
سرمرگ و زندگی برمن کشاد

پیام جناب آقای ڈاکٹر محمد مصدق

اپریل ۱۹۵۲ء ایران کے مشہور ادیب اور ادب نواز ادیب السلطنہ سمیع مرحوم کی صدارت میں یوم اقبال منانا گیا جس میں وزیر اعظم وقت ڈاکٹر محمد مصدق کے پیغام کا ریکارڈ سنا گیا اور جلسہ کی تمام کاروائی مرکزی اور تمام صوبائی ریڈیو اسٹیشنوں سے ریلے کی گئی۔ یہاں اس بات کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ ان دنوں وزیر اعظم ایران تیل کے تاریخی جھگڑے میں مشغول تھے اور ان کے لئے اور تہران ریڈیو کے لئے چند منٹ وقت نکالنا ایک دشوار امر تھا۔ اور سکرپٹری انفارمیشن آفای بشیر فرہمند نے مجھے کہہ دیا کہ وزیر اعظم کے پاس پیغام ریکارڈ کرانے کا وقت نہیں اور ریڈیو تہران کے قومی اور ضروری پروگرام ایسے ہیں کہ یوم اقبال کے جلسہ کی کاروائی ریلے نہیں ہو سکے گی۔ آفای فرہمند نے مجھ کو ذاتی طور پر مشورہ دیا کہ میں براہ راست وزیر اعظم سے بات کروں۔ میں نے ٹیلیفون پر اقبال کی اہمیت ڈاکٹر مصدق کے گوش گزار کی۔ ڈاکٹر مصدق نے اسی وقت سکرپٹری انفارمیشن اور ڈائریکٹر ریڈیو تہران کو حکم دیا کہ فوراً یوم اقبال کے جلسہ کی کاروائی کو ریڈیو سے ریلے کرنے کا انتظام کیا جائے اور اسکے علاوہ اپنا پیام ریکارڈ کرا کر بھیجوانے کا وعدہ کیا۔ اور چند گھنٹوں میں سب انتظامات مکمل ہو گئے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ایران کو جو اقبال سے ربط اور دلچسپی ہے وہ سیاسی کشمکشوں سے بہت بالا تر ہے وزیر اعظم کے پیغام کا متن یہ ہے۔

دو پاکستان کے افق سے اقبال کے ستارے کا طلوع ابتداء ہی سے اپنی

طلوع کو کب اقبال در افق پاکستان نہ از آوان پیدایش خود درخاں

ہو جائے۔ ہم اپنی طرف سے ہمیشہ اس اتحاد اور یگانگت کے آرزو مند ہیں
اور اس عظیم المرتبت عالم کی بزرگ روح پر درود بھیجتے ہیں۔

* *
* *
*

دوام تر گردد - ما نیز بنوبہ خود ہموارہ مشتاق و آرزو مند این اتحاد
بگاہی میباشیم و بروح پر فروع این دانشمند بزرگ درود میفرستیم۔

یہ صحیح ہے کہ ایرانی شعرا کے شعر کی بلندی اور انکے افکار کی عظمت نے اقبال کی توجہ کو فارسی زبان کی طرف مبذول کیا لیکن یہ نہیں بھولنا چاہئے وہ ہمارے مشترک ادب اور افکار کو اتنی ہی اہمیت دیتا تھا جتنی کہ ان دو دوست اور برادر قوموں کے اتحاد کو۔ (جو عقلی اور نظری لحاظ سے ان دو ملتوں کے درمیان قدیم سے موجود تھے) یہی وجہ ہے کہ اقبال نے تمدنی اور روحانی تعلقات کو مستحکم کرنیکی کوشش کی۔ ہم انکے خیالات کو تعریف اور تمجید کے قابل سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے لئے یہ بڑی خوشی کا موجب ہے کہ ایرانی فضلاء اسکی گران بھا تصنیفات سے دلچسپی اور محبت کا اظہار کر کے اقبال کے متعلق اپنی حق شناسی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

جسطرح اقبال ایرانی مفکروں کی قوت الہام سے فیضیابی پر فخر کرتا ہے اور کہتا ہے ”مجھے دیکھو کیونکہ ہندوستان میں میرے بغیر اور کسی کو سخن سراپان بزرگ ایران بنیکو ترین وجہی ادا ساختہ است۔ درست است کہ توجہ آن فیلسوف بزرگ بلندی نظرو عظمت فکر شعرا ایرانی اورا مجذوب زبان شیوای فارسی ساخت ولی نمیتوان نا دیدہ گرفت کہ وی بفکرو ادبیات مشترک ما ہما نقد اہمیت میداد کہ برای اتحاد و یگانگی دولت دوست و برادر ارزش قائل بود۔ اینست کہ ما برای اقبال در تحکیم روابط فرهنگی و تشدید علایق معنوی بین دولت کہ از دیر باز باہم پیوستگی عقلی و ذوقی داشتہ اند سہم شایان تمجیدی قائلیم و مایہ کمال خرسندی است کہ گویندگان و دانشمندان ایرانی حق شناسی خود را نسبت باین فیلسوف با ابراز علاقہ مندی با آثار گرانہای او ادا میکنند۔

ہما نظور کہ اقبال بیرخورداری از نیروی الہام متفکرین ایرانی مباحات

جستہ و میگوید

آسمانی شاعری کے ذریعہ سے پاکستان کی نجیب ملت کی آزادی کی خوشخبری دے رہا تھا۔ اقبال نے امپیریلزم کے ظلم و ستم کے خلاف اپنے عالی مقاصد اور اپنے دلکش بیان کے ذریعے قیام کیا۔ الحق اقبال کا طلوع پاکستان کی آزادی پسند قوم کے لئے مبارک اور با برکت تھا۔

جو چراغ اقبال نے قوم کی ہدایت اور ارشاد اور اسکے خیالات کو روشن کرنیکی غرض سے جلا یا ہے نہ صرف زمانیکے تمام حادثوں میں قائم اور پا برجا رہے گا بلکہ روز بروز اسکی شعائیں روشن تر اور اسکا نور درخشاں تر اور زیادہ امید افزا ہوتا جائیگا۔

اقبال نے اپنے خیالات اور مقاصد بیان کرنے کے لئے زبان فارسی کا انتخاب کر کے فارسی زبان لوگوں کی بڑی خدمت کی ہے۔ اور جو فائدہ اسنے فارسی کے عظیم الشان شاعروں کے کلام سے حاصل کیا اسکا بدلہ بہترین طریقہ سے ادا کیا ہے۔

یک سلسلہٴ گفتار آسمانی آزادگی و استقلال ملت نجیب پاکستان را نوید میداد و در مبارزه با ستمگریہای استعمار طلبان مقاصد عالیہ خود را با بیانی شیوہ اداٴ مینمود برای ملت آزاد پیخواہ پاکستان طالعی سعد و فرخندہ بود۔

چراغی کہ اقبال برای تشحیذ افکار و ہدایت و ارشاد قوم خود بر افروخت نہ تنها در برابر ہر گونه حادثات دہر ہمیشہ پای بر جا و استوار خواہد ماند بلکہ ہر روز کہ بگذرد اشعہ آن ساطع تر و پرتو درخشانش امید بخشی تر میگردد۔

اقبال با انتخاب زبان فارسی برای بیان عقاید و ابراز مقاصد خود خدمت بزرگی بدنیای فارسی زبان نمود و حق خود را در تمتع از گفته های نغز

پیام جناب آقای سپہد زاهدی

۱۹۵۴ء میں بجائے سفارت کبرای پاکستان یوم اقبال انجمن فرهنگی ایران و پاکستان کی طرف سے منایا گیا۔ وزیر اعظم وقت سپہد (مارشل) زاهدی نے انجمن فرهنگی کے اس اقدام کو بہت سراہا اور صدر انجمن آقای حجازی مطیع الدولہ کے توسط سے اپنا خصوصی پیغام بھیجا۔ وزیر اعظم اپنے پیغام میں فرماتے ہیں۔

وہ انجمن روابط فرهنگی ایران و پاکستان کے وجود میں آنے سے ان دو برادر اور ہم مذہب ملتوں کے باہمی ارتباط کو (جسکے لئے ہمیشہ کوشش کی جاتی رہی ہے) بہت تقویت پہنچی ہے۔ یہ انجمن دونوں ملتوں کے فرهنگ دوست اصحاب کی کوشش سے وجود میں آئی ہے اور اعضای انجمن نے اقبال کے ستارے کی روشنی میں اپنے عہد دوستی اور فرهنگی تعلقات کی تجدید کے لئے اس جلسے کا اہتمام کیا ہے۔ یہ جلسہ دونوں ملتوں کے روحانی ارتباط کا موجب ہوگا۔ اقبال نے اپنے ہموطنوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے زبان شیریں فارسی کو انتخاب کیا ہے ان دو ملتوں کے معنوی تعلقات کے استحکام

تشکیل انجمن روابط فرهنگی ایران و پاکستان وابستگی معنوی این دو ملت برادر و ہمکیش کہ برای استحکام آن ہموارہ علافمندی میشود استوارتر میسازد۔ این انجمن کہ بہمت دوستداران فرهنگ دو ملت تاسیس شدہ و بروشنائی ستارہ اقبال برای تجدید عہد دوستی و علاقہ فرهنگی جشنی برپا کردہ اند، موجب پیوستگی معنوی بیشتر دو ملت ایران و پاکستان میگردد۔ اقبال کہ برای ہدایت و راہنمائی ہموطنان خرد زبان شیرین فارسی را

نہ دیکھو گے۔ کہ ایک برہمن زادہ روم و نبریز کے اسرار سے آشنا ہے،،
اسی طرح ایران بھی اس ارتباط کو احترام کی نلہ سے دیکھتا ہے میرے لئے
یہ انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ اس بیغام کے ذریعے سے اس جشن میں
شرکت اور دونوں ملتوں کی روز افزوں کامیابی اور سعادت کے لئے اپنی آرزو کا
اظہار کروں۔“

* * *
* *
*

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیکر نمی بینی

برہمن زادہٗ رمز آشنای روم و تبرہراست

ایران نیز بان پیوستگی بچشم احترام مہنگرد - برای من مایہ کمال

مسرت است کہ این پیام را وسیلہ شرکت خود در این جشن قرار میدہم و

سعادت و کامیابی روز افزون برای دو ملت دوست و برادر آرزو کنم -

متفرقات

(بعض اقتباس کتاب کی تدوین کے بعد دستیاب ہوئے لیکن ان کی اہمیت کے پیش نظر ان کو اسی جگہ درج کیا جاتا ہے بعض اقتباسات کا اردو ترجمہ پیش نہیں کیا جا سکا)

از نامہء جناب آقائی رضا جعفری وزیر تعلیم ایران

۱ پاکستان کے شاعر اور حکیم محمد اقبال کو ایران کی ادبی تاریخ میں بھی وہی مقام حاصل ہے جو پاکستان کی ادبی تاریخ میں اور جتنی بھی نوجہ اسکے کلام کے مظانہ اور تحقیق پر دی جائے اقبال اسکا سزاوار ہے۔

از مقالہ آقائی پارسا توسرکائی

(آقائی پارسا ایران کے قابل فخر شعرا اور ادبا میں سے ہیں اور ایران کی مشہور عالم انجمن ادبی فرہنگستان ایران کے سکریٹری ہیں)

۲ تھوڑے ہی عرصہ میں علامہ اقبال کا نام تمام دنیا میں مشہور ہو گیا ہے مشرق کی سر زمین جیہوں سے نیل تک اسکے یروں کے نیچے آچکی ہے

۱ محمد اقبال شاعر و حکیم پاکستانی در تاریخ ادبی ایران همان مقام را دارد کہ در تاریخ ادبی پاکستان و ہر چند در احوال و افکار این دانشمند پاکستانی پارسا زبان تحقیق و کنجکاری و استغما شود بجا و سزاوار است۔

با اینکه شهرت علامہ محمد اقبال در اندک مدتی جہانگیر شد و سر زمین خاور را از جیہوں تا نیل زیر بر گرفت و در اقصی نقاط مغرب نیز پر تو

میں اسکا بہت بڑا حصہ ہے۔ اور اسی مناسبت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایران و پاکستان کی دو ملتوں کا بلندی فکر، فصاحت اور شیرینی زبان کے لحاظ سے دو اقبال، مشترک ہے۔

روز اقبال کا جلسہ جو اس سال انجمن فرہنگی کو کوشش و ہمت سے ہو رہا ہے زیادہ پر اخلاص اور زیادہ ہیجان انگیز ہے۔ اور اگر میں خود کسی وجہ سے اس جلسہ میں حاضر نہ ہو سکوں تو میرا دل وہاں موجود ہوگا۔ اور میرے لئے یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ اس دوستی کے پیغام کے ذریعے اس جلسہ میں شرکت کر رہا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ یہ دونوں ملتیں جن میں برادرانہ اور دوستانہ تعلقات موجود ہیں کامیابی اور سعادت کے راستہ پر تیزی سے گامزن ہوں۔

انتخاب کردہ است در تشیید و تحکیم علائق معنوی دو ملت سہم بسزائی دارد و ہمیں مناسبت میتوان گفت کہ دو ملت ایران و پاکستان از نظر علو فکر و فصاحت و شیرینی زبان دارای یک اقبالند۔

جشن اقبال کہ اسمائ بہست انجمن روابط فرہنگی ایران و پاکستان برپا میشود صمیمانہ تر و شور انگیز تر است۔

اگر بجہاتی نتوانم در این جشن حاضر شوم فکر من پیش شما است و مایہ بسی خوشوقتی است کہ با ایراد این پیام دوستانہ در این بزم شرکت میکنم و آرزو دارم کہ دو ملت دوست و برادر پیوستہ در راہ موفقیت و سعادت گام ہای بلندی بردارند۔

۱..... جب ہم غور کریں تو دیکھتے ہیں کہ اقبال کے اشعار کے آئینے میں ہمارے عظیم المرتبت اجداد ہی کے چہرے ہیں جو نئے رنگ و روپ میں ظاہر ہوئے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اقبال مولانا جلال الدین بلخی کا مرید اور پیرو ہے مگر اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہئے کہ اقبال تمام جدید یورپین فلسفہ اور سیاسی افکار کے مطالعہ سے بہرہ مند ہے اور جن لوگوں نے مغربی افکار و نظریات کا مطالعہ کیا ہے اقبال کی وسعت نظر پر تعجب کرتے ہیں۔ شاید ہی کوئی مہم فلسفیانہ یا سیاسی نظریہ یا تحریک ہوگی جسپر اقبال نے اظہار نظر نہ کیا ہو۔ اور اسکی نظر ہمیشہ صائب اور فطرت انسانی کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔ اقبال اس زمانے کا رومی ہے۔ مگر یہ زمانہ بلخی کے زمانے

آثار اقبال مثل یک آئینہ تمام زیبائی های شعر و فکر اقبال را بطرز دلپذیری منعکس میکند و چون بدقت مینگریں می بینیم کہ همان قیافه های نیاکان بزرگ ماست کہ در آئینہ شعر اقبال بشکل تازه ای جلوہ گر گر دیده است۔

شکی نیست کہ اقبال مرید و پیرو مولانا جلال الدین بلخی است ولی نباید فراموش کرد کہ اقبال از فلسفہ های جدید و افکار سیاسی اروپا نیز بہرہ مند گردیدہ و برای کسانیکہ در افکار و نظریات متفکرین غرب دقت نمودہ وسعت و بسط نگاہ اقبال شگفت آور میباشد۔

اقبال درباره فلسفہ های مختلف و نہضت های سیاسی اظہار نظر نمودہ و نظری در ہمہ مورد صائب و با فطرت بشری موافق میباشد۔
اقبال رومی این عصر است ولی باید در نظر داشت کہ این عصر

لیکن ابھی تک لوگوں نے اس دُردِ خود آگاہ، کی عظمت کو نہیں پہچانا۔ مناسب ہوگا کہ اسکے تابناک افکار اور آثار کا (جنکے تحت تاثیر عظیم اسلامی ملک وجود میں آیا) مطالعہ اور انپر بحث اور گفتگو کیجائے تاکہ اس فرزندِ اسلام کی دانش کے خرمین اور اسکے بلند مقاصد سے ہم زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔۔

علامہ اقبال نے مشرق کے عظمت کے کاخ کی بنیاد رکھی ہے اور ایک ایسے مکتب کی داغ بیل ڈالی ہے جہاں زمانہ حال اور زمانہ مستقبل کی نسلوں کی علمی اور سیاسی لحاظ سے پرورش اور تربیت ہو سکیگی۔
(اقتباس از رومی عصر)

از نامہء خانم دانشمند دوشیزہ پروانہ صدر اعظم نوری

دوشیزہ پروانہ نوری علاوہ ادبیات فارسی کے انگریزی زبان پر عبور رکھتی ہیں اور موقر زنانہ رسالہ دوخانہ،، کچھ مدت تک انکے زیر نظر شائع ہوتا رہا ہے

افگند ہنوز آن گونہ کہ باید و شاید مردم بہ عظمت این (مرد خود آگاہ) پی نبرده اند و شایستہ آن است بیشتر در پیرامون اندیشہ ای تابناک وی اثری کہ در پیدایش عظمت کشور اسلامی داشته بحث و مذاکرہ شود تا همکاران از خرمین دانش و هدف بلند این فرزند برومند اسلام بیشتر بہرہ مند شوند۔
علامہ اقبال کاخ بلند از فضیلت در شرق پی افگند کہ دولت جوان پاکستان آنرا تکیہ گاہ خود قرار دادہ و مکتبی تا سیس کرد کہ پرورش گاہ رجال علمی و سیاسی نسل حاضر و نسل آئندہ آن کشور بشمار میرود۔

اور نابغہ روزگار شمار کیا جاتا ہے۔ جسکا پر افتخار نام قوموں کی زندگی اور بشر کی تاریخ میں زرین حروف میں ثبت ہے اور ایک وسیع مسلمان ملک کی آزادی اسکے ارادے اور عالی انکار سے وجود میں آئی ہے۔

روز نامہء پست تھران - شماره ۱۷۲

۱ اسلامی تمدن اپنی تمام عظمت اور درخشانی کا راسخہ طے کر کے بعض وجوہات کی بنا پر رو بزوالت کیا۔ خیام و مولوی سعدی و حافظ ایسے بزرگوں کا زمانہ ختم ہونیکے بعد ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری (جو مولوی اور حافظ کا زمانہ ہے) کے بعد پچاس سال پہلے تک کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا جو اپنے زمان و مکان سے باہر قدم رکھے اور اپنے وسیع اور روشن افکار سے نہ صرف اپنے ملک بلکہ تمام متمدن دنیا کی راہنمائی کر سکے

تقریباً نصف صدی پہلے پاکستان کے مسلمان شاعر اقبال لاہوری نے

زندگی ملل نام پر افتخارش با حروف زرین ثبت و مشہود گشتہ است و استقلال کشوری بزرگ و مسلمان بہمت و ارادہ و افکار عالی او بوجود آمدہ است۔

۱ تمدن اسلامی با ہمہ عزت و درخشش خود در طی حرکت خویش بر اثر عواملی چند روز بضعف گذاشت و دیگر کار بزرگانی مانند خیام و مولوی و حافظ و سعدی طی شد و از قرن ہفتم و ہشتم ہجری کہ قرن مولوی و حافظ است تا پانچہ سال پیش کسی نیامدہ است کہ از حدود زمان و مکان بتواند تجاوز کند و فکر بسیط و روشن خود را راہنمای مردم کشور خویش بلکہ جہان متمدن قرار دہد تنہا از حدود نیم قرن پیش اقبال لاہوری شاعر مسلمان پاکستان است کہ پای از حدود عادی فراتر گذاردہ و بجای

کی نسبت بدرجہا وسیع تر اور علمی ادبی اور سیاسی لحاظ سے پیچیدہ تر ہے
.....، مثنوی، اقبال کے لئے ایک مشعل ہے جسکی روشنی میں
وہ عصر حاضر کے پیچیدہ اور تاریک راستوں کو طے کرتا چلا گیا ہے۔

از آقای احمد زرین خامہ

احمد زرین خط تہران صحافی حلقوں میں معروف ہیں اور انکو قصوف
اور فلسفہ اسلامی سے گہرا لگاؤ ہے

کئی سال سے میں لاہور کے فارسی گو شاعر اقبال سے آشنا ہوں اور
اسکی عظمت کلام اور الہام کو جو اسے عالم عرفان کے بادشاہ مولای رومی سے
حاصل ہوئی پہچاننا ہوں۔ لیکن مجھے کبھی اس بات کی ہمت نہیں ہوئی
کہ اسکے کلام کو جیسا چاہئے تجزیہ اور تحلیل کر سکوں۔

اقبال ایک گرانمایہ شاعر، پاک سرشت عارف، بصیر اور ممتاز فلسفی
نسبت بہ عصر بلخی براتب وسیع تر و از حیث اوضاع ادبی و علمی و
پیچیدہ تر می باشد۔

مثنوی مولانا برای اقبال مانند یک مشعلی است کہ بنور آن جاہد
ہای تاریک و پر پیچ عصر حاضر را طی مینماید۔

سالہاست با آثار اقبال شاعر پارسی گوی بزرگ لاہوری آشنا شدہ
ام و عظمت گفتار او را در الہامی کہ از شہر یار بزرگ عالم عرفان مولای
رومی کسب کردہ است در یافتہ ام ولی ہیچکہ در خود یارای آن ندیدہ ام
کہ لا اقل بتوانم آنطور کہ شاید و باید آثار و افکار او را تحلیل نمایم۔

اقبال نہ تنها شاعری گرانمایہ عارفی پاک سرشت و دانشمندی بصیر و
ممتاز بشمار میرود بلکہ یکنابغہ ای محسوب میشود کہ در تاریخ بشریت و

تو پاکستان کے والا گہر قومی شاعر کا بینظیر اور نورانی چہرہ ہمارے سامنے
مجسم ہو جاتا ہے۔

روز نامہٴ پارس شیراز شمارہ ۱۵۷۹

۱۔ جس زمانے میں ہندو پاکستان کے لوگ خارجی حکومت کے سختیوں کی
بوجھ تلے وقت گزارتے تھے امر انہیں کوئی جان بانی نہ رہی تھی، اقبال نے
اپنے بھیج اور روح انگیز اسعار کے ذریعے ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں
حرارت پیدا کی اور انہیں استقلال اور آزادی حاصل کرنیہ خیال جا گزیں مرا۔

یہ ایک حیرت انگیز بات ہے کہ پاکستان کے وجود میں آنے سے
تقریباً بیس سال پہلے اقبال نے اسلا نقشہ اپنے تخیل میں کھینچا۔ اس لئے اگر
پاکستان کو اقبال کے تخیل کی پیداوار کہیں تو اس میں کوئی سببغہ نہیں۔

وجود نورانی و بی نظیر علامہ اقبال شاعر والا گہر و ملی پاکستان ہو۔

میگرد۔

۱۔ ہندوستان کے غنوز مدت (ہند و پاکستان) در زیر بوغ انصاف و پسر مہمرد
و دیگر ربی برائش باقی نماندہ بود مرحوم اقبال با اسعار مہمرد و روح
انگیز خود چنان شوری در میان مردم ہند انعامت کہ از همانروز بشکر
گرفتن استقلال و باست آوردن آزادی افتادند۔ از نصیحت آنکہ قریب بہ
سال بیس از آنکہ پاکستان بوجود آید اقبال آترا در مغز خود ایجاد کردہ
و نقشہٴ آترا در ضمیر منیر خویش ترسیم نمودہ است و بنا بر این اگر پاکستان
را مولود افکار بلند آمدرد بزرگ بدانیم اشراق نگفتہ ایم۔

عام حدود سے آگے اپنا قدم بڑھایا۔ بجای ساقی اور شاہد اور محفل انس کے اسکا خطاب تمام بر صغیر کے ہند بلکہ تمام اہالیان مشرق زمین سے تھا۔ شاید ہی کسی نے اقبال لاهوری کی مانند اپنی ملت پر اتنا گہرا اثر ڈالا ہوگا یا ملت کی زندگی میں انقلاب پیدا کیا ہوگا۔

پاکستان کی ملت اور مملکت کا وجود میں آنا اقبال کے افکار اور اسکی علمی اور ادبی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اقبال کا نام پاکستان کی آزادی سے مربوط بلکہ اسکا مترادف ہے۔

روز نامہ ستارہ شمارہ ۴۰۴۳

۱۔ جواوگ ایران و پاکستان کی تاریخ اور ادب سے آشنا ہیں جانتے ہیں کہ ان دو ملکوں کے درمیان معنوی وحدت اور رومانی یگانگت موجود ہے۔ اگر ہم اس رومانی ربط اور افکار کی نزدیکی کو سمجھنے کی کوشش کریں آنکہ مخاطب او شاہد و ساقی محفل انس باشد با سراسر مردم قارۃ ہند بلکہ مردم مشرق زمین سخن میگوید۔

کمزور کسی مثل اقبال لاهوری توانستہ است کہ در ملت این اندازہ تاثیر کند و حتی حیات ملتی را تغیر دہد۔ تشکیل ملت و دولت پاکستان نتیجہ افکار و فعالیتہای علمی و ادبی اوست و بہمین منظور است کہ تا پاکستان در جہان است کہ ہمیشہ پایدار باشد، نام اقبال با مفہوم استقلال پاکستان نزدیک بلکہ مترادف است۔

۱۔ کسانی کہ با تاریخ و ادبیات ایران و پاکستان آشنائی دارند بخوبی میدانند کہ یکنوع تلفیق روحی و توحید معنوی ما بین دو کشور موجود میباشد۔ اگر بخواہیم بعلت اصلی این ارتباط افکار و ہم روحی پی بریم قیافہ و

کا وطن شیراز اور صائب کا وطن تبریز اس مثلث کے تین زاوئے ہیں اور مولانا جلال الدین کا مرزبوم بلخ اسکا دل ہے۔

عرفانی مشرب مہی اقبال کا مشرب ایک علمی مشرب ہے اور وہ اپنے قدیم مرشد رومی کی طرح وہ لا رہبانیت فی الاسلام، کے مطابق گوشہ گیری سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی تنقید کرتا ہے جو فقر کے نام سے ترک دنیا، کے عقیدے کو اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہیں اس زمانے کے رومی کے اشعار مسلمانوں کو جھوٹ موٹ کے فقر اور تصوف سے خبردار کرتے ہیں اور انکو اسلام کے اعتلا کے لئے علمی جدو جہد کی دعوت دیتے ہیں۔

اقبال اندیشہ خود را در چہار دیوار ہند محصور نموده بلکہ در عالم تخیل یک حیطہ جغرافیائی بشکل مثلث ترسیم نموده کہ لاہور مسعود سعد سلمان و شیراز و حافظ و تبریز صائب زوایای سہ گانہ و بلخ مولانا قلب آن را تشکیل میداد ولی مکاشفات (رومی عصر) از تخیلات سیاسی و ادبی او مہمتراند۔

اقبال در مشرب عرفان نیز دارای روش علمی است و مانند سلف مقتدای خود مولانا بمصداق لارہبانیت فی الاسلام از افراط در گوشہ گیری ابراز تنفر مینماید و آنہائی را کہ بعنوان فقر یک نحوہ تاریک دنیا در اسلام بوجود آوردند مورد انتقاد قرار میدہد اشعار رومی عصر مسلمانان را از فقر دروغی و تصوف کاذب بر حذر داشتہ و آنہا را بمبارزہ علمی برای اعتلای اسلام دعوت نمودہ است۔

اقبال کے اشعار کے مطالعہ اور سر زمین ایران کے ساتھ اس کے عشق اور دلچسپی کو دیکھ کر وہ خطوط جو جغرافیہ کی کتابوں میں پاکستان اور ایران کی مشترک سرحد کو ظاہر کرتے ہیں میری نظر سے محو ہو گئے۔ میں نے محسوس کیا کہ جو چیز ایران کی ہے وہ پاکستان کی ہے اور پاکستان کے تمام ادبی اور سیاسی مسائل اور معاملات ایران سے تعلق رکھتے ہیں۔

شاعر ملی پاکستان اقبال ادبیات فارسی کا سرمایہ اور اس زبان کے لئے موجب افتخار ہے کیونکہ اس نے انگریزی تسلط کے عروج کے وقت ایرانی ادب کے نوسوائے سرمایہ اور فارسی زبان کی جو اس ملک میں آخری دموں پر تھی حفاظت کی اور اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو خارجی امپیریلزم کی فکری غلامی سے نجات دی۔

از روز نامہ دوست ملت شیراز شماره ۱۷۷

اقبال کے افکار ہندوستان کی چہار دیواری میں محصور نہیں۔ اقبال نے عالم تخیل میں ایک مثلث کی شکل کی ترسیم کی۔ مسعود سلمان کا وطن لاہور، حافظ در اثر خواندن اشعار علامہ اقبال و درک شوق و جذبہ او بسر زمین ایران خطوطی کہ بروی نقشہ جغرافیا بعنوان حدود و ثغور و مرز مشترک ایران و پاکستان از نظرم محو شد زیرا احساس کردم ہر چہ بایران تعلق دارد متعلق بہ پاکستان است و در مقابل تمام شئون ادبی و حلقہ های سیاسی پاکستان نیز بایران تعلق دارد۔ اقبال شاعر ملی پاکستان و مایہ افتخار ادبیات فارسی است زیرا در بحبوحہ قدرت و معارضہ زبان انگلیسی با ادبیات نہصد سالہ ایران در شبہ قارہ ہند از زبان فارسی کہ دقائق احتضار را میگذراند دفاع نمودہ و مسلمانان ہندوستان را از بردگی فکری دولت حاکم استعماری نجات داد۔

انتخاب از قصیدہ امیر فیروز کوهی

(امیر فیروز کوهی کا شمار زمانہ حاضر کے استاد شعرا میں ہے اور سبک ہندی میں سخنسرائی کرنے والوں میں آپ کا مرتبہ سب معاصر شعرا سے بلند مانا جاتا ہے۔)

جمال دوست پاکان ز پردہ چون بدر آمد
زدیم فالی و اقبال بی زوال بر آمد
بجز خدای کسی اقبال بی زوال ندارد
کہ آنہم از در پاکان روزگار در آمد
ظفر مصاحب اقبال یارو بخت مساعد
بین کہ بر اثر صبر نوبت ظفر آمد
»وفی الصباح سری القوم یحمد،، اربشنیدی
درست بود چو شب رفت و صبح جلوہ گر آمد
مضی الحیوة و ما اقبل الحیب علینا
خبر نیامد از آن یار و مرگ بی خبر آمد
اری اجود بنفسی و ما بچود بوصل
نوید وصل نیامد مرا و عمر سر آمد
،، امیر،، دامن اقبال را ز کف مگذاری
کہ ہر کہ حاجت از آن نور پاک خواست برآمد

اقتباس از منظومہ ڈاکٹر رضا زادہ شفق

(دکتر رضا زادہ شفق ایران کے مشہور علما اور فضلا میں سے ہیں اور آپکی تصنیفات کو بین المللی شہرت حاصل ہے۔)

اقبال

اوستاد سخنوران جہان	شاعر فیلسوف ہمساکستان
کہ نموده است در عبارت شعر	نغز اندیشہ های خودش بیان
رسم حکمت ز قول او ظاهر	سر وحدت ز شعر اوست عیان
مسترب اهل حق مشرب او	مستعب اوست مستعب عرفان

اقتباس از اشعار حسین عشقی پور

اقبال

او مسیحائی فعل بود و کمال	شعر را زندہ کرد میدانی؟
با تعب کسب علم کرد و ادب	تا کہ شد ہم چو رومی ثانی
جمد آثار آن حکیم بزرگ	روشنی بخش فکر انسانی
نام نیکوش جاودان ماند	ہم چو خورشید و ماہ نورانی
آخر زندگانی ار مرگ است	شاعر از مرگ نہ شود فانی
واقعا آسمان پاکستان	پرورانید نفس تابانی
کہ فروزندہ نور او دانم	نور تقوی و فضل رحمانی
پاد آن تربیت تو ای اقبال	مہبط نور پاک سبحانی

آقای صارمی

بر مزار علامه اقبال لاهوری

بر خیز از خواب گران ای جان من قربان تو
بنگر که مشتاق آمدم در خاک پاکستان تو
ای مظهر صاحب دلی دست من و دامن تو

بر خیز در ایوان نگر مہمان از ایران آمده
بر خیز از خواب گران اینجا نباشد جای تو
بر خیز و پیش آ تا نہم بر روی چشمم پای تو
بر دیدہ بنشانم ترا در دل دہم ماوای تو

افتادہ راہت بہ بین افتان و خیزان آمدہ
بر خیز از خواب گران اقبال من اقبال من
ای دختر اندیشہ ات معشوق ماہ و سال من
بردار سر بشنو سخن ای کعبہ آمال سخن
در پیشگاہ دانست طبعم غزلخوان آمدہ

طی کردہ ام پیمودہ ام پر پیچ راہ دور تو
منزل بمنزل آمدم تا شہر و تا لاهور تو
اکنون تو و مفتون خود اینک من و دستور تو

آزادہ ای دلدادہ ای در بند فرمان آمدہ
ای آفتاب معرفت ای نکتہ پرداز سخن

از آقای بلاغی

بیاد اقبال شاعر پاکستانی

دوش بر یادت نگارا گریه ای مستانه کردم
رخنه در بنیاد عقل مردم فرزانه کردم
تا سحر گردیده را از خون دل کردم لبالب
هرچه می بودم بساغر جمله دریمانه کردم
عقل را بیرون فرستادم ز شهرستان هستی
عالم دیوانگی را فارغ از بیگانه کردم
تا نباشد آه را هم راه در خرگه جانان
برکشیدم از دل و آواره اش زینخانه کردم
نیمشب چون زلف شیرنگش بچشمم جلوه گرش
شستمش با اشک و با مژگان خونین شانه کردم
در خیال شوکت اسلام با اقبال دوشین
گردشی از اندلس بگرفته تا فرغانه کردم
شمه از فتنه کشمیر با آن میر گفتم
شاعر فرزانه را از سوز دل دیوانه کردم

از آقای ابراہیم صفائی

۱۹۵۳ میں روز اقبال کے موقع پر آقای صفائی نے مندرجہ ذیل قطعہ پڑھا :

روز اقبال ہمہ اہل ادب را عید است

نام اقبال بتاریخ ادب جاوید است

یوم اقبال تمام ادبا کے لئے عید کا دن ہے

اقبال کا نام ادبیات کی تاریخ میں جاویدان ہے

آسمانی است جہان هنر و فضل و ادب

کہ در آن مرد هنرمند مه خورشید است

هنر اور فضل و ادب کی دنیا ایک آسمان سے مشابہ ہے

اور اس آسمان پر مرد هنرمند ماه و خورشید کے مانند ہے

نظم اقبال از آن شهرت روز افزون یافت

کہ ہمہ بکر و بدیع و بری از تقلید است

اقبال کے اشعار کی روز افزون شهرت کی وجہ یہ ہے

کہ اس کا تمام کلام تبع زاد، جدید اور تقلید سے بری ہے

شعر اقبال بترویج زبان ایران

خدمتی کردہ کہ شائستہ صد تمجید است

اقبال کے اشعار نے ایران کی زبان کو رواج دینے میں جو خدمت کی ہے

وہ تعریف کے لائق ہے

چہ در ایران چہ افغان و چہ در پاکستان

روز اقبال ہمہ اہل ادب را عید است

ایران میں ہو یا افغانستان یا پاکستان میں

یوم اقبال تمام اہل ادب کے لئے عید کا دن ہے

دارد مقام و رتبتی شعرت در ایران کهن
درس وفاداری دهد پندت بصدھا همچو من
گر سبک شعرت هندی و وراز خراسان آمده
مرغ خوش الحان سخن در صحن این بستان توئی
سنگ برای شعر ما در هند و پاکستان توئی
با ما به شعر و شاعری هم عهد و هم پیمان توئی
گر چه امیر دهلوی با سعد سلمان آمده
در آسمان شعر ما رخشان چون تابان اختری
در سینهٔ ما باز شد هر روز از عشقت دری
ای خاک پاکستان بدان قدر چنین دانشوری
دانشوری کاندلر جهان ذیقدر و ذیشان آمده



از نامہ استاد سعید نفیسی

استاد سعید نفیسی کے متعدد مقالات سے متن کتاب میں اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں۔ ذیل کا اقتباس انکے ایک خط سے نقل کیا جاتا ہے۔
یہ خط انھوں نے حال ہی میں آقای محمد ایوب کے نام لکھا ہے اور اسمیں انکے فارسی دیوان، نوای فردا، کے متعلق اظہار نظر فرمایا ہے۔

فارسی زبان کے شعرا ایسے حاذق اطبا کے لئے جو مردوں کو زندہ کر سکتے ہوں ہمیشہ سے ”مسیحا نفس“، مسیحا دم و عیسی نفس وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کرتے رہے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اس قسم کے الفاظ کا حکیم عالی مقام علامہ محمد اقبال کے حق میں استعمال کرنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ اس نے زبان فارسی اور ادب فارسی کو جو بر صغیر ہند و پاکستان میں ایک سو سال سے بھی زیادہ عرصے سے مردہ ہو چکی تھی اپنے مسیحائی دم سے زندہ کیا اور اسکو ایسی زندگی عطا کی کہ یہ زبان اپنی ”موت“، سے قبل کے زمانے سے بھی زیادہ طاقتور اور قوی تر ہو گئی۔

سخن سرایان فارسی زبان تعبیراتی چند مانند ”مسیحا نفس“، و مسیحا دم و عیسی نفس و نظائر آنرا ہموارہ دربارہ پزشکان حاذق کہ مردہ را زندہ میکنند بکار بردہ اند، در زمان ما اینگونه تعبیرات دربارہ علامہ محمد اقبال سراینده و حکیم بزرگ مناسب ترست زیرا کہ وی ادب فارسی و زبان فارسی را کہ در شعبہ قارہ ہند و پاکستان بیش از صد سال مردہ بود بدم مسیحائی خود زندہ کرد و چنان زندگی بخشید کہ از دوران پیش از مرگ ہم نیرومند تر و برومند تر شد۔ این کار را کہ زندہ کردن آداب و سنن مردہ باشد کمتر کسی توانستہ است در جہان بکند و می توان بحق این را از معجزات اقبال دانست۔

آقای عباس فرات

یوم اقبال (۱۹۵۴) کے موقع پر ایران کے مشہور کہنہ مشق شاعر
آقای عباس فرات نے ذیل کا قطعہ پیش کیا۔

ہست نوروز اہل شعر ادب
روز دکتہ محمد اقبال
شعرا اور ادبا کے لئے یوم اقبال
عید نوروز ہے
چون بدو سر فراز شد دانش
چون بدو زندہ گشت فضل و کمال
چونکہ اس کے وجود سے دانش کا مرتبہ بلند ہوا۔
اور فضل و کمال اسکے دم سے زندہ ہوئے
جانب آسمان عز و شرف
میزند مرغ روح او پر و بال
اسکی روح کا پرندہ عز و شرف کے آسمان
کی طرف پرواز کر رہا ہے
گشتہ زین روز خوش پیالہ ما
از شراب سرور مالا مال
اس مبارک دن ہمارا پیالہ
شراب سرور سے لبریز ہو گیا ہے
روز او ہم چو مہر دوست فرات
میشود دلفروز تر ہر سال
یوم اقبال محبوب کی محبت
کی مانند سال بسال زیادہ دلفروز ہوتا جاتا ہے۔

قطعه استاد سعید نفیسی کہ بر مزار اقبال در سال ۱۹۵۶ سروده شد

بخاک پاک تو آمد غباری از ایران
کشای چشم و سر از خاک یکزمان بردار
ز خاک سعدی و فردوسی آمدم بر خیز
پیام حافظ آورده ام بشو بیدار
بدست من گلی از بوستان مولاناست
بپای خیز که تا بر سرت کنیم نثار
هزار بار مرا آرزوی دیدن بود
چه میشود که بینم جمال تو یکبار
بجان و دل تو نفیسی ببوس خاک درش
که بود امید فراوان و آرزو بسیار
اپریل ۱۹۵۶

اس جہاں میں نہایت ہی کم ایسے اشخاص ہوئے ہیں جنہوں نے
مرہادہ آداب اور سنن کو زندہ کیا ہو اسلئے ہم نہایت انصاف سے اس بات کو
اقبال کا معجزہ شمار کر سکتے ہیں۔

اقبال محض پاکستان کی بنیاد رکھنے والوں میں سے ہی نہیں بلکہ
اسکے علاوہ اسکو ملل اسلامی کی جدید ادبیات کا (مخصوصاً فارسی زبانوں
کے لئے) موسس گردانا چاہئے۔ اسکا یہ اعجاز کہ اس نے مشرق کے رہنے
والوں کو کئی سو سال کی نیند سے بیدار کیا اہل جہاں کو حیرت میں
ڈالے ہوئے ہے۔

اقبال کے مسیحائی اور جان افروز دم کا اثر ہے کہ آج ہند و پاکستان
میں اور حتیٰ ایران میں متعدد اور مقتدر مفکروں نے اسکے معجزہ آسا کلام کی
پیروی شروع کر دی ہے اور اسکے عالی قدر اور قوت بخش افکار کی اپنے کلام
میں تعبیر اور تفسیر کرنے لگے ہیں۔

اقبال نے مشرقی فلسفہ کی نئی بنیاد رکھی ہے اور اسکے پیروؤں اور
مداحوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔

اقبال نہ تنہائیکی از بنیاد گذاران پاکستانست بلکہ مؤسس اساس جدیدی
در ادبیات ملل اسلامی و مخصوصاً پارسی زبانان می تواند بشمار آید۔ اعجاز
وی در این است کہ مردم خاور زمین را چنان از خواب گران چند صد سالہ
بر انگیزت کہ مایہ شگفتی جہانیان شد۔

اثر مسیحائی دم جانبخش اقبال ہمیں بس کہ امروز در ہند و پاکستان و
حتیٰ در ایران گروہی از متفکران برو مند دنبالہ کار بزرگ معجزہ آسای وی
را گرفتہ و اندیشہ بزرگ و نیرومند وی را در سخن خود تعبیر و تفسیر
میکنند۔ وی اساسی در فلسفہ شرق نہادہ است کہ روز بروز بر پیروان و
گروندگان آن می افزاید۔

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالتحقیق برائے علم و دانش

www.facebook.com/kurf.ku
www.facebook.com/groups/kurfku

KURF:Karachi University Research Forum
جامعہ کراچی دارالنتہیق برائے علم و دانش